توضیحات و تشریحات

فیصلہ ہفت مسئلہ

شیخ المشائخ حضرت شاہ امداد اللہ صاحب
مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ

از

مفتی محمد خلیل خان قادری برکاتی مارہروی



فرید بک سٹال ○ ۴۰ اردو بازار۔ لاہور ۲ پاکستان

۷۸۶
۹۲

رسالہ ہدایت قبالہ

فیصلہ ہفت مسئلہ

شیخ المشائخ حضرت شاہ امداد اللہ صاحب

مہاجر مکی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ

فقیر محمد عارف قادری غفرلہ
15.11.75

: مع :

توضیحات و تشریحات

: از :

مُفتی محمد خلیل خاں قادری برکاتی مارہری

مہتمم و صدر المدرسین دار العلوم احسن البرکات (ٹرسٹ)

حیدر آباد (سندھ) پاکستان

فرید بک سٹال ۳۸ اُردو بازار لاہور — ۲

نام کتاب ———— فیصلہ ہفت مسئلہ

مصنف ———— مفتی محمد خلیل خاں برکاتی قدس سرہ

ناشر ———— رومی پبلیکیشنز ۳۸ اردو بازار لاہور

تصحیح ———— مولانا طفیل احمد جالندھری

کتابت ———— فضل الٰہی گیلانی

تعداد ———— ایک ہزار

بار ———— سنہ ۱۴۰۶ھ / ۱۹۸۶ء ———— اوّل

مطبع ———— حامد اینڈ کمپنی پرنٹرز لاہور

قیمت -/۳۳ روپے



اِنتساب

حضور پُر نور، سید الافراد، قطب الارشاد، محی الدین محبوبِ سُبحانی سیدنا الشیخ عبد القادر جیلانی قُدِّسَ سِرُّہُ الرَّبَّانی کی بارگاہ بیکس پناہ میں، اُنہیں کے غُلامِ غلامانِ برکات کا پروردہ، ایک نابکار و سیہ کار بندہ، اپنی عقیدت و مُحبّت کے خوان میں، خلوص و للّٰہیّتُ سے سجایا ہُوا یہ گلدستہ، اس توقّع پر نذر کرنے کی جسارت کر رہا ہے کہ وہ کریم بن کریم محرومِ توجّہ نہ فرمائیں گے کہ ؎

وَلِلْاَرْضِ مِنْ کَاسِ الْکِرَامِ نَصِیْبٗ

ہمارے دستِ تمنّا کی لاج بھی رکھنا
ترے فقیروں میں اے شہریار! ہم بھی ہیں

العبد محمد خلیل خاں القادری البرکاتی عفی عنہ
حیدر آباد (پاکستان)
۱۵ر جمادی الاوّل ۱۴۰۴ھ
۱۸ فروری ۱۹۸۴ء شنبہ

آئینہ مضامین و مباحث

برادرانِ اسلام سے التماس

اللہ عزوجل ہمیں اور آپ سب کو ہر فتّین و فتنہ پرداز کے کید و مکر اور فتنہ و فساد سے اب اور ہمیشہ محفوظ و مامون رکھے۔ اپنے ناموس اپنی عزّت اپنے جسم اپنی جان اور اپنے مال و دولت کی حفاظت میں ہر کافر، ہر مسلمان ہمیشہ ساعی و سرگرداں اور سرگرم عمل رہتا ہے۔ اللہ عزّوجلّ کو یاد کر کے، اپنے عزیز وقت کا ایک حصّہ اپنے دین اپنے ایمان اور اپنے عقیدہ و عملِ صحیح کی حفاظت میں بھی صرف کیجیئے کہ یہ سب سے اہم و اقدم ہے۔ یعنی بگوشِ ہوش یہ چند فیصلے سُن لیجیئے۔ اور انہیں میزانِ عقل و انصاف میں تول کر حق و ناحق کی تمیز کیجئے۔ فضل الٰہی عزّوجل سے امید واثق ہے کہ دم کے دم میں، صبح حق تجلّی فرمائے گی اور شبِ ضلالت کی ظلمت دھواں ہو کر اڑ جائے گی۔ مخالفین اگر بر سر انصاف آئے فھو المراد۔ ورنہ آپ تو بعنایت الٰہی راہ حق پر ثابت قدم ہو جائیں گے۔ و باللہ التوفیق۔

میرے عزیز سُنّی مسلمان بھائیو!

اوروں سے نہیں، تم سے خطاب ہے۔ تم گھنٹوں اپنے قیمتی اوقات کے بیش بہا لمحات، ناولوں، ڈائجسٹوں، اخباروں، افسانوں کے مطالعہ میں گزار دیتے ہو۔ ان اوقات کو وجہ سکونِ قلب، شمار کر لیتے ہو۔ بیشک تم صاحبِ اختیار ہو۔ اپنے فعل کے مختار ہو۔ مگر اک ذرا، خدا کو مان کر، قیامت کو حق مان کر، اپنے عقیدے، اپنے ایمان، اپنے دین، اپنے ایقان کی خاطر، ان کی حفاظت ان کے تحفّظ کی خاطر، اک نظر ادھر بھی مگر اس کے ساتھ کسی کی شہرت، کسی کی شخصیت سے قطع نظر بھی، یہ کتاب ان شاء اللہ تعالیٰ تمہارے بہت کام آئے گی۔ دین و ایمان کی بربادی سے بچائے گی۔ صراطِ مستقیم کہ

مذہب اہلسنّت وجماعت سے عبارت ہے، تمہیں دکھائے گی۔ خدا ورسول جلّ وعلا اور محبوبانِ بارگاہِ عزت، معظمانِ مذہب وملّت کی پسندیدہ راہ پر چلائے گی۔ اوراس کے مطالعہ سے لازوال دولت ہاتھ آئے گی۔

ومن اللہ الھدایۃ وبہ الاعتصام۔

(ناچیز مؤلف)

۲، رجب المرجب سنہ ۱۴۰۳ھ شنبہ
مطابق ۱۶ اپریل سنہ ۸۳ء آغاز



اِفتتاحیہ

چند گزارشات

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدِ نِ الْمُصْطَفٰی وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ ذَوِی الْمَجْدِ وَالْھُدٰی وَعَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ ھَدَیْتَنَا وَھَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ وَیَا خَیْرَ الرّٰحِمِیْنَ۔

اگر بینم کہ نابینا و چاہ است
اگر خاموش بنشینم گناہ است

ہر ذی عقل، صاحب ہوش، صائب الرائے پر یہ بات ہویدا ہے کہ کسی کو کنوئیں میں گرتا، پانی میں ڈوبتا دیکھ کر، بچاؤ کی قدرت، بازوؤں میں قوّت رکھتے ہوئے، پتّھر کا مجسمہ بن جانا، چپکا بیٹھا رہنا، ہاتھ پاؤں نہ ہلانا، یا دوسروں کو اس کی مدد پر نہ اُکسانا، اگر بے غیرتی، بے حمیتی اور جنون و عقل باختگی نہیں تو اور کیا ہے۔ بحمدہٖ تعالیٰ ہم مسلمان ہیں، اگر ہم دوسروں کو فائدہ پہنچا سکیں اور نہ پہنچائیں، غیروں کے کام آسکیں اور نہ آئیں تو یہ فعل انسانیت کے منافی، آدمیّت کے خلاف اور سراسر خلاف تو ہے ہی، شرعاً بھی ایک جرم ہے اور قابل مواخذہ جرم۔

پھر چاہے ہمارے بچاتے بچاتے، اُسے ساحل نجات تک لاتے لاتے، وہ ڈوب کیوں نہ جائے، ہماری مدد پہنچنے سے پیشتر اس کا کام کیوں نہ تمام ہو چکے، مگر ہم اپنے

فائدہ رساں عزم، اپنی خیر طلبی، اپنی نیک نیتی پر عند اللہ ماجور اور عند الناس نیک نامی کے مستحق ہو گئے۔ کم از کم کوئی طعنۂ بے حمیتی تو نہ دے گا ہدف ملامت تو بنائے گا شرم و غیرت تو نہ دلائے گا۔ انسانی قوت میں یہ زبر دست تاثیر تو پائی نہیں جاتی کہ جس کام کا وہ قصد کرے، وہ لامحالہ ہر وقت میں پورا ہو کر رہے۔ کوشش کرنا ہمارا کام ہے اور کامیابی سے ہم کنار کرنا، اور ہماری تگ و دَو کو ہماری خواہش کے مطابق ظہور میں لانا، اُس قادر مُطلق کے دست قدرت میں ہے جس کی شان رفیع ماشاء کان و مالم یشالم یکن سے آشکارا ہے۔ جبھی تو نورانی دماغ اور روشن طبیعت حضرات ہمیشہ سے ہر کام کے شروع پر ہی کہتے چلے آئے کہ

اَلسَّعیُ مِنِّی والاتمام مِنَ اللہِ

غالباً اسی خیال کے پیش نظر، الحاج امداد اللہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ المتوفی ۱۳۱۷ھ نے مختصر رسالہ "فیصلہ ہفت مسئلہ" لکھا۔ اور متنازع فیہا مسائل میں جو حق و صواب جانا، صاف لکھدیا۔ اور واضح و روشن الفاظ میں اپنا مشرب و معمول بھی بیان کر دیا۔ لیکن یہ وہ دَور تھا کہ بادۂ نجدیت کے ہوش رُبا نشے نے، جمہور اہل اسلام کے مخالفین کے دماغ ایسے معطل نہ کیے تھے کہ ضروریات دین یا ضروریات مذہب اہلسنت سے کسی ضروری کا انکار کر بیٹھیں۔ یا پھر وہ عالم آشکار نہ ہوئے کہ شاہ صاحب اُدھر توجہ فرماتے۔ اس لیے آپ نے ان مسائل پر جو لکھا وہ مختصراً لکھا۔ اور اپنی سی یہی کوشش فرمائی کہ بحر ضلالت میں کود پڑنے والوں کو، اس بلاخیز تلاطم سے بچا کر ساحل مراد پر زندہ اور صحیح سالم لے آئیں۔ آگے خدا کی مرضی۔

لیکن مشیت ایزدی پر کون سبقت لے جا سکے۔ جس کی موت آ گئی ہو اُسے کون بچا سکے۔ جس کے نصیب میں اندھیری راتوں کی اندھے غاروں میں موت لکھی ہو اُسے کون روشنی دکھا سکے جنہیں ڈوبنا تھا وہ ڈوب کر رہے۔ جنہیں بھٹکنا تھا وہ بھٹک کر رہے۔ سچ تو یہ ہے کہ انسان کے جب بُرے دن آتے ہیں تو اُسے اُلٹی ہی سوجھتی ہے۔

اور خدا جب دین لیتا ہے تو عقل پہلے لے لیتا ہے۔ اب یہیں دیکھ لیجئے کہ بادہ نجدیت کے ان سرشاروں کو لاکھ بتایا اور سمجھایا کہ دیکھو بزرگوں کا نام مت اچھالو، بدنام ہو جاؤ گے معظمانِ دین کی پاک جنابوں میں گستاخانہ زبان مت کھولو، ورنہ وادی ضلالت میں کھو جاؤ گے۔ اپنی بداطواری، بدکرداری یعنی تخریب مذہب اہلسنّت وجماعت و تائید بدعت وضلالت سے ہاتھ اُٹھاؤ، ورنہ دنیا کی ہوس میں دین چھوڑ بیٹھو گے۔ تقویت الایمانی کفریات پر لعنت بھیجو اور محبوبانِ خدا کی عزّت ووجاہت اور رفعتِ منزلت پر ایمان لاؤ، اُن کے پاک دامنوں سے وابستہ ہو جاؤ، مقام محبوبیت پالو گے لیکن بادۂ نجدیت نے ان مخبوط الحواس، سرپھروں کو اس ہوش رُبا نشہ نے اتنی مہلت بھی نہ دی کہ وہ خیر وشر میں تمیز اور ہدایت وضلالت میں امتیاز کر سکیں۔ بلکہ قدمِ فسق بیشتر بہتر" کے ماتحت، ہر ایک نے دوسرے سے بڑھ کر ہٹ دھرمی، کج فہمی، کہہ مکرنی حق پوشی ناحق کوشی اور دیانت کُشی کو اپنا معتمد ومستند بنا کر، لیلائے نجد کی طرف قدم بڑھایا۔ نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ ضروریاتِ مذہب اہلسنت بلکہ ضروریاتِ دین کے انکار تک نوبت پہنچی اور دین وایمان سے رابطہ وعلاقہ صرف برائے نام باقی رہا۔

ایک حقیقت ثابتہ

اہلِ اسلام بخوبی جانتے ہیں کہ حضور پُر نور سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے وصالِ اقدس کے بعد، حسب معجزۂ غیب گوئی، بہ قدرت ومشیت وحکمت الٰہی، اگرچہ اسلام میں تفرّق واختلاف واقع ہوا اور یہ اُمت تہتّر فرقوں میں منقسم ہو گئی لیکن مذہبِ حق ومحقق اہلسُنّت وجماعت کو (سوادِ اعظم اسلام سے وہی مراد ہے) تمام بلادِ عرب ودیارِ عجم میں جو مقبولیتِ عامہ اور شہرتِ تامّہ کا شرف حاصل ہوا، وہ شہرت ووسعت کسی اور فرقہ کو نصیب نہ ہوئی۔ اور جمہور اہلِ علم وفقہ وسوادِ اعظم کے نزدیک یہ فرقہ ناجیہ چار مذاہب میں مجتمع قرار پایا۔ حنفی مالکی شافعی حنبلی اب جو ان سے جُدا، وہ اُن بہتر فرقوں میں داخل وشامل جن کے لیے عذابِ جہنم واجب۔ پھر ہدایاتِ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کے مطابق، ان گمراہ فرقوں میں بعض وہ

ہیں جو منکرِ ضروریاتِ دین ہیں۔ یہ لوگ باوجود کلمہ گوئی و قبلہ روئی مرتد و کافر اور بالاجماع اسلامی برادری سے خارج ہیں۔ اور جو فرقے دیگر عقائد و مسائل قطعیہ یعنی ضروریات مذہب اہلسنّت وجماعت کے منکر ہیں وہ اگرچہ بالاجماع کافر و مرتد نہ سہی، گمراہ و مبتدع تو ضرور ہیں۔

تو ضروریات دین میں سے کسی ضروری دینی کا انکار کرنے والے، یا ضروریاتِ مذہب اہلسنّت کے منکر، اگرچہ کلمہ پڑھیں، مسلمان بنیں، ان کا اختلاف، جمہور مسلمین سے فروعی اختلاف نہیں بلکہ اصولی اختلاف ہے۔ اور ہرگز کسی طور پر اس اختلاف بلکہ خلاف کو، کہ محض اتباع ہوائے نفس پر مبنی ہے، فروعی اور مسلمانوں کا باہمی اختلاف نہیں کہا جاسکتا ہے۔ یہ اختلاف ویسا ہی اختلاف ہے جیسا کفر و اسلام میں، دینداری و بے دینی میں، اہل مذاہب اور بد مذہبوں میں۔ راست رووں اور کجرووں میں۔

"تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ"

مسائل تین قسم کے ہوتے ہیں:۔

ایک ضروریاتِ دین۔ یہ وہ مسائل ہیں جن کا ثبوت قرآن عظیم، یا حدیثِ متواتر، یا اجماع قطعی جیسے دلائل سے ہوتا ہے۔ جن کی دلالت اپنی مراد پر ایسی قطعی ہوتی ہے کہ نہ اُس میں کسی شبہہ کی گنجائش ہوتی ہے نہ تاویل کو راہ۔ ضروریاتِ دین اسلام کے، عام و خاص پر روشن واضح وہ مسائل ہیں جن میں کسی دینی ضروری کا منکر، باجماعِ مسلمین یقیناً قطعاً کافر ہے۔ بلکہ ایسا کہ جو جان بوجھ کر، اس منکر کے کفر میں شک کرے وہ خود کافر ہے۔ اگرچہ وہ منکر، کروڑ بار کلمہ پڑھے، پیشانی اُس کی، سجدے میں ایک ورق ہو جائے۔ بدن اُس کا روزوں میں ایک خاکہ رہ جائے۔ عمر میں ہزار حج کرے۔ لاکھ پہاڑ سونے کے راہِ خدا پر دے۔ لاواللہ ہرگز ہرگز کچھ قبول نہیں۔ جب تک حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُن تمام ضروری باتوں میں، جو وہ اپنے رب کے پاس سے لائے تصدیق نہ کرے۔ ضروریات اسلام اگر مثلاً ہزار ہیں، تو اُن میں سے ایک کا بھی انکار ایسا ہی ہے

۹۹۹
جیسا نوسو ننانوے کا۔

آجکل جس طرح بعض بددینوں نے یہ روش نکالی ہے کہ بات بات پر کفر و شرک کا اطلاق کرتے اور مسلمان کو دائرہ اسلام سے خارج کہتے ہوئے مطلق نہیں ڈرتے، حالانکہ حضور اصطفا علیہ افضل الصلوٰۃ والثناء ارشاد فرماتے ہیں فقد باء بہٖ احدھما (ان دونوں میں سے ایک پر وہ کفر ضرور پلٹے گا) یونہی بعض مداہنوں صلح کلیوں پر یہ بلا ٹوٹی ہے کہ ایک دشمنِ خدا سے صریح کلمات توہین آقائے عالمین حضور پر نور سید المرسلین الکرام صلی اللہ علیہ وسلم یا اور ضروریاتِ دین کا انکار سنتے جائیں اور اُسے سچا پکا مسلمان، بلکہ ان میں سے کسی کو افضل العلماء کسی کو امام الاولیاء مانتے جائیں۔ یہ نہیں جانتے، یا جانتے ہیں اور نہیں مانتے کہ اگر انکارِ ضروریاتِ دین بھی کفر نہیں، تو عزیزو! بت پرستی میں کیا زہر گھل گیا ہے۔ وہ بھی آخر اسی لیے کفر ٹھہری کہ اوّلِ ضروریاتِ دین یعنی توحیدِ الٰہی جلّ وعلا کے خلاف ہے۔

ناقابل قبول تاویلیں

کہتے ہیں وہ کلمہ گو ہے۔ نماز پڑھتا ہے روزے رکھتا ہے۔ ایسے ایسے مجاہدے کرتا ہے۔ ہم کیونکر اُسے کافر کہیں؟ ان لوگوں کے سامنے، اگر کوئی کلمہ پڑھے۔ افعال اسلام ادا کرے۔ بااین ہمہ دو خدا مانے، شاید جب بھی کافر نہ کہیں گے۔ مگر اس قدر نہیں جانتے کہ اعمال تو تابع ایمان ہیں۔ پہلے ایمان تو ثابت کر لو، تو اعمال سے احتجاج کرو۔ ابلیس کے برابر تو یہ مجاہدے کا ہے کو ہوئے۔ پھر اُس کے کیا کام آئے جو اُن کے کام آئیں گے۔ آخر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک قوم کی کثرتِ اعمال اس درجہ بیان فرمائی کہ "تم اپنی نمازوں کو ان کی نمازوں اور اپنے روزوں کو اُن کے روزوں، اور اپنے اعمال کو اُن کے اعمال کے مقابل، حقیر و ناچیز جانو گے"۔ پھر اُن کے دین کا بیان فرمایا کہ "دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے"۔

رہی کلمہ گوئی یا قبلہ روئی، تو مجرد زبان سے کہنا، ایمان کے لیے کافی نہیں۔ منافقین تو خوب زور شور سے کلمۂ اسلام پڑھتے، حالانکہ ان کے لیے فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّار (جہنم سے سب سے نیچے کے طبقہ) کا فرمان ہے۔ والعیاذ باللہ۔ بھلا غور تو فرمائیں کہ جو قادیانی یا مرزائی یا بابی وبہائی، ختم نبوت کا صریح انکار کریں، نئے نئے نبی تراشیں، اور مسیلمہ کذاب کی مانند، ان مدعیانِ نبوتِ جدیدہ پر ایمان لائیں۔ کیا ان کے اعمال کو ڈھال، بنا کر، انہیں مسلمان کہا جا سکتا ہے۔ یونہیں جو رافضی اس قرآن مجید کو جو بفضلہ تعالےٰ ہمارے ہاتھوں میں موجود، ہمارے دلوں میں محفوظ ہے، عیاذاً باللہ، بیاضِ عثمانی بتلائے، یا اس کے ایک حرف، یا ایک نقطہ کی نسبت، صحابہ یا اہلسنّت، یا کسی شخص کے گھٹانے بڑھانے کا دعویٰ کرے، یا احتمالاً کہے کہ شاید ایسا ہُوا ہو، اُس کے دعویٰ اسلام کو تسلیم کیا جا سکتا ہے؟

مسلمانو! اصل مدارِ ایمان، ضروریاتِ دین ہیں۔ اور ضروریات، اپنے ذاتی، روشن بدیہی ثبوت کے سبب، مطلقاً ہر ثبوت سے غنی ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر بالفرض ان پر کوئی نصّ قطعی اصلاً نہ ہو جب بھی اُن کا وہی حکم رہے گا کہ منکر یقیناً کافر۔ مثلاً عالم کے بجمیع اجزائہٖ (اپنے تمام اجزاء کے ساتھ) حادث ہونے کی تصریح کسی نصِّ قطعی میں نہ ملے گی۔ غایت یہ کہ آسمان وزمین کا حدوث، ارشاد ہوا ہے۔ مگر باجماعِ مسلمین کسی غیر خدا کو قدیم ماننے والا قطعاً کافر ہے۔ تو وجہ وہی ہے کہ جمیع ماسوی اللہ کا حدوث، کہ ذات و صفاتِ الٰہی کے سوا، سب چیزیں حادث و نو پید ہیں، پہلے نہ تھیں پھر موجود ہوئیں، یہ ضروریاتِ دین سے ہے کہ اُسے کسی ثبوت خاص کی حاجت نہیں۔ یہی سبب ہے کہ ضروریاتِ دین کا انکار، اگرچہ کسی تاویل کے پردہ میں ہو، آدمی کو اسلامی برادری سے خارج کر دیتا ہے۔

ضروریاتِ دین کے مقابل، نہ مہمل و ناپاک ایسی تاویلیں، قابل اعتبار و مسموع اور نہ ایسی نازیبا تاویلات سے منکر کا کفر وارتداد اصلاً مدفوع کہ ہٹایا اُٹھایا جا سکے۔

ان کی حالت وہی ہے جیسے نیچریوں نے آسمان کو بلندی، جبرئیل اور فرشتوں کو نیکی کی قوت، ابلیس اور شیطانوں کو قوت بدی بتا دیا۔ اور حشر و نشر و جنت و دوزخ کو اُن کے

اُن معنی سے ہٹاکر، جو مسلمانوں میں مشہور ہیں، محض روحانی اجتماع یا روحانی خوشی وَالم ٹھہرا لیا، یا ثواب کے معنی، اپنے حسنات کو دیکھ کر خوش ہونا، اور عذاب کے معنی، اپنے بُرے اعمال کو دیکھ کر غمگین ہونا بنا لیا۔ قادیانی مرتد نے خاتم النبیین کو افضل المرسلین سے بدل دیا۔ ایسی تاویلیں سن لی جائیں تو اسلام و ایمان قطعاً درہم برہم ہو جائیں۔ بُت پرست لا الٰہ الا اللہ کی تاویل کر لیں گے کہ یہ افضل و اعلیٰ میں حصر ہے۔ یعنی خدا کے برابر۔ دوسرا خدا نہیں۔ وہ سب خداؤں سے بڑھ کر خدا ہے نہ یہ کہ دوسرا خدا ہی نہیں۔ جیسے لافتیٰ الا علی لا سیف الا ذوالفقار۔ وغیرہ محاوراتِ عرب سے روشن ہے۔ یہ نکتہ ہمیشہ یاد رکھنے کا ہے۔ کہ مدعیانِ اسلام کے مکر سے نجات وشفا ہے۔ وباللہ التوفیق۔ (افاداتِ رضا)

یا کوئی نیچری، نئی روشنی کا مدعی، معجزاتِ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا انکار کرے۔ یا نیل کے شق ہونے کو جوار بھاٹا بتائے، عصا کے اژدہا بن کر حرکت کرنے کو سیماب وغیرہ کا شعبدہ ٹھہرائے۔ یا مسلمانوں کی جنّت کو معاذ اللہ، رنڈیوں کا چکلہ کہے۔ یا نارِ جہنّم کو، اَلم نفسانی سے تاویل کرے۔ یا وجودِ ملئکہ کا منکر ہو۔ یا کہے شیطان کوئی چیز نہیں، فقط قوّت بدی کا نام ہے۔" وغیرہا خرافات بکے۔ کیا اس کی کلمہ گوئی اُسے کفر سے بچا سکے گی۔ اور کیا اس کے اس خلاف کو، مسلمانوں کے باہمی اختلاف، فروعی نزاع سے تعبیر کرنا، صحیح و درست ہوگا۔ لا واللہ ہرگز نہیں۔ بلکہ ان کا خسران و وبال، خسر الدُّنیا والآخرۃ کی ایک مثال ہے۔ ان کے خائب وخاسر ہونے کے لیے کسی دلیل لانے کی ضرورت نہیں ان کے افعال، ان کے اعمال، ان کے اقوال، ان کے احوال، ان کی تحریریں، ان کی تقریریں، ان کی وضع، ان کی طرح، ان کی دلی کیفیت پر شاہد عدل۔ تو ان کے دعوئ اسلام کا کیا لحاظ، اور ان کی قبلہ روئی کی کیا رعایت۔ اور کلمہ گوئی کا کیا پاس۔

دوم ضروریاتِ عقائدِ اہلسنّت۔ ثبوت ان کا بھی دلیلِ قطعی سے ہوتا ہے۔ مگر جانب خلاف نا تاویل کا احتمال باقی رہتا ہے۔ اس لیے ان میں سے کسی کے منکر کو کافر، خارج از اسلام نہیں کہا جاتا۔ البتہ گمراہ بد مذہب بددین قرار پاتا ہے۔ اور بد مذہبوں، بے دینوں کا اختلاف اگرچہ انہیں حکم کفر سے بچالے لیکن ان کے ساتھ اختلاف کو بھی مسلمانوں کا باہمی اختلاف نہیں

کہا جا سکتا۔ اور جو ایسا کہے وہ نہ احکامِ شرع مطہر سے واقف ہے۔ نہ اسلام و مسلمین کا خیر خواہ۔ حکم ان کا وہ ہے جو شاہ عبد العزیز صاحب نے تفسیر عزیزی میں ارشاد فرمایا کہ "مرد صحیح الایمان را باید کہ با بدعتیاں اُنس نہ گیرد۔ و ہم مجلس و ہم کاسہ و ہم نوالہ نہ شود۔ ہر کہ با بدعتیاں دوستی پیدا کند، نورِ ایمان و حلاوت از وے بر گیرند۔" یعنی صحیح العقیدہ مسلمان کو چاہیئے کہ ان نو پیدا گمراہ فرقوں سے اُنس و محبت اختیار نہ کرے۔ اُن کا ہم نشین اور ہم پیالہ و ہم نوالہ نہ ہو۔ اور یاد رکھے کہ جو مسلمان ان بدمذہبوں سے دوستی پیدا کرتا، اور اُن سے یارانہ گانٹھتا ہے، اُس سے ایمان کا نور اور چاشنی سلب کر لی جاتی ہے۔

سوم وہ مسائل کہ خود علمائے اہلسُنّت میں مختلف فیہ ہوں۔ ان کا ثبوت دلائل ظنیہ سے ہوتا ہے۔ جس میں اختلاف و تاویل کی راہ تنگ نہیں ہوتی۔ اہلِ علم کسی ایک پہلو کو بعد تحقیق اختیار کر لیتے ہیں کہ دلیل سے انہیں وہی راجح نظر آتا ہے۔ اور اُن کے متبعین، ان کی تحقیق کو دوسروں کی تحقیقات پر ترجیح دیتے ہیں اور تقلیداً اسے اپنا طریق کار بنا لیتے ہیں لیکن با ایں ہمہ ان میں سے کسی طرف تکفیر و تضلیل تو در کنار تفسیق کی بھی گنجائش نہیں ہوتی۔ اور نہ ایک جماعت، دوسری جماعت کو فاسق کہہ سکتی ہے۔ یہ اختلاف فروعی اختلاف ہے اور اس اختلاف کو مسلمانوں کا باہمی اختلاف کہا جا سکتا ہے۔

ہم ایک ہی مسئلہ کی چند صورتیں بیان کرتے ہیں جن میں تینوں قسم کے مسائل موجود ہیں

(۱) اللہ عزوجل ہی عالم بالذات ہے۔ بے اُس کے بتائے ایک حرف کوئی نہیں جان سکتا۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اللہ عزوجل نے اپنے بعض غیوب کا علم دیا۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم اوروں سے زائد ہے۔ ابلیس کا علم معاذ اللہ، علمِ اقدس سے ہرگز وسیع تر نہیں۔

(۴) جو علم اللہ عزوجل کی صفتِ خاصہ ہے۔ جس میں اُس کے حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شریک کرنا بھی شرک ہے۔ وہ ہرگز ابلیس کے لیے نہیں ہو سکتا۔ جو ایسا مانے قطعاً مشرک کافر ملعون بندۂ ابلیس ہے۔

(۵) زید و عمرو، ہر بچے پاگل چوپائے کو علمِ غیب ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

مماثل کہنا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صریح توہین اور کھُلا کفر ہے۔
یہ سب مسائل ضروریاتِ دین سے ہیں۔ اور ان کا منکر، ان میں ادنیٰ شک لانے والا، قطعاً یقیناً کافر ہے۔ یہ قسم اوّل ہوئی۔

(۶) اولیائے کرام (اللہ تعالیٰ اُن کی برکات سے ہمیں دارین میں فیضیاب کرے) کو بھی کچھ علوم غیب ملتے ہیں۔ مگر یہ سب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے، اُن کے واسطہ وعطا سے ہے۔ بے وساطتِ رسول کوئی غیر نبی کسی غیب پر مطلع نہیں ہو سکتا۔ معتزلہ اور اب اُن کے نقشِ قدم پر گامزن، وہابیہ نجدیہ خذلہم اللہ تعالیٰ کہ صرف رسولوں کے لیے اطلاع غیب مانتے اور اولیائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا علوم غیب میں اصلاً حصّہ نہیں جانتے، گمراہ ومتبدع ہیں۔ بلکہ امام الوہابیہ نے تو اپنی تقویت الایمان میں صاف لکھا ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیوار پیچھے کے حال کی بھی خبر نہیں"۔ والعیاذ باللہ۔

اور اس بے ایمانی کو دیکھئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل میں تو بخاری ومسلم کی صحیح حدیثیں بھی مردود۔ اور فضیلت کی نفی کے لیے، محض بے اصل وبے سند روایت پیش کر دی۔ اور حضرت شیخ عبد الحق محدث ومحقق کے سر اُسکی روایت دھر دی۔ طُرفہ یہ کہ حضرت شیخ محقق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اُسے روایت نہ کیا بلکہ رد کیا گیا تھا۔ ایسی خیانتیں اور فریب کاری ودھوکہ دہی وتلبیسِ مسلمین کے لیے جھوٹی روایتیں، وہابیہ کے مذہب باطل کی جان ہیں۔ اور اسی پر اُن کا مذہب قائم۔
کہنا یہ ہے کہ جب وہابیہ کے نزدیک رسولوں کو بھی غیب کا علم نہیں تو وہ اولیائے کرام کے لیے کیسے اسے ثابت مانیں۔ تو آپ ہی گمراہ ومتبدع ہوئے۔

(۷) اللہ عزّوجلّ نے اپنے محبوبوں، خصوصاً اپنے سید المحبوبین صلی اللہ علیہ وسلم کو عنیوب خمسہ (کہ قیامت کب آئے گی۔ مینہ کب اور کہاں اور کتنا برسے گا۔ مادہ کے پیٹ میں کیا ہے۔ کل کیا ہوگا۔ فلاں کب مرے گا۔ یہ پانچوں غیب جو آیۂ کریمہ میں مذکور ہیں۔ ان میں سے بہت جزئیات کا علم بخشا۔ جو یہ کہے کہ ان پانچوں

غیوب میں سے، کسی فرد کا علم کسی کو نہ دیا گیا، ہزارہا احادیث متواترۃ المعنی (کہ معنوی اعتبار سے متواتر ہیں) کا منکر اور بد مذہب ظاہر ہے۔ بد دینی اُس کا نصیب، وبالِ آخرت اس کا مقدر۔ یہ قسم دوم ہوئی کہ ضروریاتِ مذہبِ اہلسنّت و جماعت سے ہے۔

(۸) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بالتعیین وقتِ قیامت کا بھی علم تھا۔ مگر اس کے چھپانے کا حکم تھا۔ اس لیے وانشگاف الفاظ میں اُسے ظاہر نہ کیا۔ علامات بیان فرمادیں۔

(۹) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا استثناء، جمیع جزئیات علوم خمسہ کا علم ہے۔

(۱۰) روزِ اوّل سے روزِ آخر تک، تمام ماکان و مایکون، مندرجہ لوحِ محفوظ اور اس سے بہت زائد کا علم، جس میں علم ماورائے قیامت بھی داخل ہے۔ اللہ عزوجل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مرحمت فرمایا۔

(۱۱) حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقتِ روح کا بھی علم ہے۔

(۱۲) اور جملہ متشابہاتِ قرآنیہ کا بھی علم ہے۔

۸ تا ۱۲ پانچوں مسائل قسم سوم سے ہیں۔ کہ ان میں خود علماء و ائمہ اہلسنّت میں، ان تمام اجماعات کے بعد جو ۱ تا ۷ مذکور ہوئے، اختلاف ہوا کہ بے شمار علوم غیب، جو مولیٰ عزوجل نے اپنے محبوب اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائے، آیا وہ روزِ اوّل سے یوم آخر تک، تمام کائنات کو شامل ہیں جیسا کہ آیات و احادیث کے عموم کا مفاد ہے یا ان میں تخصیص ہے۔ بہت اہل ظاہر، جانب خصوص گئے کسی نے کہا روح کا علم غیر خدا کو نہیں۔ کسی نے کہا متشابہات کا۔ کسی نے کہا خمس کا۔ کثیر نے کہا بالتعیین قیامت کا علم خدا کے سوا کسی اور کو نہیں۔

اختلافُ اُمّتی رحمۃ

تو کہنا یہ ہے کہ تیسری قسم کے مسائل میں اختلاف خود ہمارے علمائے اہلسنت

میں دائر ہے اور اشاعرہ وماتُریدیہ کے مابین مسائل خلافیہ کے مثل ہے کہ طعن ولوم کا اصلا محل نہیں۔ اشاعرہ کہ حضرت امام شیخ ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے تابع ہیں۔ اور ماتُریدیہ کہ امام علم الہدیٰ حضرت ابومنصور ماتریدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متبع ہوئے۔ یہ دونوں جماعتیں اہلسنت ہی کی ہیں۔ اور دونوں حق پر ہیں۔ آپس میں صرف بعض فروع عقائد کا اختلاف ہے۔ ان کا اختلاف حنفی شافعی کا سا ہے کہ دونوں اہل حق ہیں۔ کوئی کسی کی تضلیل وتفسیق نہیں کر سکتا۔ کوئی کسی کو گمراہ تو گمراہ فاسق و خاسر بھی نہیں کہہ سکتا۔ یونہیں مسئلہ علمِ غیب میں، آخری پانچوں مسائل میں، انہیں ثابت ماننے والے، یا ثبوت کی نفی کرنے والے، کسی پر معاذاللہ، کفر کیا معنی، ضلال یا فسق کا بھی حکم نہیں ہو سکتا۔ جبکہ پہلے سات مسئلوں پر ایمان رکھتا ہو۔ اور ان پانچ کا انکار، اُس مرض قلب کی بنا پر نہ ہو، جو وہابیہ قاتلہم اللہ تعالیٰ کے نجس دلوں کو ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل سے جلتے، اور جہاں تک بنے تنقیص وکمی کی راہ چلتے ہیں۔ ہر امر میں وہی پہلو اختیار کریں گے جس سے منقصت نکلتی ہو کہ اس مذہب کا رکن اعظم ہی محبوبانِ خدا کی توہین وتذلیل ہے۔ لہذا ان مسائل میں بھی ان کا یا ان جیسوں کا اختلاف، فروعی، اور شافعی وحنفی کا سا اختلاف نہ کہلائیگا۔

فروعی اختلاف اُسی وقت تک فروعی اختلاف اور مسلمانوں کا باہمی نزاع کہلاتا ہے۔ جب تک جانبِ خلاف چلنے والے، ضروریاتِ دین یا ضروریات مذہبِ اہلسنت میں سے کسی ضروری کا انکار نہ کریں۔ کہ ضروری دینی یا ضروری سُنّی کے انکار کے ظہور کے بعد اب یہ اختلاف' عقائد واصول کا اختلاف ہو گیا، فروعی وجزئی نہ رہا۔ تو وہ جو حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ اِختلافُ اُمتّی رَحْمَۃٌ، اس کا ماحصل یہ ہرگز نہیں کہ آدمی ضروریاتِ دین کا انکار کرتا جائے۔ اسلامیات اور اسلامی عقائد ونظریات کے صریح ابطال، یا تاویل کے پردہ میں استیصال کو اصل دین وایمان بنا یا جائے اور ہم اُسے اختلاف امتی رحمۃ کا مصداق اور اس کے کرتوتوں کو عین اسلام' یا مزاج اسلام کے موافق ٹھہراتے رہیں ایسا ہو تو نہ قرآن رہے نہ ایمان، نہ اسلام بچے نہ فرقان۔ آخر ختم نبوت کے منکرین اور

ادائے زکوٰۃ سے مانعین پر صحابۂ کرام نے جہاد کیوں فرمایا۔ کیوں اُن کی کلمہ گوئی اور قبلہ روئی کا پاس ولحاظ نہ فرمایا۔ امیر المؤمنین مولی المسلمین شیر خدا مشکل کشا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ الاسنیٰ کے زمانۂ اقدس میں خوارج نے ظہور کیا۔ وہ علماء تھے۔ عُبّاد تھے، قرّاء کہلاتے، راتیں شب بیداری اور دن تلاوتِ قرآن وذکرِ باری میں گزارتے۔ مگر گمراہ تھے۔ اہلسنت کے مخالف وبدخواہ تھے۔ امیر المومنین کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے نہ اُن کے علم وفضل پر نظر فرمائی۔ نہ اُن سے اخوت اسلامی کی ٹھہرائی۔ بلکہ ان پر لشکر کشی فرمائی۔ سرِ اشرار پر برقِ بار ذوالفقار چمکائی۔ اور ہر گردن کشیدہ کی عزت خاکِ مذلت میں ملائی۔ کسی نے کہا۔ خدا کا شکر ہے کہ جس نے زمین کو ان کی نجاست سے پاک کیا۔ امیر المومنین نے فرمایا۔ واللہ وہ ابھی مردوں کی پیٹھ میں ہیں۔ عورتوں کے پیٹ میں ہیں۔ وہ قرن قرن ظاہر ہوتے رہیں گے۔ جب اُن کی ایک سنگت کاٹ دی جائے گی، دوسری سر اُٹھائے گی۔ یہاں تک کہ اُن کا پچھلا گروہ دجالِ ملعون کے ساتھ نکلے گا"۔

اس وعدۂ صادقہ کے مطابق ایسے گمراہوں کی سنگت، ہر زمانہ ہر قرن میں، مختلف نام، مختلف صورت میں ظاہر ہوتی رہی۔ یہانتک کہ بارہویں صدی میں ایک نیا گروہ پیدا ہوا۔ اور اس کے بطن سے ایک نئے مذہب نے جنم لیا۔ بلکہ درحقیقت انہیں خارجیوں نے نئے رنگ نئے لباس میں شلوع کیا۔ کہ ان کے بھی وہی عقائد وہی مکائد، وہی دھوکے، وہی تلبیس اور وہی عمل قرآن وحدیث کے دعوے ہیں، جو خارجیوں کے ایمان کی جان اور بدمذہبی وگمراہی کی پہچان ہیں۔ اور بالآخر یہی کہنا پڑتا ہے کہ یہ نیا فرقہ بھی، ان پہلے گمراہ فرقوں کی مانند، ائمہ ہدیٰ واکابر محبوبان خدا کا دشمن ہے۔ اور اس کے ساتھ اختلاف ونزاع کو، اگرچہ بظاہر فروعات وجزئیات میں ہو، فرعی وجزئی اختلاف نہیں کہا جاسکتا۔ علمائے کرام فرماتے ہیں۔ تیرے دشمن تین ہیں۔ ایک[1] تو آپ تیرا دشمن۔ دوسرا[2] تیرے دوست کا دشمن اور تیسرا[3] تیرے دشمن کا دوست۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے جان نثاروں کے قسم اول کے دشمن تو کھلے کفار ہیں۔ اور قسم دوم کے دشمن یہی قادیانی مرزائی رافضی ناصبی خارجی وہابی ہیں کہ محبوبانِ خدا

وائمہ ہدیٰ کے اعداء ہیں۔ اور قسم سوم کے دشمن وہ ریفارمر اور قوم کے مصلح ہیں کہ ان دشمنوں کے یہ کرتوت دیکھتے جائیں۔ کہہ مکرنیاں سنتے جائیں۔ اور پھر اسلام کا استیصال کرنیوالوں کی حمایت میں، ان کے خرافات پر پردہ ڈال کر، عامۃ المسلمین کو اُن سے اتحاد و یگانگت کا درس دیتے جائیں کہ بھائیو یہ اختلاف، فروعات میں ہے۔ یہ آپس میں افتراق و انتشار کیا۔ یہ بات بات میں سر پھٹول کیسی۔ یہ قدم قدم پر بغض و عناد کا مظاہرہ کیا۔" وغیرھا من الخرافات۔ ایسی حالت میں حمایتِ اسلام کا تقاضا کیا ہے؟ یہ ہر ذی انصاف خود فیصلہ کر سکتا ہے، اللہ تعالیٰ سب دشمنوں کے شر سے بچائے۔ اور مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت اور اُن کے سب دشمنوں سے کامل عداوت عطا فرمائے۔ اور اسی حُبّ و بغض کہ اسے محبوب و مقبول ہے، دنیا سے اُٹھائے۔ آمین

یہ فقیر بے نوا، اپنی معروضات کی تائید و حمایت اور پشت پناہی کی نیت سے امام اہلسنّت امام احمد رضا خاں صاحب قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ العزیز کا

"ایک فتویٰ دافع طغویٰ"

ہدیۂ ناظرین کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے۔ امید کہ سنی مسلمانوں کا اس سے بھلا ہو گا۔

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین پرور و فقہائے نامور کہ اس ملک کاٹھیاوار میں ایک مجلس بنام "کاٹھیاوار مسلم ایجوکیشنل کانفرنس" قائم ہوئی ہے۔ جن کے محرک و مختار متبعین و متعلقین علی گڑھ کالج ہیں۔ اس کانفرنس کا بلا رعایتِ سُنّی، ہر کلمہ گو رافضی وہابی نیچری قادیانی چکڑالوی وغیرھم رکن ہو سکتا ہے۔ آیا سُنّیوں کو ایسی کانفرنس کا قائم کرنا، اور جان و مال سے اس کی مدد کرنا، اس کے جلسہ میں شریک ہونا، بددین مرتدوں کو مسلمان سمجھنا، اور ان سے میل جول پیدا کرنا، اور ان سے ترقی کی امید رکھنا۔ شرع شریف میں کیا حکم رکھتا ہے؟ وہ ہمارے ائمہ دین وضاحت سے بیان کر کے، ان سیدھے سادے

مسلمانوں کو گمراہی سے بچاک[illegible] دارین حاصل کریں۔ (ملتقطاً)

تم ثم قاسم میاں علی۔ گونڈل۔ کاٹھیاوار

الجواب :-

ایسی مجلس مقرر کرنا، گمراہی ہے اور اُس میں شرکت حرام، اور بدمذہبوں سے میل جول آگ ہے اور اُس بڑی آگ کی طرف کھینچ کر لے جانے والا۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے وَاِمَّا یُنْسِیَنَّکَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ"۔ اور اگر تجھے شیطان بھلادے تو یاد آئے پر پاس نہ بیٹھ ظالموں کے، تفسیرات احمدیہ میں ہے۔ دَخَلَ فِیْہِ الْکَافِرُ وَالْمُبْتَدِعُ وَالْفَاسِقُ وَالْقُعُوْدُ مَعَ کُلِّہِمْ مُمْتَنِعٌ۔ اس آیت کے حکم میں ہر کافر و مبتدع اور فاسق داخل ہے۔ ان میں سے کسی کے پاس بیٹھنے کی اجازت نہیں"۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے۔" وَلَا تَرْکَنُوْا اِلَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّکُمُ النَّارُ"۔ ظالموں کی طرف میل نہ کرو کہ تمہیں آگ چھوئے گی"۔

صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں اِیَّاکُمْ وَاِیَّاھُمْ لَا یُضِلُّوْنَکُمْ وَلَا یَفْتِنُوْنَکُمْ۔ ان سے دور رہو اور انہیں اپنے سے دور رکھو۔ کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کردیں۔ کہیں وہ تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دیں"۔

مسلمان کا ایمان ہے کہ اللہ و رسول سے زیادہ کوئی ہماری بھلائی چاہنے والا نہیں۔ جل وعلا و صلی اللہ علیہ وسلم۔ وہ جس چیز کی طرف بلائیں یقیناً ہمارے دونوں جہان کا اس میں بھلا ہے۔ اور جس بات سے منع فرمائیں، بلاشبہ سراسر ضرر و بلا ہے مسلمان صورت میں ظاہر ہوکر، جو ان کے حکم کے خلاف کی طرف بلائے۔ یقین جان لو کہ یہ ڈاکو ہے۔ اس کی تاویلوں پر ہرگز کان نہ رکھو۔ رہزن جو جماعت سے باہر نکال کر، کسی کو لے جانا چاہتا ہے۔ ضرور چکنی چکنی باتیں کرے گا۔ اور جب یہ دھوکے میں آیا اور ساتھ ہولیا تو گردن مارے گا۔ مال لوٹے گا۔ شامت اُس بکری کی کہ اپنے راعی کا ارشاد نہ سنے، اور بھیڑیا جو کسی بھیڑ کی اون پہن کر آیا۔ اُس کے ساتھ ہولے۔ ارے

مصطفیٰ اصلی اللہ علیہ وسلم تمہیں منع فرماتے ہیں۔ وہ تمہاری جان سے بڑھ کر تمہارے خیر خواہ ہیں حریصٌ علیکم۔ تمہارا مشقت میں پڑنا۔ اُن کے قلبِ اقدس پر گراں ہے۔ عَزِیزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ۔ واللہ وہ تم پہ اس سے زیادہ مہربان ہیں جیسے نہایت چہیتی ماں، اکلوتے بیٹے پر، بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْم۔ ارے ان کی سنو۔ اُن کا دامن تھام لو۔ ان کے قدموں سے لپٹ جاؤ۔ وہ فرماتے ہیں اِیَّاکُمْ وَ اِیَّاھُمْ لَا یُضِلُّوْنَکُمْ وَلَا یَفْتِنُوْنَکُمْ۔ ان سے دُور رہو اور ان کو اپنے سے دور کرو۔ کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کر دیں۔ کہیں وہ تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دیں۔

ابن حبان و طبرانی و عقیلی کی حدیث میں ہے کہ فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم لَاتُؤَاکِلُوْھُمْ وَلَاتُشَارِبُوْھُمْ وَلَاتُجَالِسُوْھُمْ وَلَاتُنَاکِحُوْھُمْ وَاِذَا مَرِضُوْا فَلَا تَعُوْدُوْھُمْ۔ وَاِذَا مَاتُوْا فَلَا تَشْھَدُوْھُمْ وَلَا تُصَلُّوْا عَلَیْھِمْ وَلَا تُصَلُّوْا مَعَھُمْ۔ اُن کے ساتھ کھانا نہ کھاؤ۔ اُن کے ساتھ پانی نہ پیو۔ ان کے پاس نہ بیٹھو۔ اُن سے رشتہ نہ کرو۔ وہ بیمار پڑیں تو پوچھنے نہ جاؤ۔ مر جائیں تو جنازہ پر نہ جاؤ ۔ نہ ان کی نماز پڑھو۔ نہ ان کے ساتھ نماز پڑھو"۔

امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد اقدس نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں، نمازِ مغرب کے بعد کسی مسافر کو بھوکا پایا۔ اپنے ساتھ کاشانۂ اقدسِ خلافت میں لے آئے۔ اُس کے لیے کھانا منگایا۔ جب وہ کھانا کھانے بیٹھا، کوئی بات بد مذہبی کی اس سے ظاہر ہوئی۔ فوراً حکم ہوا کہ کھانا اُٹھا لیا جائے اور اُسے باہر نکال دیا جائے۔ سامنے سے کھانا اُٹھوا لیا اور اُسے نکلوا دیا۔

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کسی نے آکر عرض کی۔ "فلاں شخص نے آپ کو سلام کہا ہے"۔ فرمایا لاتقراہ منی السّلام فَاِنّی سَمِعْتُ اَنَّہٗ اَحْدَثَ"۔ میری طرف سے اُسے سلام نہ کہنا کہ میں نے سُنا ہے اُس نے کچھ بد مذہبی نکالی"۔

سیدنا سعید بن جبیر شاگرد عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو راستہ میں ایک بد مذہب ملا۔ کہا کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں"۔ فرمایا "میں سُننا نہیں چاہتا"۔

عرض کی، "ایک کلمہ"۔ اپنا انگوٹھا چھنگیا کے سرے پر رکھ کر فرمایا: "ولا نصف کلمۃٍ۔ آدھا لفظ بھی نہیں"۔ لوگوں نے عرض کی اس کا کیا سبب ہے؟ ازایشاں منہم ہے۔

امام محمد بن سیرین، شاگرد انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس دو بدمذہب آئے۔ عرض کی کچھ آیاتِ کلام اللہ آپ کو سنائیں۔ "فرمایا" میں سننا نہیں چاہتا"۔ عرض کی کچھ احادیثِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سنائیں۔ فرمایا "میں سننا نہیں چاہتا"۔ انہوں نے اصرار کیا۔ فرمایا "یا تو تم دونوں اُٹھ جاؤ یا میں اُٹھا جاتا ہوں"۔ آخر وہ خائب و خاسر چلے گئے۔ لوگوں نے عرض کی۔ "اے امام آپ کا کیا حرج تھا اگر وہ کچھ آیتیں یا حدیثیں سناتے"۔ فرمایا "میں نے خوف کیا کہ وہ آیات و احادیث کے ساتھ، اپنی کچھ تاویلیں لگائیں اور وہ میرے دل میں رہ جائیں تو ہلاک ہو جاؤں"۔

ائمہ کو یہ خوف تھا اور اب عوام کو یہ جرأت ہے۔ وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ العلی العظیم اور ایسی جگہ مال دینا وہی پسند کرے گا جو دین نہیں رکھتا یا عقل سے بہرہ ور نہیں۔ یکے نقصان مایہ، دگر شماتتِ ہم سایہ۔ ہم سایہ کون؟ وہ بِئْسَ الْقَرِیْن شیطان لعین، کیسا خوش ہو گا کہ ایک ہی کرشمہ میں، دونوں جہان کا نقصان پہنچایا۔ مال بھی گیا اور آخرت میں عذاب کا بھی مستحق ہوا۔ خَسِرَ الدنیا والآخرۃ ذٰلِکَ ھُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْن۔

دیکھو امان کی راہ وہی ہے جو تمہیں تمہارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی۔ اِیَّاکُمْ وَاِیَّاھُمْ لَایُضِلُّوْنَکُمْ وَلَایَفْتِنُوْنَکُمْ۔ "ان سے دُور رہو۔ انہیں اپنے سے دُور کرو۔ کہیں یہ تمہیں گمراہ نہ کر دیں۔ کہیں یہ تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دیں"۔

دیکھو نجات کی راہ وہی ہے جو تمہیں تمہارے رب عزوجل نے بتائی۔ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْن۔ "بھولے سے ان میں سے کسی کے پاس بیٹھ گئے ہو تو یاد آنے پر فوراً کھڑے ہو جاؤ"۔

ان مضامین کی تفصیل میں تمام اکابر علمائے حرمین شریفین کا فتویٰ مسمی بہ "فتاوی الحرمین برجف ندوۃ المین"۔ اور عامۂ علمائے ہند کا فتویٰ مسمّی بہ فتاویٰ السنۃ

لالجام اهل الفتنة" اور فتاوی القدوة" اور النذیرالاحمد" اور النذیرالمبین وغیرھا
پچاس سے زائد کتابیں چھپ کر شائع ہوچکیں۔ اور ہدایت اللہ عزوجل کے ہاتھ
واللہ یقول الحق و یھدی السبیل وحسبنا اللہ ونعم الوکیل وصلی اللہ تعالیٰ
علی سیّدنا و مولانا محمد وآلہٖ وصحبہ بالتجبیل واللہ تعالیٰ اعلم۔

فقیر احمد رضا قادری

یہ مبارک فتویٰ اکابر علمائے اہلسنّت کثرھم اللہ تعالیٰ کی تائیدات و تصدیقات و تقریظات سے مہذب ومذہّب و مزین ہوکر زیور طبع سے بارہا آراستہ ہوکر مسلمانوں میں تقسیم ہوا۔ اور بحمدہٖ تعالیٰ مسلمانانِ اہلسنّت نے اسے اپنا لائحہ عمل بنایا۔

ضروری عرض واجبُ اللحاظ

مسلمانو! یہ خلاصہ ہے اُن احکامِ شرعیہ کا جو قرآن وحدیث نے تمہیں بتائے سکھائے اور تاکید پر تاکید کی کہ انہیں اپنا نصب العین بنائیں اور ہرگز کسی کی بات میں نہ آئیں۔ مگر یہ ہیچمدان وہیچ میرز، کہ خاکِ نعال علماء کی برابری کا بھی دعویٰ نہیں کرسکتا، جانتا ہے کہ یہ "تلخ نوائیاں" اُن "خیرخواہانِ اسلام ومسلمین" کو ضرور چراغ پا کردیں گی۔ جن کا کام ہی، شرع متین کے صاف صریح روشن احکام کو دیدہ ودانستہ پامال کرنا اور مسلمانوں کا ہمدرد بن کر، اُن کے دین وعقیدہ کو چھلنا ہے تو جو اُن کی ہاں میں ہاں نہ ملائے۔ مسلمان ہی نہیں۔ اور وُہ جب تک اسلام کو کُند چھری سے ذبح کرکے خنزیر کو دُنبے کی کھال پہنا کر حلال نہ کریں، ایمان ہی نہیں۔ ولہذا حسبِ معمول تحقیق حق اور احکام رب الانام کے اظہار واشاعت کو وہ گالیوں کا نام دیں گے۔ دشنام طرازیوں کا لبادہ اُنہیں پہنائیں گے۔ انتشار وافتراق سے اسے تعبیر کریں گے۔ کہ ہمیشہ عاجزوں نے اپنے عجز کو یونہی چھپایا ہے۔ اور احکامِ حق کو سختی بنا کر، گالیاں ٹھہرا کر، جوابسے گریز وفرار کا حیلہ بنایا ہے۔ ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

ہاں ہم اتنا کہتے ہیں اور بہ بانگ دُہل کہتے ہیں کہ اگر کسی منکرِ شرعی پر، گمراہانِ گمراہ گر، اسلام میں تفرقہ اندازی اور جماعت مسلمین میں فرقہ بندی، وفتنہ انگیزی اختیار کریں، کسی مخالفِ شرع امر کو، بزور زبان، زور و بہتان کے سہارے، اور افترا و تہمت تراشی کے آسرے پر، معروفِ شرعی کا جامہ پہنائیں، اس کارِ نابکار کے لیے آیات واحادیث واقوالِ ائمہ کی تحریف و تصحیف منائیں، اور احکامِ الٰہیہ کو کایا پلٹ کر کے حرام کو حلال، حلال کو حرام کر دکھائیں جیسا کہ اب بہت کلمہ گویانِ اسلام سے آئے دن ظہور میں آ رہا ہے، تو ایسے وقت میں ایسے منکراتِ شرعیہ کا ازالہ فرض اعظم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"جب فتنے، یا فرمایا، بد مذہبیاں، ظاہر ہوں تو فرض ہے کہ عالم اپنا علم ظاہر کرے، اور جو ایسا نہ کرے، اس پر اللہ اور فرشتوں اور آدمیوں، سب کی لعنت۔ اللہ نہ اس کا فرض قبول کرے نہ نفل۔" (خطیب بغدادی فی الجامع)

تو ہماری یہ سعی اُن معاندوں کے لیے نہیں جو دیدہ و دانستہ کلام اللہ و احکامِ شریعتِ اسلامیہ میں تغیر و تبدیل کر رہے ہیں۔ بلکہ ہمارا مقصود، اُن شبہات کا کشف و ازالہ ہے۔ جن سے وہ احکامِ الٰہیہ کو بدلنے اور عوام مسلمین کو چھلتے ہیں۔ اس امید پر کہ مولیٰ عزوجل، چاہے تو جو اُن کے دھوکے میں آ گئے۔ حق کی طرف واپس آئیں۔ اور جن پر ہنوز اُن کا فریب نہ چلا، بعونہٖ تعالیٰ حفظ و پناہ پائیں۔ وذالک علی اللہ یسیر۔

مولیٰ تعالیٰ ہمیں اور ہمارے احباب کو، باطل و اعانتِ باطل و اختلاطِ اہلِ باطل سے بچائے اور حق پر استقامتِ تامہ عطا فرمائے۔ آمین والحمد للہ رب العلمین۔

شرعِ مطہر کا ایک ضابطہ کلیہ

رب عزوجل ارشاد فرماتا ہے :۔

وَمَا تُقَدِّمُوا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝

"اور اپنی جانوں کے لیے جو بھلائی آگے بھیجو گے، اُسے اللہ کے یہاں پاؤ گے۔ بیشک اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے۔"

اور فرماتا ہے :۔

وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ

"اور تم جو بھلائی کرو اللہ اُسے جانتا ہے۔"

یہ آیاتِ کریمہ صاف ارشاد فرماتی ہیں کہ نیکی نہ صرف نماز و زکوٰۃ میں منحصر ہے نہ جہاد و قتال پر موقوف۔ بلکہ اعمال صالحہ، جن کی بنیاد تقویٰ و پرہیز گاری، خدا ترسی و حق پرستی پر ہو۔ جو کچھ بھی میسر آجائیں، سب یکساں مقبولیت رکھتے ہیں۔ مسلمان کو چاہیئے، کہ ان سے غافل نہ رہے اور اپنی عمر عزیز کے قیمتی لمحات غفلت میں نہ گزارے۔ اور چھوٹی یا بڑی، جو بھی نیکی کر سکتا ہے، اس میں دریغ نہ کرے۔ ہر کار خیر مقبول ہے جبکہ خلوصِ نیت سے انجام پائے۔ اور ہر کارِ خیر باعث برکت و نجات اور موجب اجر و ثواب ہے جبکہ صدق نیت سے ظہور میں آئے۔

اور مسلمانوں کے دل و دماغ میں یہ بات موجود رہے، کہ خفی سے خفی، باریک سے باریک، نیکی بھی عالم الغیب کی نظر سے مخفی نہیں۔ اور اصل شے اور مدار کار تمام احکام و مسائل میں یہی خلوص و تقویٰ اور خوف خدا ہے۔ اور یہ بات تو ظاہر ہے کہ خیر و کار ثواب، بدنی مالی، بڑی چھوٹی، ہر قسم اور ہر درجہ کی نیکی کو شامل ہے۔

نیز ارشاد فرماتا ہے :۔

وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ۝

" اور جو کوئی بھلی بات ہے ، اپنی طرف سے کرے ، تو اللہ اُس کا صلہ دینے والا اخبردار ہے ۔"

آیۂ کریمہ میں لفظ تطوّع استعمال ہوا ہے ۔ اس کا مصدر ہے تَطَوُّع ۔ اور تطوُّع ہر وہ چیز ہے ، جو نہ فرض و واجب ہے کہ بے اس کے کئے آدمی بریُّ الذمّہ نہ ہو ۔ اور نہ شرعاً ایسی مطلوب ، کہ اُس کے ترک کو وعید آئی ہو یا اُس کے کرنے کی تاکید فرمائی ہو ۔ یعنی ہر وہ عمل صالح ، ہر وہ کار خیر اور ہر وہ نیکی ، جو انسان اپنی خوشی سے انجام دے ۔ مطلب یہ ہے کہ کوئی سا بھی نیک کام ہو ، کسی نوعیت اور کسی درجے کا بھی ، جو بھی مُسلمان اُسے اپنی طرف سے ، اپنی خوشی سے انجام دے گا ۔ اس کا اجر اُس کا صلہ اور اُس پر اجر و ثواب ، حسب وعدۂ الٰہی اُسے مل کر رہے گا ۔ شاکرٌ کا لفظ جو یہاں وارد ہوا ہے ۔ وہ اسی بشارت کا مُشعِر ہے کہ شکر کا لفظ جب اللہ کے لیے آتا ہے تو اُس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ بندے کی کسی طاعت و کاربندگی کو ضائع نہیں فرماتا بلکہ اپنے فضل و کرم سے تھوڑی سی طاعت پر معاوضہ بہت دیتا ہے ۔ بشرطیکہ بندہ اس کا اہل ہو اور اس کی نیت میں خلوص ہو کہ وہ بندے کی نیت سے خوب واقف ہے ۔ تو کسی کارِ خیر کی بجا آوری میں جس قدر نیت میں صدق و خلوص ہو گا ، رب کریم کی جانب سے اتنا ہی اُس پر اجر و ثواب مترتّب ہو گا ۔

کلمہ گویانِ اسلام میں ایک فرقہ ، قرآن کریم کے عطا فرمودہ اس ضابطہ کلیّہ سے یا تو واقف نہیں ۔ یا اپنے نظریات دوسروں پر مسلط کرنے کی خاطر اس سے دامن بچاتا ہے ۔ اور جب کسی کج فہم کی نگاہوں سے حقیقت کا یہ پہلو اوجھل ہو تو ظاہر ہے کہ دلائل کا مقابلہ ، دلائل سے نہیں بلکہ جھنجلاہٹ سے کرے گا ۔ جو دلیل شکست و عجز ہے ۔ آخر یہ لوگ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ اگرچہ قرآن عظیم و فرقانِ کریم میں سب کچھ ہے ، جسے جتنا علم ، اتنا ہی فہم ۔ اور جسے جتنی فہم اُسی قدر علم سے وہ بہرہ مند ، اور اگرچہ کلامِ الٰہی میں ہر چیز

کا روشن بیان اور ہر شے کی کامل شرح موجود، لیکن عملی زندگی کے ایک ایک پہلو سے متعلق تفصیلی ضابطے اور قوانین، صاف صریح الفاظ و عبارات میں اور ہر ایک کی فہم میں آجائیں، نظروں سے اوجھل ہیں، ہر ایک کی نگاہ میں نہیں سما سکتے۔

ہاں قرآن کریم میں مولیٰ جلّ و علا اپنے نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کے طریق و روش پر چلنے کی ہدایت فرماتا، نبی کا حکم بعینہٖ اپنا حکم، اور نبی کی اطاعت بعینہٖ اپنی اطاعت بتاتا ہے۔ تو تمام احکام کہ حدیث میں ارشاد ہوئے، سب قرآن عظیم سے ثابت ہیں۔ اور وہ جزئی احکام جو احادیث میں ہیں، کتاب اللہ ہرگز اُس سے خالی نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جو کچھ حکم، جو کچھ رائے، جو کچھ طریقہ، جو کچھ ارشاد ہے سب قرآن عظیم سے ہے۔ سب قرآن عظیم میں ہے۔ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی۔

تو کلمہ گویانِ اسلام سے جو فرقہ حدیث کو چھوڑ کر، صرف قرآن مجید سے ثبوت لینا چاہے وادیٔ ضلالت میں پیاسا مرے گا۔ بھٹکے گا اور گرے گا۔ جن پیٹ بھرے بے فکرے نیچریوں نے حدیثوں کو یکسر ردی کر دیا اور بزورِ زباں، صرف قرآن عظیم پر دار و مدار رکھا، حالانکہ واللہ وہ قرآن کے دشمن اور قرآن ان کا دشمن، وہ قرآن کو بدلنا، اور مراد الٰہی کے خلاف، اپنی ہوائے نفس کے موافق اُس کے معنی گڑھنا چاہتے ہیں۔ جب ضروریاتِ دین ہی کے ہر جزئیہ کی تصریحِ صریح، قرآن میں ضروری نہیں، تو اُن سے اُتر کر اور کسی درجے کی بات پر یہ مرچڑا پن کہ ہمیں تو قرآن ہی میں دکھاؤ ورنہ ہم نہ مانیں گے نری جہالت ہے یا صریح ضلالت۔

مگر رونا اس بات کا ہے کہ ایمان بالقرآن کے مدعی، احادیث کریمہ کی تصدیق و تعمیل کے دعویدار، بلکہ ائمہ مجتہدین کی تقلید کو حق اور امر ضروری جاننے ماننے والے بھی، اپنی خواہشاتِ نفس کے دام میں ایسے گرفتار ہیں کہ قرآن میں، حدیث میں، صاف صریح ہر عمل صالح اور ہر کار خیر کی بجا آوری کی وسعتیں دیکھتے جائیں، کہ ہر عمل صالح، ہر کارِ خیر، ہر نیکی، جس کا صدور و ظہور، صدقِ نیت اور خلوص قلب سے ہو، وہ بارگاہِ الٰہی میں مقبول اور باعث برکت و موجب اجر و ثواب آخرت ہے، مگر کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَة کے

جو معنی و مفہوم، اُن کے دل و دماغ میں جاگزیں ہے، اُسے کسی طور ترک کرنے پر راضی نہیں۔ عامۃ المسلمین کو بدعتی و جہنمی اور اولیائے کرام و مشائخ عظام کو شرک پسند، بانئی ضلالت اور گمراہ و گمراہ گر کہنا گوارا۔ مگر اپنے گریبان میں جھانک کر، این و آں کی بے جا طرفداری و حمایت سے باز آنا، ایسا ناگوار ہے کہ حق کو دیکھنے سننے اور سمجھنے سے گویا سمع و بصر اور دل و دماغ پر مہر لگادی گئی ہے۔

معمولی علم و واقفیت رکھنے والا مسلمان بھی اتنی بات خوب جانتا ہے کہ علماء کرام اور ائمہ اعلام نے امور تعظیم و محبّت میں ایجادوں کو پسند فرمایا اور انھیں ایجاد کنندہ کی منقبت میں شمار کیا۔ اور تعظیم و تکریم انبیاء و اولیا، اور شوکتِ اسلام کے اظہار و بقاء میں جتنے طریقے نئے ایجاد کئے جائیں سب جائز و مستحسن ہیں۔ سب موجب خیرات و برکات ہیں، جب تک شرعاً ان کی ممانعت نہ ہو۔

ان فتنہ پردازانِ نجد کی بڑی دوڑ یہی ہے کہ فلاں کام بدعت ہے۔ حادث ہے۔ صحابہ و تابعین سے ثابت نہیں۔ اس کا ثبوت، قرآن و حدیث اور صحابہ و تابعین سے لاؤ۔ سب کا جواب یہی ہے کہ تم کور چشم، کج رائے، کج فہم ہو، دو باتوں میں سے ایک کا ثبوت، تمہارے ذمّہ ہے۔ یا اُتو یہ کہ فی نفسہٖ اس کام میں شر ہے۔ یا ۲ یہ کہ شرع مطہر نے اس سے منع فرمایا ہے۔ اور جب نہ شرع سے منع، نہ کام میں شر، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ قرآن عظیم کے ارشاد سے جائز۔

یہ مباحث ان شاء اللہ تعالیٰ، مسائل نزاعیہ کی تشریح کے ضمن میں بالتفصیل آئیں گے لیکن ہم ان تمام مباحث کو سمیٹتے ہوئے صرف ایک حدیثِ طویل کے خلاصہ پر اکتفا کرتے ہیں کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نظر عوام سے احتجاب فرمایا اور خلافتِ خلیفۂ برحق صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں جنگِ یمامہ واقع ہوئی جس میں بہ کثرت صحابۂ کرام، حافظانِ قرآن شہید ہوئے تو قرآن کریم کے حافظِ حقیقی، جامع ازلی جلّ جلالہٗ نے اپنا وعدۂ صادقہ وَاِنَّا لَہٗ لَحافِظُون پورا فرمانے کو، حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قلبِ کریم میں یہ کریم داعیہ ڈالا کہ قرآن کریم کو اصل لغتِ قریش پر،

جس میں قرآن نازل ہوا تھا۔ یکجا جمع ہو جانا چاہیئے۔ چنانچہ آپ نے بارگاہِ صدیقی میں عرض کی کہ جنگ یمامہ میں بہت صحابہ حاملانِ قرآن شہید ہوئے اور مَیں ڈرتا ہوں کہ اگر یونہی قرآن متفرق پرچوں میں رہا اور حُفّاظ یونہی لڑائیوں میں شہید ہوتے گئے تو بہت قرآن جاتا رہے گا۔ میری رائے ہے کہ حضرت جمع قرآن کا حکم فرمائیں"۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ابتداءً اس میں تامل ہُوا اور فرمایا کہ جو فعل حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہ کیا، ہم کیونکر کریں"۔

فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ اگرچہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا، مگر واللہ وہ کام خیر کا ہے۔ بالآخر رائے صدیقی بھی موافق ہوئی۔ پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جناب زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر، جمع قرآن کا حکم دیا۔ انہیں بھی وہی شبہ گزرا اور عرض کیا کہ کیونکر کیجئے گا وہ کام جو حضور سید الانام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام نے نہ کیا۔ صدیق اکبر نے وہی جواب دیا کہ خدا کی قسم، بات تو بھلائی کی ہے، کام تو خیر کا ہے۔ پھر دونوں صاحبوں میں بحث ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ اُن کی رائے بھی شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی رائے کے ساتھ موافق ہُوئی۔ یہاں تک کہ جملہ صحابۂ کرام کے اجماع سے یہ مسئلہ طے ہوا اور قرآنِ عظیم متفرق مواضع سے یکجا جمع کر لیا گیا۔ اور نجدیہ کا یہ شبہ، جس پہ آدھی وہابیت کا دار و مدار ہے، کہ جو فعل حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا، دُوسرا کیا اُن سے زیادہ مصالح دین جانتا ہے کہ اسے کرے گا، باجماعِ صحابہ مردود قرار پایا۔ والحمد للہ رب العلمین

دیکھئے جب زید بن ثابت نے صدیق اکبر پر، اور صدیق اکبر نے فاروق اعظم پر اعتراض کیا تو ان حضرات نے یہ جواب نہ دیا کہ نئی بات نکالنے کی اجازت نہ ہونا، تو پچھلے زمانہ میں ہو گا۔ ہم تو صحابہ ہیں اور ہمارا زمانہ خیر القرون سے ہے"۔ بلکہ یہی جواب دیا کہ اگرچہ یہ کام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا، مگر وہ کام تو اپنی جگہ، اپنی ذات میں بھلائی کا ہے۔ پس کیونکر ممنوع ہو سکتا ہے۔ اور اسی پہ صحابۂ کرام کی رائے متفق ہُوئی۔ تو معلوم ہُوا کہ صحابۂ کرام کے نزدیک بھی اپنے زمانے میں ہونے نہ ہونے پر مدار نہ تھا

بلکہ نفس فعل کو دیکھتے۔ اگر اس میں محذور شرعی نہ ہوتا اجازت دیتے، ورنہ منع فرمادیتے، اور یہی طریقہ تابعین و تبع تابعین میں رائج رہا کہ اپنے زمانے کی بعض نو پیدا چیزوں کو جائز رکھا۔ بعض سے منع فرمایا اور قاعدۂ شرعیہ وہی قرار پایا کہ خیر خیر ہے اگرچہ نو پیدا ہو اور شر شر ہے اگرچہ پرانا ہو۔ اتنی واضح ہدایت اور روشن موعظت کے باوجود، شراب نجدیت سے ماؤف ذہن، اب بھی اگر یہی کہے جائیں کہ ہر نو پیدا بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی، اور حدیث کریم کو اپنی سند میں لائیں تو سوائے اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ ایسے لوگوں کا شمار بھی انہیں لوگوں میں کرنا مناسب و لائق تر ہے جو احکام شریعت کو چھوڑ کر، اپنے خود ساختہ طور و طریق ہی کو اختیار کرنا، باعث نجات جانتے ہیں اور اپنی کج رائے و کجروی کو ہی دلیل راہ سمجھتے ہیں اگرچہ اس کے لیے صحابہ کرام و تابعین و سلف صالحین کو چھوڑنا بلکہ معاذاللہ انہیں بدعتی و گمراہ ٹھہرانا پڑے۔ ولاحول ولاقوۃ الاّ باللہِ العلی العظیم۔

اور مسلمان تو بحمدہٖ جانتے اور مانتے ہیں کہ مُسلمان وہ ہے جو خُدا اور رسول، قرآن و حدیث کے ہر ہر جزو کو بلا چون و چرا اپنا لائحۂ عمل اور نصب العین بنائے اور اس پر قائم و دائم رہے۔ اور اللہ و رسول کے کسی قانون کا مقابلہ نہ کرے۔ اپنی کوتاہ عقلی کو کسی حکمِ شرعی کے مقابل نہ لائے۔ اور ہر معاملہ میں خدا و رسول ہی کے احکام کو اپنا راہبر و رہنما بنائے۔ اور جو لوگ اہلِ اللہ اور ان کے طور و طریق اور معمولات کے ساتھ تمسخر کرتے ہیں، ان سے کنارہ کش رہے۔ الحبُّ فی اللہِ و البغضُ لِلّٰہِ کے طریق پر گامزن رہے۔ اولیاءاللہ کو، کہ محبوبانِ حق جلّ وعلا ہیں، ان کے ساتھ عقیدت و وابستگی کو باعثِ رضائے الٰہی و موجب نجات جانے۔ اور یقین رکھے کہ جو ان سے الگ ہُوا۔ اُس کے لیے خسران و وبال ہے۔ اور جو ان سے وابستہ رہا اُس کے لیے رحمت ربِ ذوالجلال ہے۔

اور ہم آئندہ صفحات پر یہ بات بھی بتائیں گے کہ یہ کچھ احتیاط نہیں ہے کہ کسی چیز کو حرام یا مکروہ کہہ کر خدا پر افتراء کر دو بلکہ احتیاط اس میں ہے کہ جب تک حرمت و کراہت پر دلیل قائم نہ ہو اُسے جائز و مباح مانا جائے کہ اصل یہی ہے۔

حقیقت الامر یہ ہے کہ :-

صحابہ و تابعین کو اعلائے کلمۃ اللہ، محافظتِ اصولِ ایمان، اشاعتِ فرائض اسلام وغیرھا امور کلیہ مہمّہ سے فرصت نہ تھی، لہذا یہ امور جزئیہ مستحبّہ تو کیا معنی، قواعد و اصول کی تاسیس اور جزئیات و فروع کی تفریع، اہل حق کے لیے دلائل کی تدوین، اہلِ بدعت کے شبہات کی تردید وغیرھا امور عظیمہ کی طرف بھی توجہ کامل نہ فرماسکے۔ جب بفضل اللہ تعالیٰ ان کے زورِ بازو نے، دینِ الٰہی کی بنیاد مستحکم کردی اور دُور و نزدیک کے ممالک و بلاد میں ملّت حنفیہ کی جڑ جم گئی، اُس وقت ائمہ و علمائے مابعد نے، تخت و بخت سازگار پاکر بیخ و بن جمانے والوں کی ہمتِ بلند کے قدم لیے، اور باغبانِ حقیقی کے فضل پر تکیہ کرکے اہم فالاہم کاموں میں مشغول ہوئے۔ فکرِ صائب نے زمین تدقیق میں نہریں کھودیں، ذہن رواں نے زلالِ تحقیق کی ندیاں بہائیں۔ بہی خواہانِ دین و ملت نے عطر باریاں فرمائیں۔ یہاں تک کہ یہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا باغ، ہرا بھرا، پھولا پھلا لہلہاتا اور اس کے بھینے پھولوں، سہانے پتّوں نے چشم و کام و دماغ پر عجب ناز سے احسان فرمایا۔ والحمد للہ رب العلمین۔

اب اگر کوئی جاہل اعتراض کرے کہ یہ کُنجھیاں جواَب پھوٹیں، جب کہاں تھیں۔ یہ پتیاں جواَب نکلیں، پہلے کیوں نہاں تھیں۔ یہ پتلی پتلی ڈالیاں جواَب جھومتی ہیں، نوپیدا ہیں، یہ ننھی ننھی کلیاں جواَب مہکتی ہیں، تازہ جلوہ نما ہیں، اگر ان میں کوئی خوبی پاتے تو اگلے کیوں چھوڑ جاتے۔" تو اس کی حماقت پر، اس الٰہی باغ کا ایک ایک پھول، قہقہہ لگائے گا کہ او جاہل! اگلوں کو جڑ جمانے کی فکر تھی، وہ فرصت پاتے تو یہ سب کچھ کر دکھاتے۔ آخر اس سفاہت کا نتیجہ یہی نکلے گا کہ وہ نادان اس باغ کے پھل پھول سے محروم رہے گا۔ بھلا غور کرنے کی بات ہے کہ ایک حکیم فرزانہ عاقلِ زمانہ کے گھر آگ لگی۔ اُس کے چھوٹے چھوٹے بچے، بھولے بالے، اندر مکان کے، گھر گئے اور لاکھوں روپوں

کا مال و اسباب بھی تھا۔ اس دانشمند نے مال کی طرف مطلق خیال نہ کیا۔ اپنی جان پر کھیل کر، بچوں کو سلامت نکال لیا۔ یہ واقعہ چند بے خرد، عقل سے بیگانے، بھی دیکھ رہے تھے۔ اتفاقاً ان کے یہاں بھی آگ لگی۔ یہاں نرا مال ہی مال تھا۔ کھڑے ہوئے دیکھتے رہے۔ اور سارا مال خاکستر ہو گیا۔ کسی نے اعتراض کیا کہ بھلا تم نے مال و اسباب کیوں جلنے دیا۔ تو بولے کہ تم احمق ہو۔ ہم اُس حکیم دانشور کی آنکھیں دیکھے ہوئے ہیں۔ اُس کے گھر آگ لگی تھی تو اُس نے مال کب نکالا تھا جو ہم نکالتے۔ مگر بے وقوف اتنا نہ سمجھے کہ اُس اولی العزم حکیم کی پوری توجہ، ہر طرف پھیلی ہوئی آگ اور بڑھتے ہوئے شعلوں کی طرف تھی۔ بچے خطروں میں گھرے ہوئے تھے۔ ان کی حفاظت اہم تھی۔ اُسے بچوں کے بچانے سے فرصت کہاں تھی کہ مال نکالتا۔ نہ یہ کہ اُس نے مال کی حفاظت اور مال کا نکالنا بُرا جان کر چھوڑ دیا تھا۔

یہی بد حال اس نو پید فرقہ کا ہے جو کہتے ہیں کہ جو کچھ قرونِ ثلثہ میں، عہدِ رسالت و زمانۂ صحابہ و تابعین میں نہ تھا، سب منع ہے، سب بدعت ہے، سب کو چھوڑنا، سب سے ہاتھ اٹھانا ضروری ہے۔ عقل کے پورے، اتنا بھی نہیں سوچتے کہ جب قرآن و حدیث، ہر کارِ خیر کے ایجاد کی اجازت دے رہے ہیں تو تم اُس سے روکنے والے کون ہوتے ہو۔ خصوصاً جب کہ تم خود صبح سے شام ایسے اعمال اور افعال کے ارتکاب میں گزارتے ہو جو قرونِ ثلثہ میں نہ تھے۔ کیا تمہارے نام کوئی پروانہ رہائی آگیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی سی اوندھی سمجھ کسی کو نہ دے۔

○

توجہ طلب گذارش

اور اب ہم ان گذارشات کے بعد رجوع ہوتے ہیں "فیصلہ ہفت مسئلہ" کی تشریح و توضیح اور اس کے مضامینِ عالیہ کی تذہیب و تہذیب کی جانب۔ مگر یہ عرض کرتے چلیں کہ یہ رسالہ حضرت شاہ حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تصنیف لطیف ہے۔ جو پہلی مرتبہ ۱۳۱۲ھ مطابق ۱۸۹۴ء میں، مطبعِ نظامی کانپور سے شائع ہوا اور پھر اس کی اشاعت و طباعت کا سلسلہ جاری رہا۔ اس وقت ہمارے روبرو "سعید کمپنی۔ ادب منزل۔ پاکستان چوک کراچی" کا شائع کردہ، اور ایجوکیشنل پریس کراچی کا مطبوعہ، ایک نسخہ موجود ہے۔ جس کا آغاز مندرجہ ذیل کلمات سے ہوا ہے۔

(عکسی پہلا سعید کمپنی ایڈیشن۔ جنوری ۱۹۶۷ء۔ تعداد ایک ہزار)

فیصلہ ہفت مسئلہ

ازافاداتِ منبع الفیوض و البرکات۔ امام العارفین فی زمانہ۔ مقدام المحققین فی اوانہ سیدنا و مولانا الحافظ الحاج الشاہ محمد امداد اللہ مہاجر مکی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ

ہمارا مقصود اس عبارت سے یہ ہے کہ یہ رسالہ صرف شاہ صاحب کی جانب منسوب نہیں کہ ان کے متوسلین اپنا دامن بچا جائیں۔ بلکہ یہ خود انہیں کی تصنیف لطیف ہے جسے ان کے معتقدین بھی تسلیم کرتے آئے ہیں۔ ناظرین کی سہولت کے لیے ہم نے اصل رسالہ "چہار خطوط" میں مقید کر دیا ہے۔ اور تشریح و توضیح کو بالترتیب ہندسوں میں محدود۔



فیصلہ ہفت مسئلہ

از افادات

منبع الجود و البرکات۔ امام العارفین فی زمانہ، مقدام المحققین فی اوانہٖ
سیدنا مولٰنا الحافظ الحاج الشاہ محمد امداد اللہ مہاجر مکی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ نَحۡمَدُہٗ وَنَسۡتَعِیۡنُہٗ وَنَسۡتَغۡفِرُہٗ وَنُؤۡمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیۡہِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّاٰتِ اَعۡمَالِنَا۔ مَنۡ یَّھۡدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ۔ وَنَشۡھَدُ اَنۡ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَاشَرِیۡكَ لَہٗ وَاَشۡھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوۡلٰنَا مُحَمَّدًا عَبۡدُہٗ وَرَسُوۡلُہٗ ط

اما بعد فقیر امداد اللہ الحنفی الچشتی، عموماً سب مسلمانوں کی خدمت میں خصوصاً (اپنے متوسلین سے) جو اس فقیر سے ربط و تعلق (اور سلسلہ بیعت) رکھتے ہیں، عرض رسا ہے کہ یہ امر مسلمات سے ہے کہ باہمی اتفاق، باعثِ[1] برکاتِ دنیوی و دینی،

[1] چنانچہ قرآن کریم گواہ ہے کہ اُمّتِ مسلمہ کا اتحاد و اتفاق بجائے خود ایک بہت بڑی نعمت ہے اور فلاحِ دارین کی موجب۔ اور فلاح کے اس عموم میں شخصی و اجتماعی، دنیوی و اُخروی ہر قسم کی فلاح داخل ہے۔ اور یہ فلاح اُسی وقت حاصل ہوگی جبکہ مسلمان دو قالب و یک جان ہوکر اقامتِ دین میں کوشاں رہیں اور تفرقہ و اختلاف سے کلیۃً پرہیز کریں۔ طریقۃ المسلمین، مذہبِ اہلسنّت و جماعت ہے۔ اس کے سوا کوئی اور راہ اختیار کرنا دین

ہیں تفریق اور ممنوع ہے۔ مسلمان خوب یاد رکھیں کہ اتحاد بین المسلمین ایک عظیم نعمت، بیش بہا دولت ہے لیکن جس اتحاد کی بنیاد، نفاق اور ذاتی مفاد پر ہو۔ اُس کا حشر معلوم و مشاہد ہے ۱۲

اور نا اتفاقی، موجب^۲ مضرت دنیوی و دینی ہے۔ اور آج کل بعض مسائل^۳ فرعیہ میں ایسا اختلاف واقع ہوا ہے جس سے طرح طرح کے شر اور دقتیں پیدا ہو رہی ہیں۔ اور خواص کا وقت اور عوام کا دین ضائع ہو رہا ہے۔ حالانکہ اکثر امور میں محض^۴ نزاع لفظی ہے اور مقصود متحد۔

^۲ قرآن کریم نے ان تمام مضرتوں کو صرف دو لفظوں میں سمو دیا ہے۔ فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ۔ پھر تم بزدلی کرو گے۔ کم ہمت ہو جاؤ گے۔ اور تمہاری بندھی ہوئی ہوا جاتی رہے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا باہمی تنازع ضعف و کمزوری اور بے وقاری کا سبب ہے۔ انتشار قوت اور نا اتفاقی کا لازمی نتیجہ پست ہمتی ہے اور جب پست ہمتی غلبہ پائے تو اُس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا جو رُعب و داب اُن کی یک دلی، یک جہتی اور یک رنگی کی بنا پر چھایا ہوا رہتا ہے وہ جاتا رہتا ہے۔ اور گرد و پیش میں ناگوار حالات پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ اور باہمی نزاع سے محفوظ رہنے کی تدبیر خدا و رسول کی فرمانبرداری اور دین و شریعت کا سچا اتباع ہے۔ یہی وہ رشتہ ہے جو ایک طرف اہل ایمان کا تعلق، اللہ و رسول سے قائم کرتا ہے اور دوسری طرف ایمان لانے والوں کو باہم ملا کر ایک جماعت بناتا ہے۔ دین و شریعت ہی اللہ کی مضبوط رسی ہے اور اس رسی کو "مضبوط پکڑے رہنے" کا جو حکم قرآن نے دیا ہے اس کا مطلب یہی ہے کہ مسلمانوں کی نگاہ میں اصل اہمیت دین کی ہو۔ اس کی اقامت میں کوشاں رہیں اور اسی کے لیے آپس میں تعاون کرتے رہیں ۱۲

۳ے جن چیزوں کی نسبت ہدایت و یقین سے معلوم ہے کہ یہ دین محمدی سے ہیں، ان سب کو ماننے، دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار کرنے کا نام ایمان ہے۔ ایمانیات کے دائرہ کے اندر جتنی چیزیں ہیں، سب کو تصریحات نبوی کے مطابق و ماتحت ہونا ضروری ہے۔ کسی اور راہ سے آیا ہوا علم، اس دائرہ ایمان میں نامقبول ہے۔ ایمان کی کیفیتِ نفسی، شک، ریب، تردُّد اور تذبذب کی بالکل ضد ہے۔ شک و تردُّد کے برعکس، ایمان سے دماغ کو سکون، دل کو اطمینان، قلب کو انشراح، اور روح کو تسلی نصیب ہوتی ہے۔ بلکہ ایمان کے بغیر، دل میں بے کلی اور بے چینی ہی رہتی ہے، جب کہ ایمان والے کو سخت سے سخت مصیبت کے وقت بھی ڈھارس بندھی رہتی ہے۔ کہ وہ بڑا آسرا اور مضبوط سہارا رکھتا ہے۔

اب اگر کوئی کلمہ گو، شریعتِ اسلامیہ کی حقانیت اور اس کی عالمگیر روحانیت کا تو زبان سے اقرار کرے۔ لیکن محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمانیات کی جو تشریح فرمائی ہے، اُن تشریحات کی تصدیق سے دامن بچائے۔ تصریحاتِ نبوی کو ایمان کی جان نہ جانے، یا اس کے دل میں انشراح و انبساط کی بجائے، کدورت و تنگی آئے۔ یا اپنے دل و دماغ میں ایقان و تیقُّن کی جگہ تردُّد و تذبذب کو جاگزین پائے۔ تو ظاہر ہے کہ وہ دولت ایمان سے قطعاً محروم ہے۔ تو ایسے منکرِ اسلام سے مسلمان اپنے دل و دماغ میں نفرت پائیں اور اُس سے علی الاعلان اپنی تبرّی و براءت کا اعلان کریں اور اُسے اسلام کا باغی بتائیں تو اس اختلاف کو مسائل فرعیہ کا نام، ہرگز نہ دیا جائے گا۔ بلکہ یہ اختلاف کفر و اسلام کا اختلاف کہلائے گا۔ ۱۲

۴ے اسے یوں سمجھئے کہ مثلاً خدائے قدوس کا سچا رسول فرمائے کہ کلمہ گو فرقوں میں صرف ایک ناجی ہے باقی سب ناری۔ اور ایک فرقہ کہے کہ سب فرقوں سے خدا راضی ہے، سب حق پر ہیں۔ سب حق پرست ہیں۔ یا خدا کا محبوب رسول فرمائے کہ سوادِ اعظم کا اتباع ضرور ہے مگر ایک گروہ کہے کہ ہر شخص اپنی سمجھ پہ مکلف ہے۔ ہر شخص کو خدا اس کی سمجھ پہ ثواب دے گا۔ یا خدا و رسول فرمائیں کہ

اسلام کے لیے ہمارے تمام ارشادات کو تسلیم کرنا ضروری ہے۔ مگر ایک طائفہ، اسلامی اصول، اسلامی ضروریات، کانٹ چھانٹ کر صرف کلمہ گوئی یا قبلہ روئی پر بنا رکھے۔ تو ظاہر ہے کہ یہ صراحۃً خدا و رسول کی مخالفت اور اسلام میں رخنہ اندازی ہے۔ تو اسے نزاعِ لفظی کا نام دینا بالبداہت باطل ہے۔

کون نہیں جانتا کہ مخبر صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے موافق، صحابۂ کرام و تابعین عظام کے دور میں بہت سے نئے نئے فرقے وجود میں آئے۔ ان فرقوں میں سے جس نے ضروریاتِ دین کا انکار کیا وہ باوجود کلمہ گوئی کافر و مرتد قرار پائے۔ جیسے فرضیتِ زکواۃ کے منکر۔ اور جس نے ائمۂ دین کے عقائدِ حقّہ کا انکار کیا، انہیں اگرچہ کافر نہ کہا گیا، تاہم ان کی گمراہی و ضلالت پر سب کا اتفاق ہے۔ لہٰذا ان سے مسلمانوں کے اختلاف کو بھی، مسلمانوں میں نزاعِ لفظی نہیں کہا جا سکتا۔

نزاعِ لفظی یہ ہے کہ دو متخالف افراد یا فرقوں کا اصلِ مقصود میں کوئی اختلاف نہیں۔ مقصود دونوں کا ایک، منزل دونوں کی ایک، معنیٰ و مفہوم ایک، صرف الفاظ جداگانہ استعمال کر رہے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ گمراہ فرقوں کا مقصود، جمہور اہلِ اسلام کے قطعاً خلاف ہے تو اس اختلاف دینی و ایمانی کو نزاعِ لفظی سے تعبیر کرنا ہرگز ہرگز معتبر نہ ہوگا۔ اور یہ شاہ صاحب کا مقصود ہے۔ ۱۲

پھر نزاعِ لفظی کی فی الجملہ توجیہ صرف انہیں مسائل میں دخل انداز ہو سکتی ہے جو خود علمائے اہلسنّت میں مختلف فیہ رہے ہیں اور ہم بتا چکے کہ ان میں کسی طرف تکفیر و تضلیل ممکن نہیں۔ فریقین میں سے کسی فریق کو کافر و گمراہ نہیں کہا جا سکتا۔ یہ دوسری بات ہے کہ کوئی شخص اپنے خیال میں، کسی قول کو راجح جانے، دوسرے قول پر، دوسرے کے قول پر، اسے ترجیح دے۔ خواہ تحقیقاً یعنی دلیل سے اُسے وہی مُرَجّح و قابلِ ترجیح نظر آیا اور اُس نے اسے اختیار کیا۔ خواہ تقلیداً کہ اُسے اپنے نزدیک اکثر علماء، یا اپنے معتمد علیہم (جن پر اسے اعتماد ہے) اُن کا قول پایا۔ تو ایسے مسائل میں کسی ایک فریق کے قول پر کاربند و عامل، قطعاً سُنّی صحیح العقیدہ ہے۔ مگر لیلائے نجد کے شیدائی، اور اُس کی عشوہ طرازیوں کے فدائی، کہ

اس کا نقاب اُلٹتے ہی ہوش و حواس سے بیگانہ ہو کر اُس کے مصنوعی جلوۂ زیبائی پر مر مٹے اور جو اُس نے کہا، اُس پر آمنا و صدقنا کر بیٹھے، شاہ صاحب کا دامن، ان کی حمایت سے ہرگز ہرگز ملوث نہیں۔ اور نہ اُس جناب پر کوئی الزام۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے متوسلین کا صرف وہ رُخ دیکھا جو بکمالِ عقیدت و محبت ان کی جانب اُٹھا۔ اُس رُخ کی جانب توجہ نہ فرمائی جو وہابیت و نجدیت کی ترویج و اشاعت میں ادھر پشت کئے، اپنے قبلہ مرادات و کعبۂ حاجات معتکفان صنمکدہ، نجد کو ٹکٹکی باندھے، غلام بیدام کی مانند تک رہا تھا اور مسلسل تکے جا رہا تھا۔ ورنہ متوسلین کو اپنے شیخ کے خلاف کوئی راہ نہیں۔ ۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

چونکہ عموماً مسلمانوں کی، اور خصوصاً اپنے تعلق والوں کی یہ حالت دیکھ کر نہایت صدمہ ہوتا ہے۔ اس بے فقیر کے دل میں آیا کہ مسائل مذکورہ کے متعلق مختصر سا مضمون قلم بند کر کے شائع کر دیا جائے۔ امید قوی ہے کہ یہ نزاع و جدال رفع ہو جائے۔ ہر چند کہ اس وقت میں اختلافات اور مختلفین کثرت سے ہیں۔ مگر فقیر نے ان ہی مسائل کو لیا، جن میں اپنی جماعت کے لوگ مختلف تھے۔ دو وجہ سے۔ اوّل تو کثرتِ اختلاف اس درجہ پہنچی ہے کہ اس کا احاطہ مشکل ہے۔ دوسرے ہر شخص سے امید قبول نہیں۔ اور اپنی جماعت میں جو اختلافات ہیں اولاً وہ معدود۔ دوسرے امیدِ قبول، غالب۔

ﮥ افسوس صد ہزار افسوس کہ شاہ صاحب مرحوم و مغفور کے متوسلین نے حضرت شاہ صاحب کی اس خواہش کا ذرا پاس نہ کیا۔ اور انہیں اہل حدیث یعنی غیر مقلدین کی تقلید میں لیلائے نجد پر کچھ ایسا پیار آیا کہ اس کی محبت میں سچے مسلمانوں کو کافر و مشرک ٹھہرایا۔ اور خوارج کی طرح (جنہیں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بدترین خلق اللہ

جانتے) انہوں نے بھی وہ آیتیں، جو کافروں کے حق میں اُتریں، اُٹھا کر مسلمانوں پر چسپاں کر دیں۔ علامہ طاہر پر رحمت غافر کہ مجمع بحار الانوار میں قولِ ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نقل کر کے فرماتے ہیں قال المذنب تاب اللّٰہ علیہ وأشرُّ منھم مَن یجعل اٰیاتِ اللّٰہِ فی شرارِ الیھودِ علی علماء الامۃ المعصومۃ المرحومۃ طھّر اللّٰہ الارضَ عن رجسھم۔ یعنی ان خارجیوں سے بدتر وہ لوگ ہیں کہ اشرارِ یہود کے حق میں جو آیتیں اُتریں، اُنھیں اُمتِ محفوظہ مرحومہ کے علماء پر ڈھالتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ زمین کو ان کی خباثت سے پاک کرے۔ آمین

علامہ فہامہ خاتمۃ المحققین مولانا امین الدین محمد بن عابدین شامی قدس سرہ السامی رد المحتار حاشیہ در مختار کی جلد ثالث، کتاب الجہاد، باب البغاۃ میں زیر بیان خوارج فرماتے ہیں۔ "کما وقع فی زماننا فی اَتباع عبدِ الوھاب الذین خرجوا من نجدٍ و تغلبوا علی الحرمین وکانوا ینتحلون مذھب الحنابلۃ لکنّھم اعتقدوا انّھم ھم المسلمون وأنّ من خالف اعتقادھم ھم مشرکون واستباحوا بذلک قتلَ اھلِ السنّۃ و قتل علماءِ ھم الخ یعنی خارجی ایسے ہوتے ہیں جیسا ہمارے زمانے میں، پیروانِ عبد الوہاب سے واقع ہوا جنہوں نے نجد سے خروج کر کے حرمین طیبین پر تغلّب کیا۔ وہ اپنے آپ کو کہتے تو حنبلی تھے مگر اُن کا عقیدہ تھا کہ بس وہی مسلمان ہیں اور جو اُن کے مذہب پر نہیں وہ سب مشرک ہیں۔ اس وجہ سے انہوں نے اہلسنّت و علمائے اہلسنّت کا قتل مباح ٹھہرایا۔ یہانتک کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی شوکت توڑ دی۔ اُن کے شہر ویران کئے اور لشکر مسلمین کو اُن پر فتح بخشی ۱۲۳۳ھ میں۔ والحمد للہ رب العلمین۔

تقویت الایمان، مصنفہ مولوی اسماعیل دہلوی اسی ابن عبد الوہاب نجدی کی کتاب التوحید کا ترجمہ و خلاصہ بلکہ کہنا چاہیئے کہ چربہ ہے اور یہ کتاب، عوام و خواص دیوبند میں وہ مقام رکھتی ہے کہ باید و شاید۔ خود گنگوہی صاحب نے ٹھنڈے جی سے، اس کا مرتبہ گویا قرآن سے بڑھا دیا اور صاف لکھا کہ "تقویت الایمان نہایت عمدہ کتاب ہے۔

اس کا رکھنا پڑھنا عمل کرنا عین اسلام ہے"۔ مسلمانو! اس غلوّ شدید کو تو دیکھو کہ بزعمِ خود اس ناپاک کتاب کو قرآن عظیم سے بھی بڑھا دیا۔ کہ جو بات عین اسلام ہو، وہ نہ ہوئی تو اسلام نہ رہا۔ کفر ہو گیا۔ کہ عین کی نفی، ضد کا اثبات ہے۔ قرآن کریم کا ماننا عین اسلام ہے، جو نہ مانے وہ کافر ہے۔ مگر اُس کا نہ رکھنا، یا نہ پڑھنا، یا عمل نہ کرنا، کفر نہیں۔ لیکن تقویت الایمان میں یہ ساری باتیں کفر ہیں کہ جو اسے پاس نہ رکھے کافر۔ جو نہ پڑھے کافر، جو اس پر عمل نہ کرے کافر۔ کہ اُس نے عین اسلام چھوڑا۔

مسلمانو! غور کرو کہ جب تک تقویت الایمان تصنیف نہ ہوئی تھی۔ گنگوہی صاحب کے نزدیک صحابہ سے لے کر شاہ عبدالعزیز تک کسی کو اسلام نصیب نہ ہوا کہ عین اسلام سے سب محروم تھے۔

یوں نظر دوڑے نہ برچھی تان کر
اپنے بیگانے ذرا پہچان کر

ہر مسلمان اور یہ حضرات خود بھی جانتے ہیں کہ تمام بلادِ اسلامیہ میں امتِ مرحومہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے کروڑوں اربوں آدمی ان نئے مذہب سے مُنزّہ و بری ہیں۔ اس کے نام لیوا یہی معدودے ہندی و نجدی ہیں۔ الحاصل اس باب میں ہم شاہ صاحب پر کوئی بیجا حمایت کا الزام نہیں دیتے۔ شاہ صاحب نے جو کچھ فرمایا وہ اپنی جماعت کے لیے فرمایا اور یہ کب کے ان کی جماعت سے نکل چکے۔ فالی اللہ المشتکیٰ وعلیہ التکلان۔

پس ایسے مسائل جن میں ان صاحبوں میں زیادہ قیل قال ہے سات ہیں۔ پانچ عملی، دو علمی۔ ترتیب بیان میں اس کا لحاظ رکھا ہے کہ جن میں سب سے زیادہ گفت گو ہے، اُن کو مقدم رکھا جس میں اُس سے کم ہے اُس کے بعد علیٰ ہذا القیاس۔ اور اپنا مشرب، اور ایسے مسائل میں جو عملدرآمد مناسب ہے

نیز لکھ دیا۔ حق تعالیٰ سے امید ہے کہ یہ تحریر باعثِ رفع فساد باہمی ہو جاوے اور حضرات بھی اگر اس کو قبول فرما کر منتفع ہوں تو دُعا سے یاد فرمائیں۔ اور کوئی صاحب اس تحریر کے جواب کی فکر نہ کریں کہ مقصود میرا مناظرہ کرنا نہیں۔ واللہ ولی التوفیق۔

۶ پانچ عملی یعنی میلاد[1] شریف۔ فاتحہ[2] مروّجہ۔ عرس[3] و سماع۔ ندائے[4] غیر اللہ اور جماعت[5] ثانیہ۔ اور دو علمی۔ امکانِ[1] نظیر و امکانِ[2] کذب۔

اور اس "فیصلہ ہفت مسئلہ" پر یہ حواشی، حاشا و کلا اس تحریر کا جواب نہیں۔ کہ وہ تو ہمارے حق میں، ہمارے ہی لیے ہیں۔ پھر کہاں یہ فقیر بے توقیر، ہیچمداں و ہیچمیرز، اور کہاں شاہ صاحب کی شخصیت والا منقبت بلکہ مقصود اس وابستہ سلسلۂ سادات برکات کا، ان مضامین و عبارات کی توضیح و تشریح ہے جو حضرت شاہ صاحب نے ارقام فرمائے۔ ان مسائل میں اختلاف رکھنے والے اگر غور و انصاف سے پڑھیں گے تو امید واثق ہے کہ ان کا دل اُن کی غلط روی پر انہیں تنبیہہ کرے گا اور وہ حق کی طرف واپس آئیں گے وھو المراد۔ ورنہ عوام اہلسُنّت تو اپنے مذہبِ حق پر، گامزن رہیں گے اور کسی کے بہکانے میں نہ آئیں گے۔ ۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

پہلا مسئلہ ○ مولود شریف

اس میں تو کسی کو کلام ہی نہیں کہ نفسِ ذکرِ ولادتِ شریف حضرت فخرِ آدم، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم موجبِ خیرات وبرکاتِ دُنیوی و اُخروی ہے۔

اور کیوں کر کلام ہو؟ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نِعمَۃُ اللہ ہیں۔ قرآن کریم نے ان کا نام نعمۃ اللہ رکھا۔ اِنَّ الَّذِینَ بَدَّلُوا نِعمَۃَ اللہِ کُفرًا کی تفسیر میں حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں۔ "نعمۃ اللہ محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم۔ نعمت اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں" ولہذا ان کی تشریف آوری کا تذکرہ، امتثالِ امرِ الٰہی اور تعمیلِ ارشادِ خداوندی ہے۔ قال تعالیٰ واما بنعمۃِ رَبِّکَ فَحَدِّث۔ "اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو" حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سب نعمتوں سے اعلیٰ نعمت ہے۔ یہی تشریف آوری ہے جس کے طفیل دُنیا قبر حشر برزخ آخرت، غرض ہر وقت ہر جگہ، ہر آن، نعمت ظاہر و باطن سے ہمارا ایک ایک رونگٹا متمتع اور بہرہ مند ہے اور ہوگا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اپنے رب کے حکم سے، اپنے رب کی نعمتوں کا چرچا مجلس میلاد میں ہوتا ہے۔ مجلس میلاد آخر وہی شئے ہے جس کا حکم رب العزّت دے رہا ہے۔ واما بنعمۃِ رَبِّکَ فَحَدِّث۔ اور خود احادیث میں مذکور ہے۔ چنانچہ امام اجل فقیہ محدث ابو اللیث سمرقندی تنبیہ الغافلین میں فرماتے ہیں کہ "جب سورۃ اذا جاء نصر اللہ۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض وصال شریف میں نازل ہوئی، حضور فوراً برآمد ہوئے۔ پنجشنبہ کا دن تھا۔ منبر پہ جلوس فرمایا۔ بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ مدینے میں ندا کر دو۔ لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت

سننے چلو۔ یہ آواز سنتے ہی سب چھوٹے بڑے جمع ہوئے۔ گھروں کے دروازے ویسے ہی کھلے چھوڑ دیئے۔ یہاں تک کہ کنواریاں پردوں سے نکل آئیں۔ حدیہ کہ مسجد شریف حاضرین پر تنگ ہوئی۔ اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے رہے۔ اپنے پچھلوں کے لیے جگہ وسیع کرو۔ اپنے پچھلوں کے لیے جگہ وسیع کرو۔ پھر حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم منبر اطہر پر قیام فرما کر حمد و ثنائے الٰہی بجا لائے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر درود بھیجی۔ پھر ارشاد ہوا۔ میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم، عربی صاحب حرم محترم مکہ معظمہ ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں (مختصراً)

اللہ اللہ ایک وہ دن تھا کہ مدینہ طیبہ میں حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کی دھوم ہے۔ زمین و آسمان میں خیر مقدم کی صدائیں گونج رہی ہیں۔ خوشی وشادمانی ہے کہ دیوار و در سے ٹپکی پڑتی ہے۔ مدینے کے ایک ایک بچہ کا دمکتا چہرہ انار دانہ ہو رہا ہے۔ باچھیں کھلی پڑتی ہیں۔ دل ہیں کہ سینوں میں نہیں سماتے۔ سینوں پر جامے تنگ۔ جاموں میں قبائے گل رنگ۔ نور ہے کہ جھما جھم برس رہا ہے۔ فرش سے عرش تک نور کا بُقعہ بنا ہے۔ پردہ نشین کنواریاں، شوقِ دیدارِ محبوب کرد گار میں گاتی ہوئی باہر آئی ہیں کہ:

طَلَعَ البدرُ علَیْنَا   مِنْ ثَنِیَّاتِ الوداع
وَجبَ الشُّکر علَیْنا   مَا دعَا لِلّٰہِ داعٍ!

بنی النجار کی لڑکیاں، کوچے کوچے محو نغمہ سرائی ہیں کہ:

نحن جوارٍ من بنی النجار   یَا حبّذَا مُحمّدٌ مِن جارٍ

ایک دن آج ہے کہ اس محبوب کی رخصت ہے۔ مجلس آخری وصیت ہے۔ مجمع تو آج بھی وہی ہے۔ بچوں سے بوڑھوں تک۔ مردوں سے پردہ نشینوں تک سب کا ہجوم ہے۔ ندائے بلال سنتے ہی چھوٹے بڑے، سینوں سے دل کی طرح بیتابانہ نکلے ہیں۔ شہر بھر نے مکانوں کے دروازے کھلے چھوڑ دیئے ہیں۔ دل کملائے چہرے مرجھائے۔ دن کی روشنی دھیمی پڑ گئی ہے۔ کہ آفتاب جہاں تاب کی وداع نزدیک

ہے۔ آسمان پژمردہ۔ زمین افسردہ۔ جدھر دیکھو سناٹے کا عالم۔ اتنا اژدحام اور ہُو کا مقام۔ آخری نگاہیں اُس محبوب کے رُوئے حق نما تک، کس حسرت ویاس کے ساتھ جاتی، اور ضعفِ نومیدی سے ہلکان ہو کر، بیخودانہ قدموں پر گر جاتی ہیں۔ فرطِ ادب سے لب بند۔ مگر دل کے دھوئیں سے یہ صدا بلند، کہ

كُنْتَ السَّوادَ لناظِري فعمي عليك الناظر
مَن شَاءَ بَعدكَ فليمت فعليكَ كنتُ اُحاذِرا !

(تو میری آنکھ کی پُتلی تھا۔ اب تجھ پر آنکھ بند ہوئی، تو جو چاہے تیرے بعد مر جائے۔ میں تجھ ہی پہ ڈرتا تھا۔)

اللہ کا محبوب، امت کا راعی، کس پیار کی نظر سے، اپنی پالی ہوئی بکریوں کو دیکھتا، اور محبت بھرے دل سے انہیں حافظ حقیقی کے سپرد کر رہا ہے۔ شانِ رحمت کو اُن کی جُدائی کا غم بھی ہے۔ اور فوج فوج امنڈتے ہوئے آنے والوں کی خوشی بھی۔ کہ محنت ٹھکانے لگی۔ جس خدمت کو ملک العرش نے بھیجا تھا وہ باحسن الوجوہ، انجام کو پہنچی۔ حضرت نوح علیہ السلام کی ساڑھے نوسو برس، وہ سخت مشقت اور صرف پچاس شخصوں کو ہدایت۔ یہاں بائیس تیئیس ہی سال میں، بحمد اللہ یہ روز افزوں کثرت، کنیز و غلام، جوق در جوق آرہے ہیں۔ جگہ بار بار تنگ ہوتی جاتی ہے۔ دفعۃً ارشاد ہوتا ہے۔ آنے والوں کو جگہ دو۔ آنے والوں کو جگہ دو۔ اس دعوتِ عام پر جب یہ مجمع ہو لیا ہے۔ سلطانِ عالم نے منبر اکرم پر قیام کیا ہے۔ بعد حمد و صلوٰۃ اپنے نسب و نام و قوم و مقام فضائل عظام کا بیان ارشاد ہوا ہے۔

مسلمانو! خدارا۔ پھر مجلسِ میلاد اور کیا ہے۔ وہی دعوتِ عام۔ وہی مجمع تام۔ وہی منبر و قیام۔ وہی بیانِ فضائلِ سید الانام۔ علیہ وعلی آلہ افضل الصلوٰۃ والسلام مجلس میلاد اور کس شے کا نام۔ مگر نجدی صاحبوں کو ذکرِ محبوب مٹانے سے کام،

وربنا الرحمٰنُ المستعان وبہ الاعتصام وعلیہ التکلان۔

(افادات امام احمد رضا)

مجلسِ میلاد مبارک کی حقیقت، مجمع المسلمین کو، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری و فضائلِ جلیلہ و کمالاتِ جمیلہ کا ذکر سنانا ہے۔ بندیا رقعہ بانٹنا، یا طعام و شیرینی کی تقسیم اُس کا جزءِ حقیقت نہیں۔ کہ ان کے بغیر، محفل مبارک کا انعقاد ممکن و متصور ہی نہ ہو۔ ہاں ان میں کوئی چیز حرام بھی نہیں۔ نہ ان میں کچھ جرم۔ نہ دنیا و آخرت میں اس پر کوئی مواخذہ و گرفت۔ اوّل دعوت الی الخیر ہے یعنی ایک امرِ خیر کی دعوت یعنی اُس کا بلاوا۔ اور دعوت الی الخیر بے شک خیر، اور موجبِ خیر و برکت ہے۔ اللہ عزّوجلّ فرماتا ہے وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَى اللهِ۔ اُس سے زیادہ کس کی بات اچھی جو اللہ کی طرف بُلائے! اور دوم یعنی اطعام طعام یا تقسیم شیرینی برّ و صلہ و احسان و صدقۂ نافلہ ہے۔ اور یہ تمام امور نہ صرف یہ کہ شرعاً محمود و محبوب ہیں بلکہ مطلوب ہیں۔

میلاد شریف، ذکرِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ جو سلفِ صالحین سے اب تک ایک ہیئتِ مخصوصہ کے ساتھ باذنِ اللہ تعالیٰ رائج اور شعارِ اہلسنّت ہے۔ پھر حضور اکرم، عالم اعلم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و شرّف و مجّد و کرّم کا ذکر خدا کا ذکر ہے۔ شفا شریف میں ابن عطا سے ہے۔ جَعَلْتُكَ ذِكْرًا مِّنْ ذِكْرِيْ فَمَنْ ذَكَرَكَ ذَكَرَنِيْ۔ بلکہ تمام انبیاء اللہ و اولیاء اللہ کی یاد، عین خدا کی یاد ہے کہ ان کی یاد ہے تو اسی لیے کہ وہ اللہ کے نبی ہیں اور یہ اللہ کے ولی ہیں۔ معہذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد، ان مجالس و محافل میں یونہی ہوتی ہے کہ حضرت حق تبارک و تعالیٰ نے انہیں یہ مراتب بخشے۔ یہ کمال عطا فرمائے۔ اب چاہے اسے نعت سمجھ لو۔ یعنی ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہیں جنہیں حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے ایسے ایسے درجے دیئے۔ اُس وقت یہ کلام آیۂ کریمہ وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ط کی قبیل سے ہوگا اور بلاشبہ محمود رہے گا۔ چاہے حمد سمجھ لو۔ یعنی ہمارا مالک ایسا ہے جس نے اپنے محبوب کو یہ رتبے بخشے۔ اُس وقت یہ کلام آیۂ کریمہ سُبْحَانَ الَّذِيْ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ و آیہ کریمہ هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى

کے طور پر ہو جائے گا۔ اور بلا ریب محبوب رہے گا۔ بہر دو صورت یہ سُنّت الٰہی کی پیروی اور آیاتِ قرآنیہ کے احکام کی تعمیل ہوگی۔

الغرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر، ذکرِ الٰہی ہے۔ اور ذکرِ الٰہی سے زیادہ باعث خیر و برکت اور کیا چیز ہو سکتی ہے۔ اہل دل کا ایمان، ایمان کی جان، جان کی روحِ رواں، یہی مبارک ذکر سید الانس والجانّ ہے اور شرعاً محمود و محبوب و مطلوب۔ اور جب یک بات شرعاً محمود ہے تو جہاں اور جس وقت اور جس طرح وہ بات واقع ہوگی ہمیشہ محمود رہے گی تا وقتیکہ کسی صورتِ خاصہ کی ممانعت، خاص شرع سے نہ آ جائے مثلاً پاخانہ میں بیٹھ کر زبان سے ذکرِ خدا و ذکرِ مصطفےٰ کرنا ممنوع ہوگا۔ کہ اس خاص صورت کی بُرائی شرع سے ثابت ہے۔

اور چونکہ حضور صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ اقدس تمام نعمتوں کی اصل ہے تو اُس کے خوب بیان اور اظہار کا نصِّ قطعی قرآن سے ہمیں حکم ہوا۔ اور بیان و اظہار مجمعِ مسلمین میں بخوبی، اور زیادہ موجب خیرات و برکات ہوگا۔ تو تقاضائے محبت اور مصلحتِ شرعی یہ ہے کہ جس قدر ہو سکے لوگ جمع کئے جائیں اور انہیں ذکرِ ولادتِ باسعادت سنایا جائے۔ اسی کا نام مجلسِ میلاد ہے اور حدیث شریف سے ثابت ہے کہ جہاں مجلسِ ذکر شریف ہوتی ہے ملائکہ ایک دوسرے کو بلاتے ہیں کہ آؤ یہاں تمہارا مطلوب ہے۔ پھر وہاں سے آسمان تک چھا جاتے ہیں مسلمان دنیا کی مٹھائی بانٹتے ہیں اُدھر سے رحمت کی شیرینی تقسیم ہوتی ہے وہ بھی ایسی عام کہ نامستحق کو بھی حصہ دیتے ہیں۔ ھُمُ القَومُ لا یشقیٰ بھِم جلیسُھُم ان لوگوں کے پاس بیٹھنے والا بھی بد بخت و نامراد نہیں رہتا۔

اور یہ حدیث مبارک وہ حدیث مبارک ہے جسے مانعینِ ذکرِ ولادت شریف بھی اپنی محفلوں اپنی مجلسوں اور اپنی نشستوں میں، عوام المسلمین کو بلانے کے لیے پڑھتے اور سناتے ہیں۔ کہ اُن پر سکینہ نازل ہوتا ہے۔ اُن پر رحمت چھا جاتی

ہے۔ اور فرشتے انہیں اپنے گھیرے میں لے لیتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اُن کا ذکر اپنے ملائکہ مقربین میں فرماتا ہے۔"

مسلمانو! تمہیں اور کیا چاہیئے۔ فَاسْتَبِقُوا الخیرات - بڑھو اور اپنی خالی جھولیاں بھرو۔ ۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

صرف کلام بعض تعینیات و تخصیصات و تقییدات میں ہے۔ جن میں بڑا امر قیام ہے۔ [۵] بعض علماء ان امور کو منع کرتے ہیں لقولہٖ علیہ السلام کل بدعۃ ضلالۃ۔ [۵] اور اکثر علماء اجازت دیتے ہیں علی [۵] اطلاق دلائل فضیلۃ الذکر۔

۵ یہ فعل مبارک یعنی قیام، وقتِ ذکرِ ولادتِ حضور خیر الانام علیہ وعلی آلہٖ افضل الصلوٰۃ والسلام، صدہا سال سے ممالک اسلامیہ میں رائج و معمول اور اکابر ائمہ و علماء میں مقرر و مقبول ہے اور شرع میں خاص اس فعل سے ممانعت مفقود۔ اور جب تک شرع ممانعت نہ فرمائے کسی اور کا اس سے منع کرنا مردود ہے بخصوصاً جبکہ حرمین طیبین، مکہ معظمہ و مدینہ منورہ کہ مبدأ و مرجعِ دین و ایمان ہیں۔ وہاں کے اکابر علماء کرام اور چاروں مذاہب کے مفتیان ذوی الاحترام، مدتہا مدت سے اس فعل کے فاعل و عامل اور قائل و قابل رہے ہیں اور ائمۂ معتمدین نے اسے حرام و ناجائز و بدعتِ قبیحہ کیسا؟ بلاشبہ مستحب و مستحسن ٹھہرایا۔ اور جب اس مجلس و قیام کو عرب و عجم، مصر و شام، روم و اندلس اور دوسرے دیار و ممالکِ اسلام کے علماءِ معتمدین نے سلف سے آج تک مستحسن جانا، تو اس کے جواز و استحباب پر اجماع ہو گیا۔ اور جو امر اجماعِ امت سے ثابت ہو وہ حق ہے۔ گمراہی نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری اُمت گمراہی پر اتفاق نہیں کرتی۔ نیز ارشاد فرمایا اور حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں آیا کہ

مَارَاٰہُ الْمُسْلِمُوْنَ حَسَنًا فَھُوَ عِنْدَ اللّٰہِ حَسَنٌ

"جس چیز کو مسلمان نیک اعتقاد کریں وہ خدا کے نزدیک نیک ہے"

اسی لیے علمائے کرام نے محفل میلاد شریف میں قیام کے اثبات کے بعد ارشاد فرمایا کہ ان امور کا انکار وہی کرے گا جو بدعتی ہو گا۔ اس کی بات سننا نہ چاہیئے۔ بلکہ حاکم اسلام پر واجب ہے کہ اُسے سزا دے۔"

اگر تھوڑی دیر ہم ان تصریحات جلیلہ سے جو علمائے اعلام کثّرھم اللہ تعالیٰ نے اپنی اپنی کتابوں اور فتاویٰ میں تحریر فرمائیں اور جسے علمائے مابعد نے مقبول و معتبر جانا مانا، صرفِ نظر کر لیں۔ اور سمجھ لیں کہ یہ فعلِ قیام، ازمنہ ماضیہ، ادوار گذشتہ میں رائج و معمول نہ تھا۔ اب رائج ہوا، تو بھی اس کے ممنوع و ناجائز ہونے پر دلیلِ شرعی پیش کرنا، معترضین و مانعین کے ذمہ لازم و ضروری ہے۔ مسلمانانِ اہلسنّت وجماعت تو خوب جانتے ہیں کہ ہر فعل مباح، جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب و تعظیم، اجلال و تکریم کا مُشعِر ہو۔ اور اس کے مراد و مقصود، تعظیم و تکریم ہو، حضور اقدس سید اکرم، عالم اعلم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ ضرور مستحسن ہے۔ مستحب ہے۔ موجبِ خیر و برکات اور ثواب اُخروی کا باعث ہے۔ ہاں ہمارا عقیدہ ہے اور یہ عقیدہ احکام قرآن و حدیث پر مبنی ہے کہ نبیٔ اکرم و اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم، اُن تمام طُرق و انواعِ تعظیم کے ساتھ، جن میں خُدا سے، خدائی میں شرکت نہ پائی جائے۔ شرعاً محمود و محبوب اور مستحسن و مطلوب ہے۔ مگر یہ مرتبہ اہل بصارت و بصیرت کا ہے۔ اور جو دیدہ بینا و گوش شنوا سے محروم ہیں وہ اس جلالت شانِ روحِ ایمان و جانِ ایمان کو کیا جانیں۔

الحاصل صدہا سال سے جمہور علماء کرام و فقہاءِ اعلام اور محدثین و ائمہ معتمدین رحمہم اللہ تعالیٰ نے ذکر ولادتِ نبی اکرم و اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت قیام فرمایا، اسے مقبول رکھا۔ اسے مستحسن جانا اور اُسے باعث خیر و برکات ٹھہرایا اور سال ہا سال سے دنیائے اسلام میں، بلاد عرب و عجم میں، خواص و عوام کا یہی

معمول چلا آرہا ہے۔ اور بنابریں اسے شعارِ اہلسنّت وجماعت سمجھا اور مانا جاتا ہے جس نے اہلسنت وجماعت کو، دوسرے گمراہ فرقوں سے ممتاز کیا اور کوئی مخالف اس پر کوئی ممانعتِ شرعی کی کوئی سند پیش نہ کر سکا، تو ہمارے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ ہم وہ کام کرتے ہیں جسے خیارِ اہل اسلام نے حسَن جانا اور مستحسن مانا۔ اور کوئی ممانعتِ شرعی چونکہ اس پر وارد نہیں۔ اس لیے وہ اللہ عزوجل کے نزدیک بھی حسَن ہے۔ جیساکہ مسندابی داؤد طیالسی اور مقاصد حسنہ اور شیخ الاسلام علامہ سیدی احمد زینی دحلان رحمہ اللہ تعالیٰ نے سیرۃ النبویہ میں فرمایا۔ وکفی بہا قُدوۃً کہ جرات العادۃ اَنَّ النَّاسَ اذا سَمِعُوا ذکرَ وَضعِہٖ صلی اللہ علیہ وسلّم یَقومُون تعظیماً لہ صلی اللہ علیہ وسلم و قَد فعلَ ذلکَ کثِیرٌ من علماءِ الامۃِ الذِینَ یُقتَدیٰ بِھم۔ یعنی عادت جاری ہوگئی ہے کہ لوگ جب ذکرِ ولادت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنتے ہیں تو حضور اکرم واعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور یہ قیام بہت بہتر و مستحسن ہے۔ اور کیوں نہ ہو اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ہے۔ اور بے شک اُمّت کے عظیم رہنماؤں نے جن کی پیروی کی جاتی ہے۔ خود بھی ایسا کیا ہے۔" مگر وادیٔ بدعت وضلالت میں گم گشتہ راہوں کی نظروں میں نہ اُن عظیم رہنماؤں کی کوئی قدر و منزلت ہے۔ نہ اُن کے دلوں میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و محبت۔۱۲۰

۵۹ یعنی ذکرِ ولادتِ نبیٔ مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وسلم کے وقت، قیام کے جائز ہونے کی ایک دلیل، دُوسرے اور دلائل کے علاوہ یہ بھی ہے کہ یہ ایک ہیئتِ مخصوصہ کے ساتھ ذکرِ خدا ہے۔ اور ذکر کی فضیلت پر، کسی تعین وقید کے بغیر، دلائل قائم ہیں۔ اور ذکرِ الٰہی کی خوبی شرعِ مطہر سے مطلقاً ثابت ہے۔ اور ہم ابھی ناظرین کو بتا چکے کہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد بعینہٖ خدا کی یاد ہے۔ پس بحکمِ اطلاق جس جس طریقہ سے ان کی یاد کی جائے گی۔ حسَن ومحمود ہی رہے گی۔ اور مجلسِ میلاد وصلوٰۃ

قبل اذان وبعد اذان، اور فراغ نماز کے بعد آیۂ کریمہ کی قرأت، سورۂ فاتحہ کی تلاوت وغیرہا معمولاتِ مسلمین میں کسی خاص طریقے کے لیے ثبوتِ مطلق کے سوا، کسی نئے ثبوت کسی نئی سند، کسی نئی دلیل، کی ہرگز حاجت نہ ہوگی۔

اور اب سنئے ذکرِ الٰہی کی خوبی شرعِ مطہر سے کیونکہ مطلقاً ثابت ہے۔ قال اللہ تعالیٰ اذکروا اللّٰہ ذکراً کثیراً۔ (خدا کو یاد کرو بہت یاد کرنا) ۔آیتِ کریمہ صاف بتارہی ہے کہ یہ یادِ الٰہی کسی خاص وقت، کسی خاص ہیئت اور کسی خاص مقام کے ساتھ محدود ومقید اور مخصوص نہیں۔ لکھتے پڑھتے۔ بولتے چلتے، سوتے جاگتے، کھڑے بیٹھے، رضائے الٰہی کے حصول کے لیے، یادِ الٰہی میں مصروف ومشغول رہنا، اور زندگی کے ہر معاملہ میں کسی نہ کسی طرح خدا کا نام زبان پر آتے رہنا، یہ سب ذکرِ الٰہی ہی کی صورتیں ہیں اور یہ چیز درحقیقت اسلامی زندگی کی جان ہے عبادتوں طاعتوں اور تمام دینی کاموں میں جان اسی ذکر سے پڑتی ہے۔ حیرت ہے کہ نجدیہ رسولِ خدا کے ذکر کو، ذکرِ الٰہی سے علیحدہ کرنے میں رات دن مصروف رہتے ہیں اور یہی اُن کا دین ومذہب ہے۔ ۱۲

؁ میلاد شریف اور بوقتِ ذکرِ ولادت حضور انور واطہر صلی اللہ علیہ وسلم قیام پر ردو انکار کرنے والوں کے اصاغر واکابر، چھوٹے بڑے بیک زبان، قریب قریب یہی دلیل لاتے اور اسے اپنے نزدیک سندِ ممانعت ٹھہراتے ہیں کہ یہ فعل قرونِ ثلٰثہ، یعنی صحابہ وتابعین وتبع تابعین کے زمانہ میں نہ تھا تو بدعتِ ضلالت ٹھہرا کہ اس میں اگر کوئی خوبی ہوتی تو وہی کرتے"۔ اس فعل اور اس کے سوا، ایسے ہی دوسرے امورِ نزاعیہ میں، ان منکرین ومانعین کی غایت سعی انتہائی رسائی، اسی قدر، اسی حد تک ہے۔ جس کی بنا پر اہلسنّت وجماعت سوادِ اعظم ملت اور ہزاروں ائمہ شریعت و اجلہ طریقت کو معاذ اللہ بدعتی گمراہ ٹھہراتے ہیں اور مطلقاً خوفِ خدا وترسِ روز جزا، دل میں نہیں ۔ تے ان کی اس کجروی کا جواب خود شاہ صاحب کے کلام میں موجود ہے اور ان کے متوسلین کو خصوصاً اتنا ہی کافی ہے کہ وہ کلام ان کے شیخ کا ہے کہ یہ

ان کے ہم مذہب ہم مسلک اور ہم مشرب ہیں۔ اب بھی اپنے شیخ کی نہ ماننا اور اپنے ہی گن گائے جانا، دنیا و آخرت دونوں میں تباہی و بربادی لانا اور دارین میں ذلیل و رسوا بنانا ہے۔

چند بنیادی امور

ہم اس مقام کی توضیح و تشریح میں چند امور بیان کرتے ہیں تاکہ مسلمان مستفید ہوں۔

۱۔ حضرات مانعین کا تمام طائفہ اس مرض میں گرفتار ہے کہ قرن و زمانہ حاکمِ شرعی ہے۔ یعنی جو نئی بات قرآن و حدیث میں بایں ہیئت کذائی (اس صورت و ہیئت میں) مذکور نہیں، صراحۃً کہیں اُس کا ذکر نہیں، جب فلاں زمانہ میں ہو تو کچھ بری نہیں اور فلاں زمانہ میں ہو تو ضلالت و گمراہی۔ حالانکہ شرعاً و عقلاً، کسی طرح زمانہ کو احکامِ شریعت، یا کسی فعل کے حسن و قبح، اُس کے اچھا یا بُرا ہونے پر قابو نہیں۔ نیک بات کسی وقت میں ہو نیک ہے اور بُرا کام کسی زمانے میں ہو بُرا ہے۔ آخر مصر کے بلوائیوں کا حضرت امیر المومنین سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کرنا، میدانِ کرب و بلا میں، فرات کے کنارے نواسۂ رسول کا محبوکا پیاسا، ناخدا ترسوں کے نیزوں سے شہادت پانا۔ یزید پلید وغیرہ کے دورِ اقتدار میں مدینہ طیبہ و مکہ معظمہ میں لرزہ دینے والے واقعات کا رونما ہونا، خارجیوں کی بدعتوں، رافضیوں کی شناعتوں، ناصبیوں کی خباثتوں اور معتزلہ کی خرافتوں کا ظہور میں آنا۔ اسی طرح اور دوسرے امورِ شنیعہ کے زمانہ صحابہؓ و تابعین میں حادث ہوئے۔ معاذ اللہ اس وجہ سے نیک و حَسَن نہیں ٹھہر سکتے کہ وہ قرونِ ثلٰثہ میں حادث ہوئے۔ اور ہزارہا امورِ حَسَنہ کہ ان کے بعد شائع ہوئے وہ اس وجہ سے قبیح و بد، نہیں کہے جا سکتے کہ قرونِ ثلٰثہ میں ان کا وجود نہ تھا۔ مثلاً خطبہ میں چاروں خلفائے کرام اور دونوں عم کریم کا ذکر فرمانا اور اذان کے بعد سیّد عالم

صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام عرض کرنا۔ وغیرہا۔ تو اس کا مدار نفسِ فعل کے حُسن وقبح پر ہے۔ جس کام کی خوبی صراحۃً یا اشارۃً قرآن وحدیث سے ثابت وہ بے شک حَسَن ہوگا۔ چاہے کہیں اور کسی دور میں واقع ہو۔ اور جس کام کی بُرائی تصریحاً یا تلویحاً شرع میں وارد، وہ بے شک قبیح ٹھہرے گا۔ خواہ کسی وقت کسی زمانہ میں حادث ہو۔ جمہور محققین ائمہ وعلمانے اس قاعدہ کی تصریح فرمائی۔ اگرچہ منکرین براہِ سینہ زوری اسے نہ مانیں۔

حکیم الامت حجۃ الحق والاسلام محمد غزالی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کیمیائے سعادت میں یہ ارشاد ہی منصف کے لیے کافی کہ ارشاد فرماتے ہیں "ایں ہمہ اگرچہ بدعت است و از صحابہ وتابعین نقل نہ کردہ اند، لیکن نہ ہرچہ بدعت بود نہ شاید، کہ بسیاری بدعت نیکو باشد۔ پس بدعتیکہ مذموم ست آنکہ مخالفِ سنت باشد"۔ الحاصل صحابہ سے منقول نہ ہونا باعثِ ممانعت نہیں۔ بری تو وہ بدعت ہے جو کسی سنت ماموربہا کا رد کرے۔

اب مجلس میلاد وقیام بوقتِ ولادت وغیرہما وہ امور جن میں تنازع ہے، اُن کی نسبت یہ کہنا کہ زمانۂ صحابہ وتابعین میں نہ تھے لہٰذا ممنوع ہیں۔ باطل ہوگیا۔ ہاں اُس وقت ممنوع ہوسکتے ہیں۔ جب وہ کافی ثبوت دیں کہ خاص ان افعال میں شرعاً کوئی خرابی، کوئی بُرائی ہے۔ ورنہ اگر کسی مستحسنِ شرعی کے نیچے داخل ہیں تو محمود ہیں۔ اور کسی منکرِ شرعی کے تحت آتے ہیں تو مذموم وممنوع ہیں۔ اور بالفرض کسی کے نیچے داخل نہ ہوئے، کہ ہم نہ انہیں محمود کہہ سکتے ہیں اور نہ مذموم ٹھہرا سکتے ہیں تو مباح ہوکر محمود ٹھہریں گے کہ جو مباح بہ نیت نیک کیا جائے وہ شرعاً محمود ہوجاتا ہے۔ کما فی البحرالرائق۔ وغیرہ

غرض ایسے افعال کی سند زمانۂ صحابہ وتابعین وتبع تابعین سے مانگنا نادانی وجہالت ہے۔ یا وہی وہابیت کی لَت۔ جس نے امتِ مرحومہ کو انتشار وافتراق کے فتنوں میں ڈال دیا ہے اور محبّت ویگانگت، دلداری ویک رنگی کو خاک میں

ملا دیا ہے۔

۲۔ بہت سی نئی باتیں کہ زمانۂ پاک حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں نہ تھیں۔ صحابہ کرام کے زمانہ میں پیدا ہوئیں وہ انہیں بُرا کہتے اور نہایت شدت سے انکار فرماتے۔ اور بہت تازہ باتیں حادث ہوتیں کہ وہ ان کو بدعت و محدث (نوپید) مانتے ہُوئے خود کرتے اور لوگوں کو اجازت دیتے اور خیر و حُسن بتاتے امیر المومنین فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تراویح کی نسبت ارشاد فرماتے ہیں نعمت البدعۃ ھٰذِہٖ۔ کیا اچھی بدعت ہے یہ۔

اور یہی طریقہ بعینہ زمانۂ تابعین و تبع تابعین میں رائج رہا ہے کہ اپنے زمانے کی بعض نوپیدا چیزوں کو جائز رکھتے۔ بعض کو رد فرماتے۔ اور اس اجازت و منع کے لیے آخر کوئی معیار تھی۔ اور وہ نہ تھی مگر نفسِ فعل کی بھلائی بُرائی۔ تو باتفاق صحابہ و تابعین و تبع تابعین، قاعدۂ شرعیہ وہی قرار پایا کہ حَسَن حَسَن ہے اگرچہ نیا ہو۔ اور قبیح قبیح ہے گو کہ پرانا ہو۔ پھر اُن کے بعد یہ اصل کیوں کر بدل سکتی ہے۔ ہماری شرع بحمد اللہ ابدی ہے۔ جو قاعدے اُس کے پہلے تھے قیامت تک رہیں گے۔ معاذ اللہ یہ زید و عمر کا قانون تو ہے نہیں کہ تیسرے سال بدل جائے۔ اور تغییر و تبدیل کے نام پر اُسے مسخ کر دیا جائے۔

۳۔ اور اگر مان لیا جائے کہ جو کچھ قرونِ ثلٰثہ میں نہ تھا سب منع ہے تو ذرا حضرات مانعین اپنی خبر لیں۔ یہ مدرسے جاری کرنا۔ لوگوں سے ماہوار چندہ لینا۔ طلبہ کے لیے کتب خانوں سے کمیشن لے کر کتابیں منگانا۔ بہ تخصیص روزِ جمعہ، بعد نماز جمعہ وعظ کا التزام کرنا۔ جُہّال کا بپردۂ تبلیغ میں وعظ کہنے جانا۔ نذرانے لینا۔ دعوتیں اڑانا مناظروں کے لیے جلسے اور پنچ مقرر کرنا۔ مخالفین کے رد میں کتابیں لکھوانا۔ چھپوانا واعظوں کا شہر بہ شہر گشت لگانا، تبلیغ اسلام کے نام پر اپنے مقتداؤں اپنے بڑوں کی بڑائیاں کرنا، اصلاحِ معاشرہ کی آڑ میں، اپنے عقائد باطلہ کو رواج دینا۔ جاہلوں کا تبلیغ کے نام پر مذہبِ اہلسنّت و جماعت پر قائم، ناواقفوں، جاہلوں کو،

وہابیت ونجدیت کی جانب کھینچنا اور انھیں اس کی گود میں ڈال کر، سال بہ سال اعلان کرنا کہ ہم نے اتنوں کو کلمہ پڑھایا مسلمان بنایا۔ اور ان کے سوا ہزاروں باتیں کہ ان میں بلا نکیر رائج ہیں۔ قرونِ ثلثہ میں کب تھیں کہ تمہارے لیے جائز ہوگئیں یا اے حضرات مانعین آپ کے لیے پروانۂ معافی آگیا ہے۔ کہ جو چاہو کرو۔ تم پر کچھ مواخذہ نہیں۔ یا یہ نکتہ چینیاں انھیں باتوں میں ہیں جنھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و محبت سے علاقہ ہو۔ باقی سب حلال و شیر مادر۔ ولاحول ولاقوۃ الّا باللہ۔

(۱۲۔ محمد خلیل عفی عنہ)

اب بھی قبولِ خاطر نہ ہو تو مسئلہ پر اس انداز سے غور فرمائیں کہ علمائے اعلام نے کتب ظاہر الروایۃ و نوادر تصنیف فرمائیں۔ پھر کتب نوازل و واقعات تصنیف فرمائی گئیں۔ جن کا موضوع ہی حوادثِ جدیدہ و ایجاداتِ موجودہ کے احکام بیان فرمانا تھا۔ پھر ان کی وساطت سے متون کتب وجود میں آئے۔ پھر ان کی شرحیں لکھی گئیں پھر ان شروح کی شروح تحریر میں آئیں۔ پھر ان پر حاشئے چڑھائے گئے۔ پھر علمائے کرام کے فتاویٰ مبارکہ ترتیب میں آئے۔ اور وقتاً فوقتاً تصنیفات ہوتی رہیں۔ اور ہر آئندہ طبقہ نے، گزشتہ پر اضافے کیے اور امت میں مقبول ہوتے رہے۔

نصاب الاحتساب و فتاویٰ عالمگیری زمانۂ سلطانِ عالمگیر انار اللہ تعالیٰ برھانہٗ کی تصنیف ہیں۔ ان میں بہت ایسے جزئیات کی تصریح ملے گی۔ کہ وہ کتب سابقہ میں نہیں کہ وہ جب تک واقع ہی نہ ہوئے تھے۔ اب اگر کوئی شخص ان کی نسبت کہے کہ صحابہ و تابعین سے اُس کی تصریح دکھاؤ۔ یا خاص امام اعظم و صاحبین کا نص لاؤ۔ تو وہ احمق مفتون ہے یا گمراہ مجنون۔ پھر عالمگیری کے بھی بہت بعد، اب قریب زمانہ کی کتابیں، فتاویٰ، ترجمے اور رسائل ہیں کہ تمام حنفی دنیا میں ان پر اعتماد ہو رہا ہے۔ مانعین بھی ان سے سند لاتے ہیں۔ ان میں صدہا وہ بیان ملیں گے جو پہلے نہ تھے۔ فتاویٰ شاہ عبد العزیز بلکہ مائۃ مسائل و اربعین پر مانعین کے یہاں بھی اعتماد رہا ہے۔ کیا ان کے سب مسائل کی تصریح، صحابہ و تابعین و ائمہ تو بہت

بالاہیں، عالمگیری وردالمحتار تک کہیں دکھا سکتے، بتا سکتے ہیں۔
اب ان کے بھی بعد ریل، تار برقی، نوٹ، منی آرڈر، فوٹوگراف، ریڈیو، ٹیلیویژن وغیرہ وغیرہ ایجاد ہوئے اور بلانکیر، مانعین ان سے مستفید ہوتے ہیں۔ اب اگر کوئی شخص کہے کہ صحابہ وتابعین یا امام ابوحنیفہ یا نہ سہی ہدایہ ودرمختار، یا یہ بھی نہ سہی عالمگیری وطحطاوی وردالمحتار، یا سب جانے دو، شاہ عبدالعزیز ہی کے فتاوی میں دکھاؤ، تو اسے مجنون اور مخبوط الحواس مفتون سے بہتر، اور کیا لفظ کہا جاسکتا ہے۔ ہاں اس ہٹ دھرمی کی بات جدا ہے کہ اپنے آپ تو تیرہویں صدی کی اربعین تک معتمد جانیں۔ اور دوسروں سے ہر جزئیہ پر خاص صحابہ وتابعین کی سند مانگیں۔ یہ قصر ملت میں رخنہ اندازی اور دین ومذہب کے نام پر فتنہ انگیزی وتفرقہ اندازی اور فرقہ بندی نہیں تو اور کیا ہے؟

> اور انصاف یہ[1] ہے کہ بدعت اُس کو کہتے ہیں کہ غیر دین کو، دین میں داخل کر لیا جائے کما یظہر من التامّل فی قولہ علیہ السلام مَنْ اَحْدَثَ فِی اَمْرِنَا ھٰذا مالَیْسَ منہ فھو ردّ الحدیث۔

[1] بے شک یہی انصاف ہے اور یہی خلاصہ وعطر ہے علماء محققین کی تحقیق کا کہ ہر بدعت، بدعتِ سیئہ نہیں۔ ہر نو پید بات بُری نہیں۔ البتہ دین کے برخلاف دین میں نئی بُری بات، نکالنا بدعتِ سیئہ کہلاتا ہے۔ اور وہ ممنوع وناجائز ہے۔ احادیثِ کریمہ کے مطالعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بدعتِ سیئہ وہ ہے جو خلاف سُنت ہو۔ اور اس کے رواج دینے نکالنے سے کوئی سُنت اُٹھ جائے۔ امام عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی حدیقہ ندیہ میں فرماتے ہیں کہ "نیک بات اگرچہ بدعت ولو پید ہو، اس کا کرنے والا سُنی ہی کہلائے گا نہ کہ بدعتی۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نیک بات پیدا کرنے والے کو سُنت نکالنے والا فرمایا تو ہر اچھی بات کو، اگرچہ نو پید ہو اور ہر اچھی بدعت کو سُنت

میں داخل فرمایا۔ اور اسی ارشادِ اقدس میں قیامت تک نئی نئی باتیں پیدا کرنے کی اجازت فرمائی اور یہ کہ جو ایسی نئی بات نکالے گا ثواب پائے گا۔ اور قیامت تک جتنے اس پر عمل کریں گے سب کا ثواب اُسے ملے گا۔ تو ہر اچھی بدعت سُنّت ہی ہے" امام نووی نے فرمایا کہ جتنے اُس پر عمل کریں گے سب کا ثواب اُسے ملے گا۔ خواہ اُسی نے وہ بات ایجاد کی ہو یا اس کی طرف منسوب ہو اور چاہے وہ عبادت ہو یا کوئی ادب کی بات یا کچھ اور" (ترجمہ ملتقطاً)

ہر نو پید بات کو بدعتِ سیّئہ میں داخل مان کر اُسے گمراہی و ضلالت میں شامل کر دینا، عامۃ المسلمین پر ظلم عظیم ہے۔ کسی چیز کو بدعتِ سیّئہ اور ضلالت کہنے کے لیے دو باتوں میں سے ایک کا ثبوت، قائل کے ذمہ لازم ہے۔ یا ۱ تو یہ کہ فی نفسہٖ اس کام میں شر ہے۔ یا ۲ یہ کہ شرع مطہر نے اسے منع فرمایا ہے۔ اور جب نہ شرع سے منع۔ نہ کام میں شر، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ قرآن عظیم کے ارشاد سے جائز۔ دار قطنی نے ابو ثعلبہ خُشنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اِنَّ اللّٰہَ فَرَضَ فَرَائِضَ فَلَا تُضَیِّعُوْھَا وَحَرَّمَ حُرُمَاتٍ فَلَا تَنْتَھِکُوْھَا وَحَدَّ حُدُوْدًا فَلَا تَعْتَدُوْھَا وَسَکَتَ عَنْ اَشْیَاءَ مِنْ غَیْرِ نِسْیَانٍ فَلَا تَبْحَثُوْا عَنْھَا۔ بے شک اللہ عزّوجلّ نے کچھ باتیں فرض کی ہیں انہیں نہ چھوڑو۔ اور کچھ حرام فرمائیں اُن پر جرأت نہ کرو۔ اور کچھ حدیں باندھیں ان سے نہ بڑھو۔ اور کچھ چیزوں کا کوئی حکم قصداً ذکر نہ فرمایا۔ ان کی تفتیش نہ کرو (اُس سے بحث میں نہ پڑو) ممکن کہ تمہاری تفتیش سے حرام فرمادی جائیں"۔

اور ترمذی و ابن ماجہ سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ "جو کچھ اللہ عزّوجلّ نے اپنی کتاب میں حلال فرمادیا وہ حلال ہے۔ اور جو کچھ حرام فرمادیا، وہ حرام ہے اور جس کا کچھ ذکر نہ فرمایا وہ معاف ہے۔

اور اللہ عزّوجلّ فرماتا ہے مَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا۔ جو کچھ رسول تمہیں عطا فرمائیں وہ لو۔ اور جس سے منع فرمائیں اس سے

بازرہو۔"

"تو"۔ صیغہ امر کا ہے اور امر وجوب کے لیے ہے۔ تو پہلی قسم واجباتِ شرعیہ ہوئی۔ اور "بازرہو" نہی ہے۔ اور نہی، منع فرمانا ہے۔ یہ دوسری قسم ممنوعاتِ شرعیہ ہُوئی۔

تو معلوم ہُوا کہ جس کا نہ حکم دیا گیا، نہ منع کیا۔ کیا وہ نہ واجب ہے نہ گناہ۔ اور اب کہ قرآن کریم اُتر چُکا، دین کامل ہو لیا اور اب کوئی حکم نیا آنے کو نہ رہا۔ تو جتنی باتوں کا شریعت نے نہ حکم دیا، نہ منع کیا، اُن کی معافی مقرر ہو چکی۔ جس میں اب تبدیلی نہ ہوگی۔ نجدی وہابی کہ اللہ کی معافی پہ اعتراض کرتا ہے مردود ہے وللہ الحمد۔

یہاں تک جواز کا بیان تھا۔ رہا استحباب، تو وہ فعل جبکہ فی نفسہٖ خود ہی نیک ہے یا مسلمان نے اُسے نیّت حَسَن محمود سے کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے داخل سنت ہے۔ اگرچہ اس سے پہلے کسی نے نہ کیا۔ جیساکہ ابھی گزرا۔

ردالمحتار میں، الاحقُّ بالامامۃ کے تحت ارشاد فرمایا کہ بدعت پانچ قسم پر ہے۔ واجبؔ۔ جیسے گمراہ فرقوں کی گمراہی پر دلائل قائم کرنا۔ کتابت وسُنّت سمجھنے کے لیے علم نحو وغیرہ کا پڑھنا۔ مندوبؔ جیسے سرائیں اور مدرسہ بنانا اور رفاہِ عامہ کے لیے دوسرے کام کرنا۔ مکروہؔ جیسے محض ناموری کے لیے مسجدوں کو آراستہ وپیراستہ کرنا۔ مباحؔ جیسے لذیذ غذائیں مفرح مشروبات کھانا پینا، شکرِ نعمت کے لیے عمدہ لباس استعمال کرنا اور حرامؔ جیسے نئی راہ، عام مسلمانوں کے خلاف نکالنا۔ وَمن یتبع غیر سبیل المؤمنین نولّہٖ جہنم ط۔ ۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

پس ان تخصیصات کو، اگر کوئی شخص عبادتِ مخصوصہ نہیں سمجھتا بلکہ فی نفسہٖ مباح جانتا ہے مگر ان کے اسباب کو عبادت جانتا ہے اور ہیئت مُستَّب کو مصلحت سمجھتا ہے تو بدعت نہیں۔ مثلاً قیام کو لذاتہا عبادت نہیں اعتقاد کرتا مگر تعظیم ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کو عبادت[۱۲] جانتا ہے اور کسی مصلحت سے اس کی ہیئت معین کر لی۔ اور مثلاً تعظیم ذکر کو ہر وقت مستحسن سمجھتا ہے مگر کسی مصلحت سے خاص کر، ذکرِ ولادت[۱۳] کا وقت مقرر کر لیا۔ اور مثلاً ذکرِ ولادت کو ہر وقت مستحسن سمجھتا ہے۔ مگر بمصلحتِ سہولتِ دوام یا اور کسی مصلحت سے ۱۲ ربیع الاول[۱۴] مقرر کر لی۔

[۱۲] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر مسلمان کا ایمان ہے۔ اور اس کی خوبی قرآن عظیم سے مطلقاً ثابت قال تعالیٰ انا ارسلنٰک شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيْرًا لِتُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ط "اے نبی بے شک ہم نے تمہیں بھیجا گواہ اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا۔ تاکہ اے لوگو تم اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو اور صبح شام اللہ کی پاکی بولو۔" مولیٰ تبارک و تعالیٰ دین اسلام بھیجنے، قرآن مجید اتارنے کا مقصود یہی تین باتیں بتاتا ہے۔ اوّل[۱] یہ کہ لوگ اللہ و رسول پر ایمان لائیں۔ دوم[۲] یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کریں۔ سوم[۳] یہ کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں رہیں۔

مسلمانو! ان تین جلیل باتوں کی جمیل ترتیب دیکھو۔ سب میں پہلے ایمان کو فرمایا۔ اور سب میں پیچھے اپنی عبادت کو۔ اور بیچ میں اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کو۔ تو سب میں پہلے مقدم ایمان ہے کہ بغیر ایمان، تعظیم رسول مقبول نہیں۔ اور ایمان کے بعد تعظیم رسول ہے تو جب تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی تعظیم نہ ہو، عمر بھر آدمی عبادت الٰہی میں گزار دے سب بیکار و مردود ہے۔

نیز قرآن کریم نے ارشاد فرمایا وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ط۔ "جو خدا کے شعاروں کی تعظیم کرے تو وہ بے شک دلوں کی پرہیزگاری سے ہے۔" کیسا صاف ارشاد ہے کہ غیر اللہ کی تعظیم بُری نہیں بلکہ جو چیزیں اللہ کی

جانب منسوب منتسب ہیں ان کی تعظیم وتکریم تو عین جزءِ دین ہے ۔ فقہائے فرمایا کہ تعظیم غیر اللہ مستقلاً ممنوع وناجائز ہے ۔ لیکن ذاتِ الوہیت سے تقرب و نسبت کے لحاظ سے شعائرِ دین کی (جن کے اندر انبیاء و اولیاء کے آثار بھی شامل ہیں) تعظیم حدودِ شرعی کے اندر نہ صرف یہ کہ خود جائز ومشروع ہے بلکہ شرعاً محمود و محبوب و مطلوب بھی ہے ۔

یونہی ارشاد فرمایا وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ط "جو تعظیم کرے خدا کی حرمتوں کی ، تو یہ بہتر ہے اُس کے لیے اُس کے رب کے یہاں"۔ حُرمتِ اللہ سے مراد ہیں ۔ اللہ تعالیٰ کے تمام احکام عموماً اور مناسکِ حج خصوصاً۔ لیکن یہاں چونکہ ایک عام کلیہ بیان ہو رہا ہے اس لیے حُرُمٰتِ اللہ میں وہ تمام چیزیں داخل ہیں جو محبت و قربت سے اللہ تعالیٰ کی جانب منسوب ہیں ۔ مثلاً احکامِ الٰہی ، کتبِ دین ، مقاماتِ مقدسہ ۔ اوقاتِ متبرکہ ، بندگانِ مقرب ، ملائکہ ، انبیاء و صالحین اور آثار کاملین وغیرہا ۔ اور قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ صاف بیان فرما رہی ہے کہ حُرُمٰتِ اللہ کا ادب و احترام ، باعث ہے تقویٰ قلوب کا ۔ اور یہ حقیقت بجائے خود روشن ہے کہ تقویٰ قلوب ، ذریعہ و سبب اعلیٰ ہے بلندیٔ درجات کا ، عفوِ سیئات کا اور حصول خیر و برکات کا ۔

پس بوجہ اطلاقِ آیات ، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم ، جس طریقہ سے کی جائے گی حسن و محمود ہی رہے گی ۔ اور خاص خاص طریقوں کے لیے ثبوت جداگانہ درکار نہ ہوگا ۔ کہ اس پر کیا دلیل ہے اور اُس پر کیا سند ۔ ہاں اگر کسی خاص طریقہ کی برائی بالتخصیص شرع سے ثابت ہو جائے گی تو وہ بے شک ممنوع ہوگا ۔ جیسے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کرنا ۔ یا جانور ذبح کرتے وقت بجائے تکبیر حضور کا نام لینا ۔ اسی لیے امام علامہ ابن حجر مکی جوہر منظم میں فرماتے ہیں ۔ "تعظم

النبی صلی اللہ علیہ وسلم بجمیع انواع التعظیم التی لیس فیہا مشارکۃ اللہ تعالیٰ فی الالوھیۃ امر مستحسن عند من نور اللہ ابصارھم ۔

یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم، تمام اقسام و انواعِ تعظیم کے ساتھ، جن میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ الوہیت میں شریک کرنا نہ ہو ہر طرح امر مستحسن ہے۔ ان کے نزدیک جن کی آنکھوں کو اللہ تعالیٰ نے نور بخشا ہے۔"

لہٰذا محافلِ میلاد مبارک کا انعقاد، ان کا انصرام و اہتمام اور بوقت ولادت شریف یہ قیام، کہ اہل اسلام محض بنظرِ تعظیم و اکرام، حضور سید الانام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام بجالاتے ہیں بے شک حسن و محمود ٹھہرے گا۔ تاوقتیکہ مانعین، خاص اس صورت کی بُرائی کا قرآن وحدیث سے واضح ثبوت نہ دیں۔

اور یہاں سے ثابت ہوا کہ تابعین وتبع تابعین درکنار، خود قرآن عظیم سے مجلس وقیام کی خوبی و استحسان ثابت ہے۔ والحمد للہ رب العٰلمین۔ ۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

۱۳ھ اور وہ مصلحت خود بھی اہل ایمان، اہل محبت پر عیاں وروشن ہے کہ صدہا سال سے علمائے کرام وبلادِ اہل اسلام میں یونہی معمول رہا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ذکرِ پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم، مثلِ ذات اقدس کی تعظیم کے ہے۔ اور صُورِ تعظیم و انواع تکریم سے ایک صورتِ قیام بھی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب بنی قریظہ اپنے قلعہ سے، سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم پر اُترے، حضور نے سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آدمی بھیجا اور وہ وہاں سے قریب میں تھے۔ جب مسجد کے قریب آگئے تو حضور اکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے ارشاد فرمایا قوموا الیٰ سیّدِکُم۔ اپنے سردار کے پاس اُٹھ کر جاؤ"۔ اور یہ صورتِ تعظیم اعنی قیام وقتِ قدومِ معظّم، یعنی کسی معظم دینی کی تشریف آوری کے وقت خصوصاً بجالائی جاتی ہے۔ اور ذکرِ ولادت، حضور سید المعظمین صلی اللہ علیہ وسلم کے، عالم دنیا میں تشریف آوری کا ذکر ہے تو یہ تعظیم اُسی ذکر کے ساتھ مناسب ہوئی۔ اس کے علاوہ اور بھی مصالحِ دینی و دنیاوی اس قیام میں مضمر ہیں جن کا ذکر علماء کرام نے اپنی کتابوں میں فرمایا ہے۔ انصاف ہو تو اتنی ہی بات، ہدایت کے لیے کافی ہے۔ اور غیر مُنصِف کے لیے دفتر کے دفتر بیکار۔ غرض حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم مطلقاً مامور بہ ہے۔ کسی قید وبند کے بغیر اس کا

فرمان وارد ہے۔ اور مطلق ہمیشہ اپنے اطلاق پر جاری رہے گا۔ اس کے کسی فرد پر کسی خاص ہیئت وصورت پر ممانعت کا حکم نہ دیا جائے گا۔ جب تک کسی خاص فرد سے، کسی خاص ہئیت سے ممانعتِ شرعی نہ ثابت ہو۔ شرع سے منع وارد نہ ہو جیسے کسی کی تحیت وتسلیم کے لیے سجدہ۔ اگرچہ جانبِ قبلہ ہو۔

بحمد اللہ تعالیٰ ہم مسلمان ہیں اور ہم مسلمانوں کے ایمان ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم عینِ ایمان، ایمان کی جان ہے۔ اور علی الاطلاق شرعاً مطلوب ہے۔ تو جو کچھ بھی، جس طرح بھی، جس وقت بھی، جب کبھی اور جس جگہ بھی، تعظیم اقدس کے لیے بجالائے۔ خواہ وبعینہٖ منقول ہو یا نہ ہو، سب جائز ومندوب ہے سب مستحب ومرغوب ہے۔ سب مستحسن ومطلوب ہے۔ سب پسندیدہ وخوب ہے جب تک اس خاص سے نہی نہ آئی ہو۔ جب تک اس خاص میں کوئی حرجِ شرعی نہ ہو۔ وہ سب ارشادِ الٰہی کے اس اطلاق میں تُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ میں داخل ہے۔ اور امتثالِ حکمِ الٰہی، بجاآوری فرمانِ خداوندی کا فضلِ جلیل اسے شامل ہے۔ اور اُس تعظیم کو شرعاً ناجائز نہ کہے گا، مگر وہ کہ شرع پر افتراء کرتا، یا نام واکرام سید الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جلتا ہے۔ ۱۲

سہا صحیح بخاری ومسلم میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں تشریف لائے، یہود کو عاشوراء کے دن روزہ دار پایا۔ ارشاد فرمایا یہ کیا دن ہے کہ تم روزہ رکھتے ہو؟ عرض کی یہ عظمت والا دن ہے کہ اس میں موسیٰ علیہ السلام اور اُن کی قوم کو اللہ تعالیٰ نے نجات دی۔ اور فرعون اور اس کی قوم کو ڈبو دیا۔ لہٰذا موسیٰ علیہ السلام نے بطورِ شکر اُس دن کا روزہ رکھا، تو ہم بھی روزہ رکھتے ہیں"۔ ارشاد فرمایا موسیٰ علیہ السلام کی موافقت کرنے میں بہ نسبت تمہارے ہم زیادہ حقدار اور زیادہ قریب ہیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی روزہ رکھا اور اُس کا حکم بھی فرمایا"۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ جس روز اللہ عزّوجلّ کوئی خاص نعمت

عطا فرمائے اس کی یادگار قائم کرنا درست و محبوب ہے کہ وہ نعمتِ خاصہ یاد آئیگی اور اُس نعمتِ خاصّہ کا یاد آنا باعث ہوگا شکرِ الٰہی بجالانے کا، خود قرآنِ عظیم میں ارشاد فرمایا وَذَکِّرْهُمْ بِاَیّٰمِ اللّٰهِ۔ اور انہیں اللہ کے دن یاد دلادو۔

ایّامِ اللہ سے مراد وہ بڑے بڑے وقائع ہیں جو بحکمِ الٰہی واقع ہوئے۔ وہ بڑی بڑی مصیبتیں بھی جو مختلف قوموں کو قدرت کی طرف سے پیش آتی رہیں۔ اور وہ بڑی بڑی نعمتیں بھی، جو قدرت کی جانب سے مختلف قوموں کو عطا ہوتی رہیں۔ اور مفسرین کرام نے ایام اللہ سے خاص وہ دن بھی مراد لیے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر نعمتیں اتاریں، انہیں انعامات سے نوازا۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے دریا میں راستہ بنانے اور دشمن سے نجات پانے کا دن۔ اور ہم ہم مسلمانوں کے لیے یوم ولادتِ اقدس، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر کونسا دن ہوگا۔ جس کی یادگاریں قائم کریں۔ تو یوم و تاریخ ولادتِ انور یعنی بارہ ربیع الاول شریف کو یادگار دن بنانا، اُن کی یاد قائم کرنا بھی تذکیر بایّام اللہ میں داخل ہے۔ اسی طرح اور بزرگوں پر جو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہوئی یا جن ایام میں واقعاتِ عظیمہ پیش آئے۔ جیسا کہ دسویں محرم کو کربلائے مُعلّیٰ کا واقعۂ ہائلہ، ان کی یادگاریں قائم کرنا اور حدودِ شروع میں رہتے ہوئے اُن ایام کو یادگار کے طور پر منانا بھی تذکیر بایّام اللہ میں داخل ہے۔ تو میلاد شریف، معراج شریف اور ذکرِ شہادت کے ایام کی تخصیص، ان آیات و احادیث سے ثابت ہے۔ مگر لوگ ہیں کہ ابھی وہی پرانی لکیر پیٹ رہے ہیں کہ یہ بدعت ہے۔

اور غور کیجئے تو خاص ۱۲ ربیع الاول شریف کی تخصیص کی ایک وجہ وجیہہ یہ بھی ہے کہ تمام نعمتیں متفرع ہیں وجود پر۔ اور تمام کائنات کا وجود، متفرع ہے حضور کے وجود پر۔ تو دنیا و آخرت کی ہر نعمت، چھوٹی ہو یا بڑی، جسمانی ہو یا روحانی، حضور ہی کے طفیل ملی۔ جس نے جو پایا حضور ہی کے ہاتھوں، حضور ہی کے طفیل پایا۔ تو یہ دن، عید سے بھی بہتر ہوا کہ انہیں کے صدقہ میں تو عید، عید ہوئی۔ اسی وجہ سے

پیر کے دن روزہ رکھنے کا سبب ارشاد ہوا کہ فیہ وُلدتُ۔ اُسی دن میری ولادت ہُوئی۔ اے میرے رب نابینا آنکھوں کو بینائی دے۔ ۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

اور کلام تفصیل مصالح بیں ازبس طویل ہے۔ ہر محل میں جدا مصلحت ہے۔ رسائل موالید میں، بعض مصالح مذکور بھی ہیں۔ اگر تفصیلاً کوئی مطلع نہ ہو، تو مصلحتِ اندیشانِ پیشین کی اقتداء[۱۵] ہے۔ اُس کے نزدیک یہ مصلحت کافی ہے۔ ایسی حالت میں تخصیص مذموم نہیں۔ تخصیصاتِ اشغال و مراقبات و تعینات رسومِ مدارس و خانقاہ جات اسی قبیل سے ہے۔

۱۵ عام ناواقف مسلمانوں کے لیے کیسی سیدھی سچّی رہنمائی و ہدایت ہے کہ ہر ہر حکم شرعی کی مصلحت کا جان لینا، نہ عوام الناس کے لیے ممکن ہے اور نہ ان مصلحتوں کا تفصیلی طور پر عوام کے ذہنوں میں جاگزیں ہو جانا، سہل و آسان۔ تو ایسوں کے لیے سیدھا سادہ راستہ، جس پر وہ بآسانی چل سکتے اور ان مصلحتوں اور حکمتوں سے مستفیض ہو سکتے ہیں یہ ہے کہ وہ اُن بزرگانِ ملّت، و واقف کاران احکامِ شریعت کا اتباع کریں جو ان سے پہلے گزر چکے اور جنہیں ہر فریق نے ہر دَور میں معتمد علیہ بتایا اور ان کی پیروی کو اپنے لیے راہِ نجات ٹھہرایا۔ جیسے حضرت علامہ شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی۔ حضرت امام غزالی۔ حضرت علامہ ابن حجر مکیؔ۔ حضور سیدنا غوث اعظم حضور سیدنا خواجہ غریب نواز، حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی۔ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند۔ حضرت داتا گنج بخش لاہوری۔ اور اب متاخرین میں شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی۔ مولانا فضل حق خیرآبادی۔ مولانا فضل رسول صاحب بدایونی۔ اور اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین برحمتہ وھو ارحم الراحمین۔

اور اگر ان تخصیصات[16] کو قربتِ مقصودہ جانتا ہے مثل نماز و روزے کے، تو بے شک اُس وقت یہ امور بدعت ہیں۔ مثلاً یوں اعتقاد کرتا ہے کہ اگر تاریخ معیّن پر مولود نہ پڑھا گیا یا قیام نہ ہوا۔ یا بخور و شیرینی کا انتظام نہ ہوا تو ثواب ہی نہ ملا۔ تو بے شک یہ اعتقاد مذموم ہے۔ کیونکہ حدودِ شرعیہ سے متجاوز ہے۔ جیسے عملِ مباح کو حرام اور ضلالت سمجھنا بھی مذموم ہے۔ غرض دونوں صورتوں میں تعدّیٔ حدود ہے۔

[16] میلادِ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی محفلوں میں جو تخصیصات عموماً مُروّج ہیں وہ یہ ہیں۔ ذکرِ ولادت شریف۔ ولادتِ اقدس کے ذکر کے وقت قیام۔ فرش فروش کا اہتمام۔ خوشبو و عطر کا استعمال۔ مکان و مقام کی آراستگی۔ تقسیم شیرینی۔ حاضرین کی دعوتِ طعام۔ منبر و تخت و چوکی کا انتظام۔ تلاوت قرآن۔ قرأت درود شریف۔ فرحت و سرور کا اظہار۔ اور اجتماع کے لیے اعلان وغیرہ

اور مانعین بھی خوب جانتے اور سمجھتے ہیں کہ ان میں سے ہر امر اپنی جگہ ہر وقت مستحب ہے۔ پھر اُس صورت کا کیا پوچھنا، جب یہ مجتمع ہو جائیں۔ اور خصوصاً جبکہ ان کے ساتھ، بالخصوص ماہ مبارک ربیع الاوّل میں، اور اس کی بھی بارہویں تاریخ کو ظہور نور نبوت کی خوشی شامل ہو جائے۔

اور خواص المسلمین تو کجا، عوام اہلسنّت و جماعت میں بھی کوئی فرد، ان تخصیصات میں سے کسی تخصیص کو نماز روزہ کی طرح فرض اعتقاد نہیں کرتا اور نہ ان میں کوئی عبادت مقصودہ جانتا ہے کہ انہیں بدعات میں شامل اور اُنھیں مبتدعین میں داخل کر دیا جائے۔ ہاں ہم مسلمان، علمائے اعلام کے بتلائے اتنا ضرور جانتے اور مانتے ہیں۔ کہ ان آداب کا اجتماع ان شاء اللہ تعالیٰ آنکھوں کو نور، دلوں کو سرور، خیالات کو پاکیزگی اور عبادات کو تازگی بخشتا اور بفضل ایزدی، خیرات و برکات کے حصول کا موجب ہوتا ہے۔ یہ ہرگز کسی مسلمان کے وہم و گمان میں بھی نہیں کہ اگر ان میں سے کوئی چیز نہ ہو تو

وہ زنہار میلاد شریف کی محفل نہ کہلائے۔

نظیر اس کی آداب دُعا ہیں کہ جس قدر ہیں سب قبولیتِ دعا کے لیے اسباب ہیں۔ مگر ان کا اجتماع ان شاء اللہ تعالیٰ مورثِ اجابت ہوتا ہے کہ دُعا کو بارگاہ الٰہی میں قبولیت کا شرف حاصل ہو جاتا ہے۔ حالانکہ ان میں کوئی ادب ایسا نہیں جسے حقیقۃً شرط کہا جائے بایں معنی کہ قبولیتِ دُعا اُس پر موقوف ہو۔ کہ اگر وہ نہ ہو دُعا ہرگز شرفِ قبول نہ پائے۔ مقصود صرف اس قدر ہے کہ ان آداب کا اجتماع ہو تو وہ دُعا بروجہ کمال ہے اور اس میں قبولیت کی توقع نہایت قوی ہے۔ خصوصًا جب کہ دُعا، آداب کے ساتھ محسّناتِ دُعا کو بھی جامع ہو۔

زیادہ سے زیادہ اتنی ہی بات، آدابِ محفلِ میلاد کے بارے میں کہی جا سکتی ہے۔ اور یہ اعتراض تو محض طفلانہ ہے کہ یہ چیزیں تنہا تنہا ہوں تو بے شک جائز۔ لیکن مجتمع ہو جائیں اور ان کا باہم اجتماع ہو جائے تو جائز نہیں۔ اور اس پر یہ دلیل لانا کہ مثلاً کھجور اور پانی کا اجتماع، جبکہ اُس میں جھاگ آجائیں وہ حرام ہے۔ اور بھی زیادہ مضحکہ خیز اور مجنونانہ حرکت ہے بلکہ شرعِ مطہّر پر افتراء۔

بھلا کس فقیہ نے، اور کس فقہ کی کتاب میں لکھا کہ تمر و آب کا مطلقاً اجتماع، اس کی حرمت کا موجب ہے۔ کیا معلوم نہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے پانی میں، کھجوریں، شب میں ڈال دی جاتی تھیں جسے حضور استعمال فرماتے۔ ہاں رطب یعنی تر کھجور کا پانی یا منقے کا پانی، جب تیز ہو جائے اور جھاگ پھینکے تو یہ بلاشبہ حرام و نجس ہے۔ لیکن نجاست و حرمت کا باعث ان دونوں چیزوں کا اجتماع نہیں بلکہ ایک اور ہی شے ہے۔ یعنی طولِ مدت اور مرورِ زمانہ کے باعث، اس میں نشہ و سُکر کا پیدا ہو جانا جسے منکرین و معترضین بھی مانتے ہیں کہ جب اُس میں جھاگ آجائیں۔ تو موجبِ حرمت یہ شئے ثالث ہے نہ کہ پانی و تمر کا محض اجتماع۔ خلاصۂ کلام یہ نکلا کہ اجتماع مباحات میں اگر کوئی محظورِ شرعی لازم نہ آئے تو وہ جائز و مباح ہے۔ اور اسے محض اپنے قیاس فاسد سے مذموم و ممنوع اور حرام و ناجائز ٹھہرا دینا، ستھری اور پاکیزہ چیزوں کو بلا دلیل شرعی حرام کہہ دینا اور یہ خود ایک جرم ہے۔ ۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

اور اگر ان امور کو ضروری[۱۷] بمعنی واجبِ شرعی نہیں سمجھتا، بلکہ ضروری بمعنی موقوف علیہ لبعض البرکات جانتا ہے، جیسے بعض اعمال میں تخصیص[۱۸] ہوا کرتی ہے۔ کہ ان کی رعایت نہ کرنے سے وہ اثر خاص مرتب نہیں ہوتا۔ مثلاً بعض عمل کھڑے ہو کر پڑھے جاتے ہیں۔ اگر بیٹھ کر پڑھیں تو وہ اثر خاص نہ ہوگا۔ اس اعتبار سے اس قیام کو ضروری سمجھا جاتا ہے اور دلیل[۱۹] اس توقف کی۔ موجدانِ اعمال کا تجربہ یا کشف و الہام ہے۔

[۱۷] ضرورتِ شرعی یہ ہے کہ اس کے بغیر گزر نہ ہو سکے اور شرعاً یہ مرتبہ فرض میں ہے۔ جیسے مکان میں وہ سوراخ جس میں آدمی بزور سما سکے۔ کھانے میں چھوٹے چھوٹے چند لقمے کہ جان بچا سکیں۔ ادائے فرض کی طاقت دیں۔ لباس میں اتنا ٹکڑا کہ ستر عورت ہو سکے۔ اور ظاہر ہے کہ اس معنی کے اعتبار سے کوئی جاہل سے جاہل بھی، اصل میلاد ہی کو ضروری نہیں جانتا، تخصیصات درکنار۔ دوسری چیز حاجتِ شرعی ہے کہ بے اس کے ضرر پہنچے۔ جیسے مکان اتنا کہ گرمی جاڑے برسات کی تکلیفوں سے بچا سکے۔ کھانا اتنا جس سے واجبات و سنن ادا کرنے کی قوت ملے۔ کپڑا اتنا کہ جاڑا روکے۔ اتنا بدن ڈھکے جس کا کھولنا نماز میں، یا مجمعِ عام میں خلافِ ادب و تہذیب ہے۔ مثلاً خالی پاجامے سے نماز مکروہ تحریمی ہے۔ یوہیں تنہا پاجامہ پہنے، راہ میں نکلنے والا مردود الشہادۃ ہے۔ اور ہر ذی فہم سمجھ سکتا ہے کہ ان امور کو، ناواقف سے ناواقف مسلمان بھی، حاجتِ شرعیہ میں شمار نہیں کرتا، کہ ان تخصیصات کے بغیر اُس کے گمان میں، کوئی شرعی نقصان ہے۔ اس لیے ان تخصیصات پر اگر ضروری کا اطلاق، عوام الناس کرتے ہیں تو یہ ایک اصطلاحِ عرفی کے ماتحت ہے۔ یعنی بایں معنی کہ ان تخصیصات پر اُن برکات کا حصول موقوف ہے جو ان مقدس محفلوں کے انعقاد پر مترتب ہوتے ہیں۔ شاہ صاحب کی اس صریح تصریح کے بعد بھی، وہی گیت گائے جانا کہ عوام اسے فرض و واجب جانتے ہیں، خواہ مخواہ کھینچ تان کر، امتِ مسلمہ مرحومہ

کو گناہ کی ولدل میں دھکیل دینا ہے۔ ۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

۱۸ ؎ مثلاً فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو ہر نماز کے بعد ۳۳ بار سُبْحَانَ اللّٰہ، ۳۳ بار اَلْحَمْدُ لِلّٰہ، ۳۳ بار اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہے کہ یہ کل ننانوے ۹۹ ہوئے اور یہ کلمہ کہہ کر سو پورے کرلے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ۔ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْرٌ تو اس کی تمام خطائیں بخشدی جائینگی اگرچہ دریا کے جھاگ کی مثل ہوں۔ (مسلم شریف)

یونہیں احادیث میں کسی دُعا کی نسبت جو تعداد وارد ہے۔ اس سے کم زیادہ کرنے کی اجازت نہیں۔ کہ جو فضائل ان اذکار کے لیے ہیں وہ اسی عدد کے ساتھ مخصوص ہیں اور ان اذکار پر جن برکات و اثرات کا حصول مترتب ہے وہ اسی تخصیص پر موقوف ہے۔ ان میں کم و بیش کرنے کی مثال یہ ہے کہ کوئی قفل کسی خاص کنجی سے کھلتا ہے۔ اب اگر کنجی میں دندانے کم یا زیادہ کردیں تو اس سے وہ قفل نہ کھلے گا۔

یہی حال محفل میلاد شریف میں ان تخصیصات کا ہے کہ اِن پر اُن برکات و اثرات کا حصول موقوف ہے۔ عوام الناس میں سے کوئی بھی یہ نہیں جانتا اور مانتا کہ یہ تخصیصات ایسی ہی ضروری ہیں جیسے نماز کے لیے طہارت، وتر کے لیے دُعائے قنوت یا جماعتِ مستحبہ کے لیے اذان، یا اذان کے لیے کلماتِ مخصوصہ وغیرہ وغیرہ ۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

۱۹ ؎ یعنی ہم جو اِن تخصیصات کو، اُن برکات کے لیے موقوف علیہ کہتے ہیں۔ کہ ان کا حصول، اُن کے وجود پر موقوف ہے۔ وہ بھی بلا سند، بے اصل اور محض بے دلیل نہیں۔ بلکہ ان تخصیصات و اعمال کو جن بزرگانِ ملت نے ایجاد کیا اور عامۃ المسلمین میں انہیں رواج دیا، اُسے اُن کے تجربے یا کشف یا الہام منجانب اللہ کی تائید حاصل ہے اور مشائخ کرام و علمائے اعلام میں اس کا معمول رہنا سونے پر سہاگہ اور نورٌ علیٰ نور کا مصداق ہے۔ مشائخ کرام و علمائے اعلام، تو پھر مشائخ و سلاطینِ دین و ملت ہیں۔ شریعتِ مطہرہ نے تو یہاں تک فرمایا کہ جو بات مسلمانوں میں صدہا

سال سے متوارث ہو وہ بے اصل نہیں ہو سکتی ۔ اُس کے لیے کسی خاص سند کی حاجت نہیں۔ تو اُس میں مسلمانوں کا اتباع اور ان کی پیروی ضرور ہے ۔ جب تک اس کی صریح ممانعت ، ثابت نہ ہو ہرگز اُس کا خلاف نہ کیا جائے ۔ بلکہ انہیں کے عادات و اخلاق کے ساتھ اُن سے برتاؤ چاہیئے ۔ شریعت مطہرہ سُنّی مسلمانوں میں میل پسند کرتی ہے ۔ اس لیے اُن کی عادات کے خلاف ، دوسروں کو بھڑکانا، نفرت دلانا، اُن میں انتشار پھیلانا شرعاً ناجائز ہے اور بے ضرورتِ تامہ ، لوگوں کی راہ سے الگ چلنا سخت احمق و جاہل کا کام جیسا کہ حضرت امام غزالی نے احیاء العلوم میں اس کی تصریح فرمائی ۔ والحمد للہ۔

اسی طرح کوئی شخص ، عملِ مولد بہیئت[۲۰] کذائیہ کو موجب، بعض برکات یا آثار کا ، اپنے تجربے سے ، یا کسی صاحبِ بصیرت کے وثوق پر سمجھے ، اور اس معنیٰ کر ، قیام کو ضروری سمجھے ، کہ یہ اثرِ خاص ، بدونِ قیام نہ ہو گا ، اس کے بدعت[۲۱] کہنے کی کوئی وجہ نہیں۔

[۲۰] کیسی صریح تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ شریف کے بیان اور ان کے معجزاتِ باہرہ و فضائل عالیہ و کمالات جمیلہ ، و شمائل جلیلہ کے ذکر کے لیے ان مجالس کا قائم و برپا کرنا ، اُس کی طرف لوگوں کو جمع کرنا ، اُس کے سننے کو حاضر ہونا ، مکان و مقامِ ذکر کو آراستہ و پیراستہ کرنا - فرش فروش بچھانا ۔ گلاب چھڑکنا ، خوشبو سلگانا ، روشنی کا اہتمام کرنا ، منبر و تخت پر مقررین کو بٹھانا ۔ ذکر ولادت شریف کے وقت کھڑا ہونا ۔ دست بستہ صلوٰۃ والسلام ، عرض بارگاہِ رسالت مآب کرنا ، شیرینی تقسیم کرنا اور خدا توفیق دے تو حاضرین کی خاطر و تواضع ، ماکولات و مشروبات سے کرنا ۔ پنج آیات شریفہ پڑھنا اور سرور و فرحت کا اظہار کرنا ، غرض وہ تمام تخصیصات و تقییدات ، جو ان محافل مبارکہ میں عوام و خواص کا معمول ہیں ، ان پر

عمل پیرا ہونا اور یہ سمجھنا کہ یہ امور موجبِ برکات وحسنات ہیں، خواہ خود اُس کا ذاتی تجربہ ہو، خواہ اہلِ بصیرت کے قول پر اسے وثوق و یقین کامل ہو۔ سب طرح جائز ہے۔ کہ ان کو ضروری جاننا ماننا، ضرورتِ شرعیہ نہیں، ضرورتِ اصطلاحیہ ہے۔ یعنی ان برکات واثرات کے لیے وہ تخصیصات موقوف علیہ ہیں اور بس۔ ۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

[۲۱] کہ نیک بات اگرچہ بدعت و نو پید ہو اُس کا کرنے والا سُنّی ہی کہلائے گا نہ کہ بدعتی۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نیک بات پیدا کرنے والے کو، سُنّت نکالنے والا فرمایا۔ تو ہر اچھی بدعت کو سُنّت میں داخل فرمایا کہ مَن سَنَّ سُنَّۃً حَسَنَۃً (الحدیث) تو اسی ارشادِ اقدس میں قیامت تک نئی نئی باتیں پیدا کرنے کی اجازت فرمائی۔ اور یہ کہ جو ایسی باتیں نکالے گا ثواب پائیگا اور قیامت تک جتنے اس پر عمل کریں گے سب کا ثواب اسے ملے گا۔ تو اچھی بدعت اور نو پید بات سُنّت ہی ہے۔ امام نووی نے فرمایا جتنے اس پر عمل کریں گے سب کا ثواب اُسے ملے گا، خواہ اُسی نے وہ نیک بات ایجاد کی ہو، یا اس کی طرف منسوب ہو۔ اور چاہے وہ عبادت ہو یا کوئی ادب کی بات یا کچھ اور" (حدیقہ ندیّہ) اور ظاہر ہے کہ میلادِ مبارک میں یہ تخصیصات، حسبِ نیّت وعرف، ادب کے امور میں داخل ہیں۔ اور نہ سہی تو "کچھ اور" تو سب کو شامل ہے۔ بدعتِ سیّئہ کی پہچان وہی ہے جو امام غزالی نے احیاء العلوم میں بیان فرمائی کہ بدعتِ مذمومہ وہی ہے جو سُنّتِ ثابتہ کی ضد ہو، اس کے فعل سے، سُنّت اُٹھ جائے۔ جیسے السلام علیکم کی جگہ "آداب عرض" کا رواج ہے۔ کہ اس فعل نے، سلام کا مسنون طریقہ اُٹھا دیا۔ زائل کر دیا۔

امام بیہقی وغیرہ علماء حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ "نو پید باتیں دو قسم کی ہیں۔ ایک[۱] وہ کہ قرآن یا احادیث یا آثار یا اجماع کے خلاف نکالی جائیں، یہ تو بدعتِ ضلالت و گمراہی ہے۔ دوسرے[۲] وہ اچھی بات کہ احداث کی جائے اور اُس میں ان چیزوں کا خلاف نہ ہو تو وہ بُری نہیں"۔

امام علامہ ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرحِ بخاری میں فرماتے ہیں کہ "بدعت و

نو پیدا بات اگر کسی ایسی چیز کے نیچے داخل ہو جس کی خوبی شرع سے ثابت ہے تو وہ اچھی بات ہے۔ اور اگر کسی ایسی چیز کے تحت داخل ہو جس کی برائی شرع سے ثابت ہے تو وہ بُری ہے۔ اور جو ان دونوں میں سے کسی کے نیچے داخل نہ ہو تو وہ قسم مباح سے ہے۔"
اسی طرح صدہا اکابر نے تصریح فرمائی۔

لہٰذا محفل میلاد مبارک میں تخصیصات و افعالِ مذکورہ بالا کی نسبت، کسی فرد کا یہ دعویٰ درست نہیں کہ وہ بدعاتِ قبیحہ میں داخل ہیں اور ان کا مرتکب بدعتی، اور ایسے دعوے نہ کریگا مگر وہی جس کے مذہب کی بناء، وہابیت ہے۔ اور وہابیت خود بے دینی و ضلالت ہے۔ ورنہ مقاصدِ شرع سے ناواقفی و جہالت، جس بات سے اللہ و رسول جلّ و علا و صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہ فرمایا، یہ اُسے بدعت ٹھہرا کر، اُس سے منع کرنے والے کون؟ یہ مباحث بارہا طے ہوئے۔ اور طریقِ سلامت وہ ہے جو امام اجل عارف باللہ سیدی عبد الوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی نے کتاب مستطاب البحر المورود میں فرمایا کہ "ہم سے عہد لیے گئے ہیں کہ اپنے کسی دینی بھائی کو، اس کی قدرت نہ دیں کہ وہ کسی ایسی چیز کا انکار کرے، جو مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف، تقرب کے لیے نئی پیدا کی ہو اور اُسے اچھا جانا ہو۔ کہ جو کچھ اس طرح پر نیا پیدا ہوتا ہے وہ سب شریعت کے توابع سے ہے اور وہ اُس بدعت سے نہیں جس کی شرع میں مذمت ہے۔" منکرین اب بھی نہ سمجھیں تو ان سے خدا سمجھے۔ ۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

اور اعتقاد ایک امرِ باطن ہے۔ اس کا حال بدون دریافت کیے ہوئے یقیناً معلوم نہیں ہو سکتا۔ محض قرائن تخمینی سے کسی پر بدگمانی کرنا اچھی نہیں۔ مثلاً بعض لوگ، تارکینِ قیام پر ملامت کرتے ہیں تو ہر چند کہ یہ ملامت بیجا ہے کیونکہ قیام شرعاً واجب نہیں پھر ملامت کیوں؟ بلکہ اس ملامت سے شبہہ اصرار کا پیدا ہوتا ہے۔ جس کی نسبت فقہاء نے فرمایا ہے کہ اصرار سے[۲۳] مستحب بھی معصیت ہو جاتا ہے۔

۲۲ـــ اللہ عزوجل فرماتا ہے یاایھا الذین آمنوا اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم ۔ اے ایمان والو بہت سے گمانوں سے بچو۔ بیشک کچھ گمان گناہ ہیں۔ اور فرماتا ہے ولا تقف مالیس لک بہٖ علم ط ان السمع والبصر والفؤاد کل اولٰئک کان عنہ مسئولا ۔ "بے یقین بات کے پیچھے نہ پڑو بے شک کان، آنکھ اور دل سب سے سوال ہونا ہے۔"

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "گمان سے بچو کہ گمان سب سے بڑھ کر جھوٹی بات ہے۔" اور فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم "تو نے اُس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھا کہ دل کے عقیدے پر اطلاع پاتا۔" امام عارف باللہ سیدی احمد زروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ "بدگمان، خبیث ہی دل سے پیدا ہوتا ہے۔" ولہذا درمختار وغیرہ میں ارشاد فرمایا کہ "ہم مسلمان پر بدگمانی نہیں کرتے۔"

اس لیے دلائل شرعیہ میں سے کسی دلیل شرعی کے بغیر، محض خود ساختہ قیاس، یا غیر معتبر قرینہ کی آڑ لے کر، یا اوہام تراشیدہ کو دلیل شرعی کا نام دے کر، اپنے گمان کے پیچھے لگ کر مسلمان کو معاذاللہ، حرام و بدعت سیئہ کا مرتکب ٹھہرانا ہرگز ہرگز وجہ صحت نہیں رکھتا۔

اور یہ صراحۃً رد ہے اُن منکرین پر، جو بزعم خویش، عامۃ المسلمین کی جانب، بعض امور کی نسبت کر کے، انہیں زبردستی، وادیٔ ضلالت میں ڈھکیل کر اور ان پر بدگمانیاں کر کے، شریعت مطہرہ کے احکام کی خلاف ورزیوں کے الزامات، تھوپ کر، اُن کی دین و دنیا تباہ کرنے کی سعی لاحاصل کرتے ہیں۔ اور انہیں بدعاتِ مذمومہ کا مرتکب ٹھہرا کر، خدا و رسول کی بارگاہوں سے دور کرنے کی تگ و دو میں مصروف رہنے کو، اپنے نزدیک دینِ متین کی خدمتِ مُبین تصور کرتے ہیں۔

رہا مجوزین قیام و میلاد کا، تارکینِ قیام و میلاد وغیرہ پر ملامت و ان کی مذمت کا مسئلہ۔ تو بے شک یہ بھی مذموم اور شرعاً ممنوع ہے بشرطیکہ تخمینی قرینوں اور لایعنی قیاس آرائیوں پر مبنی ہو اور اس کی بنیاد محض اتہام و بدگمانی پر رکھی جائے۔

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ان اطراف و دیار میں، خصوصاً پاک و ہند کے بلاد و امصار میں محفل میلاد سے احتراز اور قیام بوقتِ ذکر ولادت شریفہ سے اجتناب، خصوصاً بعد اعتراض و انکار، اصولِ وہابیت پر چلنے والوں کا شعار سمجھا جاتا ہے۔ مجلس مبارک میں حاضری اور قیامِ مقدس سے یہاں وہی منکر ہیں جو وہابی و گمراہ و خاسر ہیں۔ اور وہابیت بے شک مردود و مقہور ہے۔

اور اگر صورت یہ ہو کہ آدمی حاضری مجلسِ مبارک کو تو بُرا نہیں جانتا مگر اس وقت فرصت نہیں۔ کسی اہم کام میں مصروف ہے۔ یا بیمار ہے کہ اتنی دیر قیام کرنا اس کے لیے دشوار و باعثِ مشقت ہے۔ یا اسے تو فرصت ہے مگر وہاں پڑھنے والا بے اصل روایات، یا نظم و نثر خلافِ شرع پڑھے گا۔ یا یہ بھی نہیں مگر صاحبِ مکان سے دینی یا دنیوی مخالفت ہے۔ جس کا الزام، شرعاً اُسی صاحبِ مکان پر ہے۔ یا درمیان میں کوئی دینی و دنیوی مخالفت بھی نہیں، مگر بیان و تقریر کرنے والا متہم ہے۔ اُس کے عقیدے کا صاف پتا نہیں چلتا۔ یا اُس محفلِ پاک میں ایسے لوگ مدعو کیے گئے ہیں جن کی محض سیاسی و دنیاوی عزت و وجاہت ہے شرعاً وہ کسی عزت و تکریم، اکرام و تعظیم کے مستحق نہیں، اور یہ وہاں جائے گا تو اِسے ان کی تعظیم و توقیر میں حصّہ لینا ہی پڑے گا۔ غرض ایسی ہی موانع ہوں تو بے شک ان پر محض اپنے تخمین و بدظنی کے باعث، ملامت کرنا اور اُن کی عدمِ حاضری یا عدمِ قیام کو مذموم و قابلِ ملامت ٹھہرانا، ضرور قبیح و مذموم ہے۔ یہی مفاد ہے شاہ صاحب کے اس قول کا کہ "یہ ملامت بے جا ہے"۔ اور کیوں نہ ہو کہ یہ اتہام و بدگمانی ہے۔ اور اتہام و بدگمانی شرعاً حرام۔ اور عارفین کے نزدیک قلبِ خبیث کی پیداوار ہے۔ ۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

۲۳ھ قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے۔ وَرُهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا۔" اور راہب بننا، تو یہ بات انھوں نے دین میں اپنی طرف سے نکالی۔ ہم نے ان پر مقرر نہ کی تھی۔ ہاں یہ بدعت

انہوں نے اللہ کی رضا چاہنے کو پیدا کی - پھر اُسے نہ نباہا جیسا کہ اُس کے نباہنے کا حق تھا۔"

آیۃ کریمہ کا صریح مفاد یہ ہے کہ دین میں کسی نئی بات کا نکالنا جبکہ وہ اصولِ دین کے خلاف نہ ہو اور نہ اُس کے بجالانے کا صراحۃً کوئی حکم آیا ہو، یعنی بجائے خود وہ بات نیک ہو اور مقصود اُس سے تقرّبِ خداوندی کا حصول، اور رضائے الٰہی کا اتباع ہو توشرعاً بھی وہ بات بہتر ہے - اس پر ثواب ملتا ہے - البتہ اسے نباہنا اور جاری رکھنا چاہیئے - کہ اب یہی اُس کا حق ہے - کیونکہ رب تبارک و تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی ملامت اس پر نہ فرمائی کہ انہوں نے رَھبانیت کیوں اِیجاد کی - ملامت فرمائی تو اس بات پر فرمائی کہ انہوں نے اس کا حق ادا نہ کیا - اُس کے ساتھ نبھاؤ نہ کیا - اُسے جاری نہ رکھا - تو اس نوپید و نو ایجاد کو نباہنا اور اُسے جاری و دائم رکھنا، یہ وہ اصرار نہیں جو شرعاً مذموم ہے کہ یہ تو خود شرعاً مطلوب اور اس کا ترک غیر پسندیدہ ہے بلکہ اصرار سے مراد، اصرارِ مذموم ہے۔ کہ اس مباح و مستحب کو، فرض و واجب یا شرعاً لازم سمجھ کر عمل میں لائے اور اس میں وہی اہتمام تام، ضروری و لابدی اعتقاد کرے، جو فرض و واجب میں مطلوب ہے۔ اسی کو فقہائے کرام نے ممنوع و مکروہ فرمایا اور اسی کی جانب شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کا اشارہ ہے - ۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

مگر ہر ملامت[۲۴] سے یہ قیاس کر لینا کہ یہ شخص معتقد، وجوبِ قیام کا ہے، درست نہیں - کیونکہ ملامت کی بہت سی وجہیں ہوتی ہیں - کبھی اعتقاد وجوب ہوتا ہے - کبھی محض مخالفتِ[۲۵] رسم و عادت - خواہ عادت دنیوی ہو یا مبنی کسی سببِ دینی پر ہو - کبھی وجہ ملامت[۲۶] یہ ہوتی ہے کہ وہ فعل اس لائم کے زعم میں، خواہ زعم صحیح ہو یا فاسد، کسی قوم بدعقیدہ کا شعار ٹھہر گیا ہے - اس فعل سے وہ استدلال کرتا ہے کہ یہ بھی انہیں لوگوں میں سے ہے - اس لیے ملامت کرتا ہے۔

۲۴؎ روئے سخن، مانعینِ میلاد اقدس اور منکرینِ قیام بوقتِ میلاد مبارک کی جانب ہے کہ میلاد مبارک میں تمہاری غیر حاضری اور قیام و سلام سے تمہاری روگردانی پر، اگر محفل میلاد اور بوقتِ ذکرِ تشریف آوری صلوٰۃ وسلام کو جائز و مستحب و کارِ ثواب جاننے والے، تم پر ملامت کریں، تمہاری طرف سے ان کے دلوں میں انقباض پیدا ہو، میل آئے اور تمہیں تیکھی نظروں سے دیکھیں، تب بھی تمہیں اس کی اجازت نہیں کہ تم اُن پر بدگمانی کرو اور اپنے واہی تباہی خیالات کی پیروی میں، اُن کی جانب کسی بدعقیدگی کی نسبت کرنے لگو اور یہ دعوے کرتے پھرو کہ یہ لوگ تو میلاد میں صلوٰۃ وسلام اور قیام کو فرض و واجب اعتقاد کرتے ہیں اور ان کے عقیدے میں قیام کرنا فرض و واجب کی مانند ضروری و لازم ہے۔ ایسا سمجھنا اور ایسا کہنا شرعًا درست نہیں۔ ۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

۲۵؎ اور مسلمانوں میں بلا ردّ و انکار جو رسوم و عادات، رواج پا چکی ہیں، ان کی اہمیت کا اندازہ اس حقیقت سے لگایئے جسے ائمہ ثلٰثہ نے صراحۃً بیان فرمایا کہ جس چیز سے شرع میں نہی نہ آئی اور بعد زمانۂ سلف کے، لوگوں میں جاری ہوئی، اس میں موافقت کرکے مسلمانوں کا دل خوش کرنا بہتر ہے اگرچہ وہ چیز بدعت ہی ہو۔ لہٰذا کسی فعل کی نسبت آنکھ بند کرکے یہ کہدینا کہ اس خصوصیت کے ساتھ، اس فعل کا حدیث میں کہیں ذکر نہیں اس لیے یہ حرام و ممنوع ہے جمہور محققین کے نزدیک فاسد و مردود اور ناقابل قبول ہے۔

علامہ برزنجی نے قولِ مذکور کو بحوالہ عین العلم ذکر کرکے فرمایا کہ اس پر دلیل وہ حدیث ہے کہ "اہل اسلام جس چیز کو نیک جانیں، وہ خدا کے نزدیک بھی نیک ہے"۔ اور وہ حدیث کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لوگوں سے اُن کی عادتوں کے موافق برتاؤ کرو (حاکم)" اور امام حجۃ الاسلام غزالی احیاء العلوم میں فرماتے ہیں۔ پانچواں ادب قوم کی موافقت کرنا ہے قیام میں۔ جب کوئی ان میں سے، سچے وجد میں، بے نمائش و تکلف، یا بلا وجد اپنے اختیار سے کھڑا ہو تو ضرور ہے کہ سب حاضرین اس کی

موافقت کریں اور کھڑے ہو جائیں کہ یہ آدابِ صحبت سے ہے۔ اور ہر قوم کی ایک رسم ہوتی ہے اور لوگوں سے اُن کی عادتوں کے موافق برتاؤ کرنا لازم ہے جیساکہ حدیث میں وارد ہوا۔ اور خصوصاً جبکہ اُن عادتوں میں اچھا برتاؤ، اور دلوں کی خوشنودی ہو۔

اور کسی کہنے والے کا یہ کہنا کہ یہ تو بدعت ہے۔ صحابہ سے ثابت نہیں، تو یہ کب ہے کہ جس چیز کے جواز کا (صحابہ و تابعین و تبع تابعین کے زمانہ مابعد میں) حکم دیا جائے۔ وہ انہیں خصوصیات کے ساتھ) صحابہ (وغیرہم) سے منقول ہو۔ بُری تو وہ بدعت ہے جو کسی سُنتِ مامور بہا کا کاٹ کرے۔ اور ان باتوں سے نہی کہیں نہ آئی۔ ایسے ہی سب مُساعدتیں مُعاونتیں۔ جب کہ ان سے دل خوش کرنا مقصود ہو اور ایک جماعت (خصوصاً علمائے اعلام) نے اُس پر اتفاق کر لیا ہو تو بہتر یہی ہے کہ ان کی موافقت کی جائے۔ مگر اُن باتوں میں جن سے ایسی صریح نہی وارد ہوئی کہ لائق تاویل بھی نہیں۔ یہاں تک امام حجۃ الاسلام غزالی کا ارشاد تھا کہ باختصار منقول ہوا۔ اور اسی پر علامہ برزنجی کا قول مبارک ختم ہوا۔"

تو جب ملامت کرنے والا، ترکِ قیام و سلام، کرنے والے پر اس لیے ملامت کرتا ہے کہ شخص مذکور "آدابِ مجالس میں سے اس آداب سے بھی واقف نہیں کہ حاضرین کا، موافقتِ واجدین میں کھڑا ہو جانا آدابِ صحبت سے ہے، تو قصور اس ملامت کرنے والے کا نہیں۔ کوتاہی اس بندۂ خدا کی ہے جس نے بلا وجہِ معقول، اپنے اوپر ملامت، اور اپنے لیے غیبت کا دروازہ کھولا جب کہ بہ کثرت حدیثیں اس بارے میں وارد ہیں کہ بلا وجہ شرعی وہ بات نہ کی جائے جس سے اُس کی غیبت کا دروازہ کُھلے۔ اور مسلمانوں کو نفرت دلائے۔ شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کا اشارہ انہیں امورِ مذکورہ کی جانب ہے۔ ۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

۲۶ چنانچہ دل سے حرم تک، عرب سے عجم تک، دُنیائے اسلام کا ہر سمجھدار، بچہ بچہ تک، یہ بات خوب جانتا ہے اور مانتا ہے کہ میلادِ اقدس کی محافلِ مبارکہ

برپا کرنا، اور بوقتِ ذکرِ ولادتِ اطہر، نبئ کریم صلی اللہ علیہ وسلم، قیام کرنا اور بہ نہایت تعظیم وادب، دست بستہ صلوٰۃ وسلام عرض کرنا، شعار ہے۔ اہلسنّت وجماعت کا۔ اور ان نورانی وبابرکت محفلوں سے احتراز کرنا، صلوٰۃ وسلام سے اجتناب برتنا، ان میں شرکت کرنے والوں پر اپنے گمان فاسد کی بناپر، اتہام وبدگمانی کی وادیوں میں بھٹک کر، اعتراضات کی بوچھاڑ کرنا، یہ شعار ہے اصول وہابیت کو اپنا کر، وہابیت کی راہیں اختیار کرنے والوں کا۔ اور بابائے نجدیت کے خدمت گزاروں کا۔ بلکہ لیلائے نجد کی دل فریب اداؤں، اور جانِ گسار عشوؤں پر مر مٹنے والے کلمہ گوؤں کا۔" اور اس بناپر یہ مسلمان، اُن منکرین و مانعین پر ملامت کرتے ہیں تو یہ ملامت کرنا، اور قابلِ مذمّت حرکات و افعال واقوال کو قابل مذمّت قرار دے کر، ایسوں سے دور ونفور رہنا اور ان سے اظہار نفرت کرنا، خود اپنی جگہ کوئی قصور، کوئی کوتاہی، کوئی تقصیر نہیں، بلکہ سراسر قصور اُن لوگوں کا ہے جو کسی بدعقیدہ قوم کے شعار کو اختیار کرنے اور اپنے لیے غیبت وملامت کے دروازے کھولتے ہیں۔ شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی عبارت پھر پڑھ جایئے۔ صاف صریح ہے انہیں مطالب ہیں جو ہم نے تفصیلاً ذکر کئے۔ ۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

مثلاً کوئی بزرگ مجلس میں تشریف لائیں اور سب لوگ تعظیم کو کھڑے ہو جاویں۔ ایک شخص بیٹھا رہے، تو اس پر ملامت اس وجہ سے کوئی نہیں کرتا کہ تو نے واجب شرعی ترک کیا۔ بلکہ اس وجہ سے کہ وضع مجلس کی مخالفت کی۔ یا مثلاً ہندوستان میں عموماً عادت ہے کہ تراویح میں جو قرآن مجید ختم کرتے ہیں، شیرینی تقسیم کرتے ہیں۔ اگر کوئی شیرینی تقسیم نہ کرے، تو ملامت کریں گے، مگر صرف اسی وجہ سے کہ ایک شئے رسمِ صالح کو ترک کیا۔

۲۷ے خصوصاً جبکہ تشریف لانے والا، اعلام دین متین اور مقتدایان مسلمین سے ہو۔ حتیٰ کہ فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی تلاوت کے دوران، عالم دین یا پیر یا استاد یا باپ آجائے تو تلاوت کرنے والا اس کی تعظیم کو کھڑا ہو سکتا ہے (غنیۃ المستملی) ذرا تصور کیجئے کہ مسلمانوں کا ایک اجتماع ہے۔ معززین جمع ہیں۔ ذکر و اذکار میں مصروف ہیں کہ ایک معزز ترین، صاحب عزّ و وقار، اعلم علمائے مصر تشریف ارزانی فرماتے ہیں، اُن کی تعظیم، اُن کی تکریم، اُن کی عزت ان کی توقیر کے لیے سارا مجمع کھڑا ہو جاتا ہے مگر ایک شخص، کسی گوشۂ مجلس میں بیٹھا، تلاوتِ قرآن میں مصروف رہتا ہے اُسے اُس معظّم دینی کے لیے قیام کا خیال نہ آیا، تو حاضرین محفل اُسے محبّت و عقیدت کی نگاہوں سے دیکھیں گے یا اُن کے دلوں میں۔ اس کی طرف سے بیزاری و نفرت پیدا ہو گی۔ اُس کی لوگ تعریف و توصیف کریں گے یا اُس پر طعن و ملامت کریں گے۔ تو اس ملامت و طعن کا مبنیٰ، کسی واجب شرعی کا ترک نہیں بلکہ اس کی وجہ یہی ہے جو حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ ارشاد فرماتے ہیں کہ اس پر ملامت کا مبنیٰ، وضع مجلس کی مخالفت ہے۔ ۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

۲۸ے الفاظ پر غور فرمایئے اور دل نشین کر لیجئے کہ کسی رسم صالح کا ترک بھی وجہ ملامت ہوتا ہے۔ اور رسم صالح وہی ہے جو صالحین میں مروّج ہو۔ اور رواج صالحین صرف اور صرف اُسی فعل کے ارتکاب کو کہا جائے گا جو کسی درجہ میں بھی شرعاً لزوم و وجوب سے متصف نہیں اور کسی طور پر اُسے لازم و واجب شرعی نہیں کہا جا سکتا۔ تو جب بلا ردّ و انکار رسم صالح و صالحین کا ترک کرنا وجہ لوم و باعث ملامت ہے تو اُس شناعت کا تصور کیجئے کہ صالحین میں مروّج ان افعال و اعمال کو بدعت شنیعہ قرار دے کر، ان صالحین کی طرف ارتکاب بدعت سیّئہ کی نسبت کی جائے اور نام دیا جائے اسے اشاعت سنّت کا۔ اور نقاب ڈالا جائے اس پر حمایت دین و ملّت کا۔

نادان یہ نہیں دیکھتے اور دیکھتے ہیں تو یہ نہیں سمجھتے کہ ان کے ترکش سے نکلے ہوئے یہ تیر، کس کس کے قلب و جگر کو گھائل کر رہے ہیں۔ عیاذاً باللہ ان کی

یہ بات تو ایسی ہے جس کی بنا پر تمام صحابہؓ و تابعین بھی بدعتی ٹھہرے جاتے ہیں۔
حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی اور شاہ ولی اللہ صاحب کی پروا کون کرے۔
۱۲۔ محمد خلیل عفی عنہ

یا مثلاً بجق کہنا، کسی زمانہ میں مخصوص معتزلہ کے ساتھ تھا۔ کوئی ناواقف کسی شخص کو بجق کہتا ہوا سن کر، اس خیال سے ملامت کرتا ہو کہ یہ شخص بھی اسی قسم کا ہے۔ اور اس سے اُس کے دُوسرے عقائد پر استدلال کر کے، مخالفت کرتا ہو۔ بہر حال صرف ملامت کو، دلیل[۲۹] اعتقاد و وجوب ٹھہرانا مشکل ہے۔ اور اگر فرضاً کسی عامی کا یہی عقیدہ ہو کہ قیام فرض و واجب ہے تو اس سے صرف اُس کے حق میں بدعت ہو جائیگا جن لوگوں کا یہ اعتقاد نہیں ان کے حق میں مباح و مستحسن رہے گا۔
بعض مُتشدّدین رجعتِ قہقری کو ضروری[۳۰] سمجھتے ہیں تو کیا یہ رجعت سب کے حق میں بدعت ہو جائے گی۔

۲۹ تو کسی عمل کو اس کی خصوصیات کے ساتھ جاری رکھنا، اُس کا ہمیشہ پابند رہنا۔ حتی الامکان اُسے ترک نہ کرنا، اِس بات کی دلیل نہیں کہ یہ فاعل اس فعل کو اپنے اعتقاد میں، واجب شرعی جانتا ہے یا ظنِ غالب اس کی ضرورت پر ہے یا اس کا ایک بار بھی قصداً چھوڑ دینا، گناہ اور قابلِ گرفت جرم شرعی ہے"۔
حاش للہ۔ کوئی جاہل سے جاہل مسلمان بھی اس عقیدہ کا نہ ملے گا، جو میلاد شریف، اور بوقت ذکر ولادت شریفہ، قیام کو ترک کر دینا گناہ اور جرم شرعی جانتا مانتا ہو، ہاں چونکہ اس عمل کو جاری رکھنا، اہلسنت و جماعت کا شعار جانا جاتا ہے اس لیے اس کا ترک اُس کی نگاہوں میں ضرور باعثِ ملامت ہے۔ اور یہ کوئی جرم نہیں آخر نہ دیکھا کہ احادیث شریفہ میں تمام اعمال مستحبہ و مستحسنہ میں اُن

اعمال کو زیادہ پسندیدہ و مقبول بارگاہ الٰہی فرمایا گیا جو پابندی سے ادا کیے جائیں صحیح حدیث شریف میں ہے اَحَبُّ الْاَعْمَالِ اِلَی اللّٰہِ اَدْوَمُھَا وَاِنْ قَلَّ۔ حدیث شریف کا یہ لفظ مبارک کہ اَدْوَمُھَا یعنی محبوب ترین عمل وہ ہے جو دَوامًا، علی الاتّصال، بلا ترک، پابندی سے جاری رہے۔ مُداوَمت سے اس کا ارتکاب کیا جائے۔ حضرت ابوامامہ باھلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ارشاد مبارک ضروری اللحاظ ہے کہ آپ نے فرمایا اَحْدَثْتُمْ قِیَامَ رَمَضَانَ وَلَمْ یُکْتَبْ عَلَیْکُمْ فَدُومُوْا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ وَلَا تَتْرُکُوْھَا۔ رمضان المبارک کی راتوں میں (۲۰) تراویح کا باجماعت ادا کرنا، اے صحابہ کرام تم نے ایجاد فرمایا ہے۔ شرعًا تم پر لازم نہ تھا۔ تو اب جو کرتے ہو اُسے ہمیشہ کرتے رہنا۔ زنہار اُسے ترک نہ کرنا"۔ فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ جو شخص تہجّد کا عادی ہو بلا عذر اُسے چھوڑنا مکروہ ہے کہ صحیح بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ارشاد فرمایا۔ "اے عبداللہ تو فلاں کی طرح نہ ہونا کہ رات کو اٹھا کرتا تھا۔ پھر چھوڑ دیا"۔

تو یہ احادیث کریمہ امور مستحبہ پر دوامِ عمل کا حکم فرماتی ہیں۔ وجوب و فرض نہیں ٹھہراتیں تو ان احادیثِ مبارکہ کی تعمیل میں اگر کوئی ایسے امور پر جو صالحین میں مقبول و معمول و مروّج رہے اور ہیں، دوامًا عمل کرے تو شرعًا بھی مقبول و محمود ہیں نہ کہ گناہ و جرم۔ اور انہیں گناہ و بدعت قرار دینا اور ان پر ہمیشگی کو وجوب اعتقاد کی دلیل ٹھہرانا وہی اتہام و بدگمانی ہے۔ ۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

نمبر۳۰ بارہویں ذی الحجہ خواہ تیرہویں کو منیٰ سے رخصت ہو کر، جب حاجی مکہ معظمہ واپس ہو گیا تو حکم ہے کہ جب تک مکہ معظمہ میں ٹھہرے، جتنے ہو سکیں، عمرے کرتا رہے۔ جنت المعلیٰ میں حاضر ہو کر، مدفونین کی زیارت کرے، علمائے کرام کی خدمت میں پہنچ کر ان کی خدمت کا شرف لے۔ یہانتک کہ وطنِ مالوف واپسی کا وقت آجائے اور عزم رخصت ہو تو طوافِ وداع بجالائے۔ پھر زمزم پر آکر پانی پیے۔

بدن پر ڈالے۔ پھر دروازۂ کعبہ کے پاس کھڑے ہو کر آستانۂ پاک کو بوسہ دے۔ پھر قلنزم پر آکر ذکر و دُعا کرے۔ پھر حجرِ اسود کو بوسہ دے اور جو آنسو رکھتا ہو وہ گرائے اور رونا نہ آئے تو رونے والوں کا سامنہ بنائے۔ وَیَرجِعُ قَہقَریٰ یعنی اُلٹے پاؤں، رُخ بہ کعبہ، کعبہ کو حسرت سے دیکھتا اور اس کی جدائی پر روتا مسجد کریم کے دروازے سے باہر نکلے۔

یہی رجعتِ قہقریٰ ہے۔ جس کے متعلق شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ بعض مُتشَدِّدین یعنی جن کے مزاج میں شدّت ہے اسے ضروری سمجھتے ہیں۔ تو کیا یہ رجعت سب کے حق میں بدعت ہو جائے گی"۔

مطلب یہ ہے کہ عزم رخصت ہو تو تمام امور مطلوبہ کے بعد، مسجد کریم سے نکلتے وقت یہ بھی جائز ہے کہ آدمی سیدھا چلے مگر بار بار پھر کر کعبہ کو حسرت سے تکتا ہے۔ اور یہ بھی روا ہے کہ کعبہ معظمہ کی جانب مونھ کیے۔ الٹے پاؤں مسجد کریم سے باہر آئے۔

اس دوسری صورت کے متعلق علامہ شامی نے ابن الکمال اور طرابلسی کے حوالہ سے فرمایا " وَقد فعلَہُ الاصحابُ یعنی اصحابُ مَذہبِنا و قال الزیلعی وَالعادہ بِہٖ جاریۃٌ فی تعظِیم الاکابرِ والمُنکرِ بِذالک مُکابِرٌ" یعنی ہمارے مذہب کے اصحاب و ارباب ذوی الرائے سے بھی ایسا کرنا ثابت ہے۔ اور امام زیلعی نے فرمایا کہ اسی بنا پہ عامۃ الناس کا معمول ہے کہ وہ پشت دے کر بزرگان ملت سے رخصت نہیں ہوتے۔ اور اس امر کا انکار کرنے والا آنکھوں دیکھے نہ ماننے والوں میں شامل ہے"۔

تو کہنا یہ ہے کہ اصحاب مذہب حنفی کے فعل کو سند بنا کر اگر کوئی شخص اس طرح رخ بہ کعبہ، مسجد کریم سے نکلنے کو ضروری و لازم جانے تو یہ خود اس کی کوتاہی ہوگی اس کی اس تقصیر کے ماتحت یہ حکم عام کیوں کر لگایا جا سکتا ہے کہ یہ رجعت سب کے حق میں بدعت ہے۔ یہ تو صریح اتہام اور عوام و خواص کی طرف بدگمانی ہے۔

نظیر اس کی وہ مسئلہ شرعیہ ہے کہ اگر کوئی ذبح کرنے والا، خاص وقتِ ذبح

تکبیر میں یوں کہے "بسم اللہ بنامِ خدائے بنامِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم"۔ تو یہ کہنا مکروہ تو بے شک ہے۔ مگر کفر کیسا، جانور حرام بھی نہ ہوگا۔ جبکہ اس لفظ سے اس کی نیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف تعظیم ہو۔ نہ معاذ اللہ حضور کو رب عزوجل کے ساتھ شرک کرنا۔ (قاضی خاں)

بلکہ اس سے بھی زائد خاص صورتِ عطف میں مثلاً بنامِ خدا و بنامِ فلاں" جس سے صاف' معنیٔ شرکت ظاہر ہے۔ اگرچہ مذہب صحیح، جانور کا حرام ہونا ہے۔ مگر حکم کفر نہیں دیتے کہ وہ امر باطنی ہے۔ کیا معلوم کہ اس کی نیت کیا ہے۔ (در مختار رد المحتار)

بالجملہ مسلمانوں پر بد گمانی حرام اور حتی الامکان' اُس کے قول وفعل کو وجہ صحیح پر محمول کرنا واجب۔ اور ارادۂ قلب' دل کی نیت پر، قائل کی تصریح کے بغیر، حکم شرعی لگانے کی اصلاً راہ نہیں۔ اور حکم بھی کیسا، کفر و شرک و بدعت کا۔ جس میں اعلیٰ درجہ کی احتیاط فرض۔ یہاں تک کہ ضعیف سا ضعیف احتمال، اُس کے بچاؤ کا نکلتا ہو تو اسی پر اعتماد لازم۔ کما حققہ المحققون فی تصانیفہم۔ اور اگر بالفرض بعض کور عقلوں، نرے جاہلوں احمقوں پر بہ ثبوتِ شرعی ثابت بھی ہو جائے کہ ان کا مقصود اس التزام' اور تعمیل علی الدوام سے یہی فرض و واجب شرعی ہے اور وہ اسے شرعاً فرض و واجب ہی اعتقاد کر کے اس پر عمل پیرا ہیں تو حکم شرعی صرف انہیں پر صحیح ہو گا۔ اُن کے سبب حکم عام لگا دینا اور باقی مسلمانوں کی بھی یہی نیت سمجھ لینا محض باطل ہے۔ قال اللہ تعالیٰ لا تزر وازرۃ وزر اخری۔ ہمیں شرع مطہر نے ظاہر پر عمل کا حکم فرمایا ہے اور صاف صاف فرما دیا ہے کہ مسلمان بھائی کے ہر قول وفعل کو نیک نیتی پر محمول کرو۔ تم اس کے باطن میں جھانک نہیں سکتے، دل کو اُسکے چیر نہیں سکتے تو اُس کے ارادہ و نیت پر تمہارے لیے حکم شرعی لگانے کی کیا گنجائش ہے کہ تمہیں باطن کی تکلیف نہیں دی گئی۔ یہ مجمل تشریح ہے۔ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے قول مذکور کی۔ ۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

اور بعض اہل علم، صرف جاہلوں[۳۱] کی بعض زیادتیاں دیکھ کر، جیسے موضوع روایات پڑھنا، گانا وغیرہ وغیرہ جیسا کہ مجالسِ جہلاء میں واقع ہوتا ہے، عموماً سب موالید پر ایک حکم لگا دیتے ہیں۔ یہ بھی انصاف کے خلاف ہے۔ مثلاً بعض واعظین موضوع روایات بیان کرتے ہیں۔ یا ان کے وعظ میں بوجہ اختلاط مردوں[۳۲] و عورتوں کے، کوئی فتنہ ہو جاتا ہے تو کیا تمام مجالس وعظ ممنوع ہو جاویں گی۔

؎ بہر کیکے تو گلیمے را مسوز

[۳۱] ایسے پیشہ ور جاہل واعظوں کے باب میں خود علمائے کرام اہلسنّت و جماعت نے تصریح فرمائی کہ "وعظ کا پیشہ" کہ آج کل نہ کم علم، بلکہ بہت نرے جاہلوں نے کچھ الٹی سیدھی اردو دیکھ بھال کر، حافظہ کی قوت، دماغ کی طاقت، زبان کی طلاقت، کو شکار مردم کا جال بنایا ہے۔ عقائد سے غافل، مسائل سے جاہل اور وعظ گوئی کے لیے آندھی۔ ہر جامع ہر مجمع، ہر مجلس ہر میلے میں غلط حدیثیں جھوٹی روایتیں، اُلٹے مسئلے۔ بیان کرنے کو کھڑے ہو جائیں گے اور طرح طرح کے حیلوں سے جو مل سکا کمائیں گے۔ اوّل تو انہیں وعظ کہنا حرام قطعی

؎ او خویشتن گم ست کرا رہبری کند

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "جو بے علم قرآن کے معنی میں کچھ کہے وہ اپنا ٹھکانہ، جہنم میں بنالے۔ دوسرے ان کا وعظ سننا حرام سمّٰعُونَ لِلْکَذِبِ۔ تو سارے جلسے کا وبال ایسے واعظ کی گردن پر ہے"۔ پھر بھی ایسے جاہلوں ناخدا ترسوں کی روش پر، تمام محافل میلاد پر یکساں حکم شرع لگا دینا۔ اور سب کو ایک لکڑی سے ہانکنا، انصاف کے تو سراسر خلاف ہے ہی۔ نئی شریعت گڑھنے، مسلمانوں کو ایک فعل جائز پر طعن و تشنیع کرنے اور اُن کی دل آزاری کا وبال، اس سے بڑھ کر، مگر وہی مثل ہے کہ

؎ چھٹتی نہیں ہے منہ سے، یہ ظالم لگی ہوئی۔

ایسوں ہی واعظوں اور ایسے واعظوں کی ایسی ہی مجلسوں کے بارے میں امام اہلسنّت امام احمد رضا خاں قدس سرہٗ نے فرمایا" بلکہ اگر واعظ، اکثر واعظانِ زمانہ کی طرح کہ جاہل و ناعاقل، وبیباک و ناقابل ہوتے ہیں۔ مبلغِ علم کچھ اشعار خوانی، بے سروپا کہانی یا تفسیر مصنوع (کہ من گھڑت تفسیریں کریں) یا تحدیثِ موضوع (کہ دل سے تراشی ہوئی حدیثوں کی روایتوں پر مریں) نہ عقائد کا پاس، نہ مسائل کا احتفاظ (کہ محفوظ مسائل ہی کے بیان پر اکتفا کریں) نہ خدا سے شرم، نہ رسول کا لحاظ، غایت مقصود (وانتہائے طلب) پسند عوام۔ اور نہایتِ مراد (و مطلوبِ حقیقی) جمع حطام۔ (کہ دولت ہاتھ آئے۔ عوام وجہال کی واہ وا کے پردہ میں ہُن برسے۔ ان کا دامن بھرے۔ یا ذاکر، ایسے ہی ذاکرین غافلین، مبطلین سے (جو حق سے غافل، ناحق میں شاغل رہے ہیں) کہ رسائل پڑھیں تو جہال معزور کے، اشعار گائیں تو شعراء بے شعور کے۔ انبیاء کی توہین۔ خدا پر اتہام۔ اور نعت ومنقبت کا نام بدنام۔ جب تو (ایسوں کی مجلسوں میں) جانا بھی حرام۔ بھیجنا بھی حرام"۔ تو کیا ان جاہلوں کی ایسی مجالس و مواعظ پر تکیہ کرکے میلاد اقدس کی ان محافل کو مطلقاً حرام و بدعت کے زمرے میں داخل کر دیا جائے گا۔ حاشا ہرگز نہیں۔
۱۲۔ محمد خلیل عفی عنہ

۳۲ میلاد مبارک کی محافل مقدسہ میں، اجنبی تو پھر اجنبی ہیں، مردوں اور عورتوں میں، وہ جو ایک دوسرے کے ابدی محرم ہیں جیسے ماں باپ بیٹے بیٹیاں، خالائیں اور بھانجے بھانجیاں، پھوپھیاں اور بھتیجے بھتیجیاں، حقیقی بھائی بہنیں ان میں بھی مجلسِ ذکر پاک کے عین دوران، نہ کہیں دیکھنے میں آیا۔ نہ سننے میں، کہ وہ باہم یکجا بیٹھیں۔ بلکہ عورتوں کا بندوبست علیحدہ ہوتا ہے۔ مردوں کا اہتمام و انتظام، ان کی مجلس سے دور عمل میں آتا ہے۔ اس کے باوجود قناتیں و بیز پردے دونوں میں حائل رہتے ہیں۔ اور اگر کبھی دورانِ بیان، واعظ کو محسوس ہوتا ہے کہ عورتیں سننے سنانے میں نہیں، بلکہ مجلسِ وعظ و ذکر اقدس میں، اپنی کچہریاں پکانے

میں مصروف ہیں، تو ذاکر تنبیہ کر دیتا ہے کہ وعظ و ذکر کے وقت عورتیں اپنی مجلس نہ جمائیں۔ اپنا رنگ نہ منائیں۔ اور فرض کر لیں کہ عورتیں اپنی لغو و لایعنی حرکات سے باز نہ آئیں، تو ان کی اصلاح کی کوشش اور تیز تر کر دی جائے گی۔ نہ یہ کہ ان محافل کو علی الاطلاق حرام و بدعت کہہ کر، ذکر و تذکیر، پند و نصیحت کا دروازہ ہی بند کر دیا جائے۔ سب ہی تو یکساں نہیں اور ہمہ اوقات، ایک حالت پر نہیں۔ تو ان قلیل و نادر لغویات کے باعث، سب کو ایک ہی لکڑی سے کیسے ہانک دیا جائے۔ عزیزو، عوام الناس، پھر عوام الناس ہیں، وہ خدا و رسول کی باتیں، جتنی سن لیں، انہیں مضر تو نہیں۔ مفید ہی ہوں گی۔ تو باب تذکیر، ہم کیوں ان پر مقفل کریں۔ اور ایک پسّو کے باعث، پورا کمبل ہی نذر آتش کر دیں۔ آگ میں جھونک دیں۔ ۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

رہا یہ اعتقاد[۳۳] کہ مجلس مولد میں حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم رونق افروز ہوتے ہیں۔ اس اعتقاد کو کفر و شرک کہنا، حد سے بڑھنا ہے۔ کیونکہ یہ امر ممکن ہے[۳۴] عقلاً و نقلاً۔ بلکہ بعض مقامات[۳۵] پر اس کا وقوع بھی ہوتا ہے۔ رہا یہ[۳۶] شبہہ کہ آپ کو کیسے علم ہوا۔ یا کئی جگہ کیسے ایک[۳۷] وقت میں تشریف فرما ہوئے، یہ ضعیف شبہ ہے۔ آپ کے علم و روحانیت کی وسعت، جو دلائل نقلیہ و کشفیہ سے ثابت ہے، اس کے آگے ایک ادنی سی بات ہے۔

[۳۳] مجلس میلاد النور میں حضور پر نور سید عالم، عالم اعلم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کا اعتقاد، بایں معنی کہ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بشریت منورہ" اور جسد خاکی و جسم بشری کے ساتھ، مجلس میلاد میں ہر ایک کے سامنے تشریف فرما ہوتے ہیں۔" یہ تو ایسا جیتا جاگتا، اتہام اور مسلمانان اہلسنت و جماعت پر ایسی تہمت تراشی ہے جسے ہر ادنی فہم و فراست، اور نور بصارت رکھنے والا، مسلمان تو

مُسلمان، غیر مُسلم بھی ہرگز ہرگز تسلیم نہ کرے گا کہ مُسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے۔ ہاں اگر عقیدہ یہ ہو کہ اللہ عزّوجلّ نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ذاتِ پاک کا مظہر بنایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ انور سے تمام عالمِ خلق و عالمِ امر کو منوّر فرمایا، بایں معنی ہر جگہ حضور تشریف فرما ہیں۔ یعنی جس طرح روح، اپنے متعلق جسم کے ہر جزء میں جاری و ساری ہوتی ہے اور جسم کے ذرّہ ذرّہ میں اُس کا فیضان جاری و ساری رہتا ہے اور جسم کا کوئی مختصر سے مختصر جزء اس سے بے نیاز، ولاتعلق و بے علاقہ نہیں رہ سکتا، اسی طرح روحِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم (کہ حضور نہ ہوتے تو کچھ نہ ہوتا) کی حقیقتِ منوّرہ، ذراتِ عالم کے ہر ذرّہ میں جاری و ساری ہے کہ اپنے وجود اپنی بقا میں اُن سے مستغنی نہیں۔ عالم جس طرح اپنے ابتدائے وجود میں ان کا محتاج تھا کہ وہ نہ ہوتے تو کچھ نہ بنتا۔ یونہی ہر شے اپنی بقاء میں ان کی دست نگر ہے۔ آج ان کا قدم درمیان سے نکال لیں تو عالم دفعۃً فنائے محض ہو جائے۔ تمام جہاں جس طرح ابتدائے وجود میں ان کے نورِ انور سے مستفیض ہوا، بعد وجود بھی ہر آن ہر لحظہ اُسی کی مدد سے بہرہ یاب ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام عالم کی جان و حیات و سبب وجود ہیں۔ حضور نہ ہوں تو عالم نیست و نابود ہو جائے۔ اور یہی وہ نورانیت و روحانیت ہے جس کی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہاں وہاں، تشریف فرما ہیں۔" تو اس بنیاد پر اس عقیدے کو، کفر و شرک کہنا، حد سے بڑھنا، اور خواہ مخواہ مسلمانوں کو کافر و مشرک ٹھہرانا ہے۔ اور محض اپنی کج فہمی، کجروی اور مسلمانوں پر ناحق بدگمانی ہے۔ کس نے کہہ دیا کہ مسلمان، محافل میلاد میں عیاناً، اپنی آنکھوں دیکھے، حضور کی تشریف آوری کا عقیدہ رکھتے ہیں، منکرین کو یہاں نہ قرآنی احکام یاد آتے ہیں۔ اور نہ فرمانِ نبی کی طرف دھیان لاتے ہیں کہ "تو نے اُس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھا۔ کہ دل کے عقیدے پر اطلاع پاتا۔ ۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

۱۴۳ تو جو امر عقلاً بھی ممکن ہے کہ عقل اس کے وجود سے انکار نہیں کرتی۔ اُس کا واقع ہو جانا حدِ امکان میں مانتی اور جانتی ہے اور نقلاً بھی اس کے وجود کے انکار پر

کوئی وجہ وجیہ نہیں تو عقل و نقل دونوں کے حکم کے خلاف، اپنی ناقص رائے، ناتمام علم اور قیاسِ فاسد کو حکم بنانا، نہ صرف عقل کی تیرگی ہے بلکہ ایسوں کی دولت علم "وافر بھی ہو تو بھی سرمایۂ جہالت ہے۔ اور اپنی خواہشات کا اتباع۔ ۲۱احمد خلیل ۵ ۱۸ء حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہ نفس نفیس، ان مجالس و محافل میں یقینی تشریف آوری کا تو کوئی معتقد نہیں۔ سوال صرف یہی کہ کیا یہ ممکن ہے؟ اور کیا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی محفل میں تشریف فرما ہونا، وقوع میں آیا؟ شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے دونوں شبہات کا جواب دیا کہ ہاں اُن کا تشریف لانا، عقلاً بھی ممکن ہے اور نقلاً و شرعاً بھی روا۔ یونہیں بعض مقامات پر اس کا وقوع بھی ہوا۔ بلکہ اس کا وقوع ہوتا ہے اور تشریف آوری کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

قلائد الجواہر فی مناقب عبد القادر، اگر منکرین کی نظروں سے اوجھل ہے تو تلاش کرلیں چھپی ہوئی ہے چھپی ہوئی نہیں کہ دستیاب نہ ہوسکے۔ اس کے شروع ہی کے صفحات پر ہے۔" وقال استاذنا الشیخ عبد القادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

"رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل الظہر فقال لی یا بُنَیَّ لم لا تتکلم الخ

فرماتے ہیں حضور پُر نور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ میں زیارت انور حضور اظہر صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل نماز ظہر مشرف ہوا تو ارشاد فرمایا" بیٹا تم لوگوں سے خطاب کیوں نہیں کرتے؟" میں نے عرض کیا یارسول اللہ! میں عجمی ہوں۔ ان فصحائے بغداد کی موجودگی میں کیسے خطاب کروں۔ ارشاد فرمایا" اپنا منہ کھولو"۔ میں نے اپنا منہ کھولا تو حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے سات مرتبہ اپنا لعاب دہنِ اقدس میرے منہ میں ڈالا اور ارشاد فرمایا تکلَّمْ علی النّاسِ۔ پند و وعظ شروع کرو۔" چنانچہ میں نے نمازِ ظہر ادا کی۔ اور کرسی خطاب پر بیٹھا۔ سامنے جم غفیر تھا۔ خطاب کی ہمت اب بھی نہ ہوئی اور جھرجھری آنے لگی۔ اچانک میری نظر مولیٰ علی پر پڑی۔ آپ نے فرمایا۔" اپنا منہ کھولو"۔ میں نے منہ کھولا تو آپ نے چھ مرتبہ لعاب دہن مبارک میرے منہ میں ڈالا۔

میں نے عرض کیا "ساتھ بارکیوں نہیں۔" فرمایا "رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ادب کی خاطر۔ الخ

اسی صفحہ پر آگے آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی مجلس میں خلعتِ ولایتِ کبریٰ و قطبیت عنایت فرمائی۔ اور وہ واقعہ بھی آپ کے علم میں ہوگا۔ کہ حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مصروف وعظ تھے۔ کرسی خطابت کے قریب ہی حضرت علی بن ہیتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر خدمت ہیں۔ ناگاہ حضرت علی بن ہیتی پر غنودگی طاری ہوئی۔ حضور نے فرمایا کہ تمام لوگ خاموش رہیں۔ تمام حاضرین ایسے خاموش ہوئے کہ سانسوں کی آوازوں کے علاوہ کوئی آواز نہ تھی۔ ادھر حضور غوث پاک اپنی کرسی سے نیچے تشریف لائے اور باادب تمام سر جھکائے کھڑے ہو گئے۔ اتنے میں حضرت علی بن ہیتی کو افاقہ ہوا تو حضور غوث اعظم نے فرمایا کہ خواب میں تم زیارتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے ہیں اسی لیے باادب کھڑا رہا حضرت علی بن ہیتی نے فرمایا کہ لوگو! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بحالت خواب دیکھا اور حضرت شیخ عبدالقادر بحالت بیداری زیارت سے مشرف ہوئے" منکرین بتائیں کہ بعض مواضع و محافل وعظ میں آپ کی تشریف آوری پر ایمان لائے یا نہیں۔

۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

۳۶ یہ شبہ کہ آپ کو کیسے علم ہوا، شبہ نہیں بلکہ شیطانی وسوسہ ہے۔ ہر مسلمان جانتا اور بالیقین مانتا ہے کہ اللہ عزوجل نے اپنے حبیب اکرم، عالم اعلم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمامی اولین و آخرین کا علم عطا فرمایا۔ شرق تا غرب، عرش تا فرش، سب انہیں دکھایا۔ ملکوت السمٰوات والارض کا شاہد بنایا۔ روزِ ازل سے روزِ آخر تک کا، سب ماکان و مایکون انہیں بتایا۔ جس کی تفصیل، جس کا بیان علمائے محققین نے اپنی تصنیفات میں جگہ جگہ بصراحت فرمایا۔

مگر مخالفین کو تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل کریمہ کی روشنی نے اندھا بہرا کر دیا۔ انہیں حق نہیں سوجھتا۔ مگر تھوڑی سی عقل والا بھی بآسانی

سمجھ سکتا ہے کہ علم یقیناً ان صفات میں ہے کہ مخلوقِ خدا کو بعطائے خدا مل سکتا ہے۔ اور کس حد تک مل سکتا ہے؟ اس کا اندازہ اُس حدیث سے ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں۔ "اگر میرے اُونٹ کی رسی گُم ہو جائے تو میں قرآن عظیم میں اُسے پالوُں"۔ (الاتقان) امیرالمومنین علی مرتضیٰ فرماتے ہیں " میں چاہوں تو سورہ فاتحہ کی تفسیر سے ستّر اُونٹ بھروادوں۔" یہ فقط سورۂ فاتحہ کی تفسیر ہے۔ پھر باقی کلام عظیم کی کیا گنتی۔ پھر یہ علم، علم علی ہے۔ اس کے بعد علمِ عمر، اس کے بعد علم صدیق کی باری ہے کہ ذہب عمر بتسعۃِ اعشار علم، عمر علم کے نو حصے کیے گئے۔ کان ابوبکر اعلمنا۔ ہم سب میں زیادہ علم، ابوبکر کو تھا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

پھر علم نبی تو علم نبی ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ تو جسے جتنا علم، اتنی ہی فہم۔ جسقدر فہم اسی قدر علم۔ قرآن عظیم ارشاد فرماتا ہے۔ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ۔ کہاوتیں ارشاد تو سب کے لیے ہوتی ہیں۔ پر اُن کی سمجھ اُنہیں کو ہے جو علم والے ہیں۔" پھر مسلم کے مدارج بے حد متفاوت۔ اور علماء کے مراتب میں نمایاں تفاوت۔ ایک سے بڑھ کر ایک۔ کہ فَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ط اور عالم امکان میں تمام نہایتوں کی نہایت، حضور سید الکائنات ہیں علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلوات والتحیات۔

تو انہیں کے بارے میں یہ سوچنا کہ آپ کو کیسے علم ہوا۔ آیات و احادیث سے مُنہ موڑنا، اور اپنی خواہشات کو امام بنا کر، انہیں کے پیچھے دوڑنا ہے۔ یا للعجب! اتنا بھی یاد نہ آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ "بے شک اللہ عزوجل نے میرے سامنے دُنیا اُٹھالی ہے، تو میں اُسے اور جو کچھ اُس میں قیامت تک ہونے والا ہے سب کو ایسا دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی اس ہتھیلی کو دیکھتا ہوں (طبرانی۔ ابونعیم)

اس حدیث سے روشن کہ آسمان و زمین کے تمام طبقات، اور جو کچھ ان میں ہے اور جو کچھ قیامت تک ہوگا اُس سب کا علم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا گیا۔

اور یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم تمام جہاں کو محیط ہوا۔ تمام جہاں پر اللہ عزوجل نے انہیں اطلاع بخشی۔ مگر منکرین بیچارے، عقل کے مارے، ابھی تک اسی خبط میں مبتلا، شبہات و وساوس کی وادیوں میں بھٹک رہے ہیں کہ آپ کو کیسے علم ہوا۔
۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

۳۷ھ ایک ہی وقت میں متعدد مقامات پر تشریف فرما ہونا، جیسے وہابیہ کی کور فہمی آج تک نہ سمجھ پائی، حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم و روحانیت کی وسعتوں کے روبرو یہ محض ادنیٰ سی بات ہے۔ اور یہ وہ حقیقت ہے جس کی حقانیت پر دلائل نقلیہ و کشفیہ قائم ہیں"۔ تو اس کا انکار بھی حقیقتِ ثابتہ کا انکار ہے جسے صرف انکار برائے انکار کہا جا سکتا ہے۔ یعنی مکابرہ یا مجادلہ۔ اور یہ کجروی ہے۔ کجرووں کا طریقہ ہے کج فہموں کا وثیقہ ہے۔ وَمن لَمْ یَجْعَلِ اللّٰہُ لَہٗ نُوْرًا فما لَہٗ مِنْ نُور۔

اہلِ انصاف کے لیے اتنا ہی سمجھ لینا کافی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عالم بیداری میں تشریف فرما ہونا اور اپنے غلامان بارگاہ کو اپنے لطف و کرم اور فیض اتم سے مستفید و مستفیض فرمانا ایسا مسئلہ اور ایسی حقیقتِ ثابتہ ہے جسے اکابر امت نے بالتصریح اپنی تصانیف میں ذکر فرمایا اور جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مقربانِ بارگاہ خداوندی بالخصوص انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کسی ایک مکان میں مقید نہیں رہتے۔ وہ بیک وقت متعدد مقامات پر تشریف فرما ہوں تو یہ عین ممکن بلکہ واقع ہے۔ شب معراج شریف میں انبیائے کرام کا مسجد اقصیٰ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز ادا کرنا۔ اور پھر آسمانوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شرفِ ملاقات پانا۔ صاف بتا رہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام بیک وقت عالم دنیا، عالم برزخ اور عالم آخرت میں موجود ہیں۔ حالانکہ ان کی قبور منورہ زمین ہی پر ہیں۔ اور یہ بات کسی نے آج تک نہ کہی کہ انبیائے کرام اپنی اپنی قبور مقدسہ سے آسمانوں کی طرف منتقل کر دیئے گئے۔ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنی

قبرِ انور میں رونق افروز ہونے کے باوجود اگر متعدد مقامات پر تشریف ارزانی فرمائیں اور اپنے غلاموں کو اپنی زیارت اقدس سے مشرف فرمائیں تو یہ کونسی ناشدنی ہے جو منکرین کی عقلوں میں نہیں آتی۔

یوں نہیں مانتے اور ہماری نہیں مانتے تو حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مان لیجئے۔ اشعۃ اللمعات چھپی ہوئی موجود ہے "باب اثبات عذاب القبر" نکالیے اور پڑھنا شروع کیجئے وہ حدیث شریف جس میں مذکور کہ "جب بندے کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور دفن کرنے والے دفن کر کے وہاں سے چلے جاتے ہیں تو اس کے پاس دو سیاہ رنگ، نیلگوں آنکھوں والے فرشتے آتے ہیں۔ مُردے کو اُٹھا کر بٹھاتے ہیں اور اُس سے سوال کرتے ہیں (مَنْ رَّبُّکَ تیرا رب کون ہے؟ مَادِیْنُکَ تیرا دین کیا ہے؟ اور مَاکُنْتَ تَقُوْلُ فِیْ ھٰذَا الرَّجُلِ۔ ان کے بارے میں تو کیا کہتا تھا؟ اور ھٰذَا الرَّجُلِ (ان) سے مراد وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات لیتے ہیں"۔ ان کلمات کی تشریح میں حضرت شیخ قدس سرہ نے فرمایا کہ یہاں لفظ ھٰذَا (ان) سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب اشارہ، آپ کے (قبرِ انور میں تشریف فرما ہونے کے باعث یہاں سے) غائب ہونے کے باوجود، یا تو اس لیے ہے کہ یہ امر مشہور ہے (خواہ نام لیا جائے یا نہ لیا جائے ذہن انہیں کی ذاتِ اقدس کی طرف منتقل ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سب کے ذہنوں میں، اپنی جسمانی غیر موجودگی کے باوجود، حاضر و موجود ہیں۔

یا باحضارِ ذاتِ شریف وے درعیاں، بایں طریق کہ درقبر مثالے از حضرت وے صلی اللہ علیہ وسلم حاضر می ساختہ باشند۔ تا بمشاہدۂ جمال جان افزائے او عقدۂ اشکال، کہ درکار افتادہ، کشادہ شود و ظلمتِ فراق، بنور لقائے دلکشائے او روشن گردد"۔

یعنی یا لفظ ھٰذَا سے ذاتِ اقدس کی جانب اشارہ اس بنا پر ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس، اس کی نگاہوں کے روبرو ہے۔ بایں معنیٰ کہ

اِس کی قبر میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مثالی موجود ہو۔ تاکہ آپ کے جمالِ جانفزا کے مشاہدہ سے، اُس مشکل کی عقدہ کشائی ہو جائے جس سے اُسے واسطہ پڑا ہے۔ اور ہجر و فراق کی ظلمت' ان کی روح پرور، وجاں افروز زیارت کی بدولت سمٹ جائے۔"

اور بڑا ظلم ہو گا شمعِ رسالت کے پروانوں پر' اگر انہیں عاشقانِ پاک طینت کی یہ بات نہ بتائی جائے کہ "دریں جا بشارنیست' مر مشتاقانِ مخمر دار اکہ اگر بر امید ایں شادی جاں دہند و زندہ در گور روند جائے آں دارد۔

یعنی بندۂ مومن کا، زیارتِ اقدس حضور انور سے مشرف ہو جانا اگرچہ بعد از مرگ سہی، بشارتِ عظمیٰ ہے عمزدہ مشتاقانِ جمالِ یار کو۔ کہ اگر وہ رُوئے زیبا کی زیارتِ انور کی توقّع و امید پہ اگر اپنی جان بھی نذرانے میں پیش کر دیں، بلکہ زندہ در گور ہو جائیں۔ تو یہ بھی بے موقع نہیں بلکہ برجا و برمحل ہے۔ ؎

شب عاشقانِ بیدل چہ شب دراز باشد
تو بیا گر اوّلِ شب، در صبح باز باشد

خدایا! منکرین کی آنکھیں کھول اور انہیں شکوک و شبہات کی دلدلوں سے نکال کر سلامت روی کے ساحل تک پہنچا۔ آمین

مُسلمانو! انبیائے کرام تو پھر انبیائے کرام ہیں علیہم الصلوٰۃ والتسلیم۔ اُن کے غلامانِ بارگاہ بھی بعطائے الٰہی اتنی مقدرت رکھتے ہیں کہ اپنی نورانیت و روحانیت کے ساتھ متمثّل ہو کر، جسم مثالی کے ساتھ متعدد مقامات پر ظہور فرمائیں چنانچہ وہ ظہور فرماتے اور بیک وقت مختلف مقامات پر دیکھے جاتے ہیں۔

میر عبد الواحد بلگرامی قدس سرّہ السامی اپنی کتاب مستطاب سبع سنابل میں کہ بارگاہِ رسالت مآب سے شرفِ قبولیت سے مشرف ہے ارشاد فرماتے ہیں کہ "لوہے کو صیقل کیا تو اس میں وہ صفائی حاصل ہوئی کہ عکس کی نمائش، صرف اس کی صفائی کی بدولت میسر آئی۔ پھر آئینہ اگر قریب ہوتا ہے تو وہ عکس قریب نظر آتا ہے اور اگر دور ہوتا ہے تو دور۔ اور وہ جتنا دور ہوتا جائے گا، عکس بھی دور ہی نظر آتا جائے گا۔

اگر آئینہ کو آسمان کے مقابل رکھو تو آسمان کا عکس، اور آفتاب کا عکس بھی، اگرچہ وہ چوتھے آسمان پر ہے، اس صفائی میں نمودار ہو جائے گا۔ اور اگر آسمان حائل نہ ہو تو تمام سفلیات اور علویات اس کی صفائی میں نمودار ہو جائیں۔ اسی طرح تیرے دل کا آئینہ اگر مُصَقّل و مُصَفّا ہو جائے تو تمام عالم پست و بالا کی، اس میں جلوہ نمائی ہو اور بایں طور "تو در جملہ امکنہ حاضر باشی" تمام مقامات پر تیرا ہی ظہور ہوا اور تو ہر مقام پر حاضر و موجود۔" سبحان اللہ یہ مقام غلامانِ خاص کا ہے تو پھر صحابۂ کرام، پھر انبیائے اولی الاحترام پھر سید الانبیاء سید الانام صلوٰۃ اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین کے مقاماتِ رفیعہ کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔ ۱۲ خلیل عفی عنہ

آخر نہ دیکھا کہ جبریل علیہ السلام جب خدمتِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوتے تو سدرۃ المنتہیٰ سے جدا نہ ہوتے۔ معلوم ہوا کہ اِنَّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم حی بجسدِہٖ وروحہٖ وانّہٗ یتصرّفُ وَیَسِیْرُ حیثُ شاءَ فی اَقطارِ الارضِ وَ الملکوتِ۔ یعنی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اپنے جسم اقدس اور روح الانور کے ساتھ زندہ ہیں اور زمین کے اطراف و ملکوتِ اعلیٰ میں جہاں چاہیں سیر فرماتے ہیں (روح المعانی) اور اس امر سے کوئی شے مانع نہیں ہے۔ کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مثالی اجسام، بے شمار، لاتعداد ہو جائیں اور اس کے باوجود ہر جسم مثالی کے ساتھ آپ کی روح الانور کا تعلق بالکل اسی طرح قائم رہے جس طرح ایک ہی جسم کے الگ الگ اعضاء اور اجزاء کے ساتھ ہوتا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے روح المعانی۔

مسلمان خوب یاد رکھیں کہ کسی کی موت کے بعد، روح فنا نہیں ہوتی۔ اُس کے تمام افعال و ادراکات جیسے دیکھنا، سننا، بولنا، آنا، جانا، چلنا، پھرنا سب بدستور رہتے ہیں۔ بلکہ اس کی قوتیں بعد مرگ اور صاف اور تیز ہو جاتی ہیں۔ حالتِ حیات میں جو کام ان آلاتِ خاکی یعنی آنکھ کان ہاتھ پاؤں زبان سے لیتے تھے اب بغیر ان کے کرتی ہے۔ اگرچہ جسمِ مثالی کی یاوری سہی۔ حدیث میں فرمایا جب مسلمان مرتا ہے

اُس کی راہ کھول دی جاتی ہے۔" اس کی مثال یہ بیان فرمائی کہ ایک پرندہ پہلے قفس میں بند تھا اور اب آزاد کر دیا گیا" اور جب وہ آزاد ہے تو اس کے لیے قُرب و بُعد سب یکساں۔ یہ عالم ہے عوام مسلمان کی روح کا۔ ان کے بعد خواص ہیں۔ پھر اولیاً و مشائخ ہیں۔ پھر صحابہ کرام ہیں۔ پھر انبیاء و مرسلین ہیں۔ پھر سید العالمین ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ تو ان کی ترقیوں کا ادراک کون کر سکتا ہے۔ اور کون اُن کی ان عظمتوں رفعتوں پر پہرے بٹھا سکتا ہے۔

حضرت مُلّا علی قاری شرح شفا شریف میں فرماتے ہیں ان روح النبی صلی اللہ علیہ وسلم حاضرۃٌ فی بیوت اھل الاسلام۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کریم تمام جہاں میں، ہر مسلمان کے گھر میں تشریف فرما ہے"۔ منکرین اب اپنے لیے کوئی اور پناہ گاہ ڈھونڈ لیں۔ ۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

علاوہ[۳۸] اس کے اللہ کی قدرت تو محلِّ کلام نہیں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے[۳۹]۔ کہ اپنی جگہ تشریف رکھیں اور درمیانی حجاب اُٹھ جائیں۔ بہر حال ہر طرح یہ امر ممکن ہے۔ اور اس سے آپ کی نسبت، اعتقادِ علمِ غیب لازم نہیں آتا جو کہ خصائص ذاتِ حق سے ہے۔ کیونکہ علمِ غیب[۴۰] وہ ہے جو مقتضاء ذات کا ہے۔ اور جو با علامِ خداوندی ہے وہ ذاتی نہیں۔ بالسبب ہے۔ وہ مخلوق کے حق میں ممکن، بلکہ واقع ہے اور امرِ ممکن کا اعتقاد شرک و کفر کیونکہ ہو سکتا ہے۔

۳۸ اہلسنت کو بحمد اللہ تعالیٰ اُن کے رب عزوجل نے ایک پاکیزہ یقینی قطعی قانون ایسا بتا دیا ہے جو کہیں منتقض نہیں ہوتا۔ کوئی نقض اس کی افادیت و اہمیت نہیں کھوتا۔ نہ کبھی اُس میں تبدیل ممکن۔ نہ کسی تحویل و تغیر کا اس میں امکان۔ یہ وہ قانونِ مقدس ہے جس نے کل کے دہریوں فلسفیوں معتزلیوں، اور آج کے نیچریوں رافضیوں

وہابیوں، وغیرہم بد دینوں کی ناپاک گڑھنت کے قانون سے یکسر غنی کر دیا۔ اور جس نے دربارۂ قدرت الٰہی عزّ جلالہٗ، جن سخت خلفشاروں میں ابلیس لعین نے ان مسخروں کو ڈالا، اُن سب سے دفعۃً نجات دے کر سُنّی مسلمانوں کو اپنے ظلِّ حمایت میں لے لیا۔ تمام کائنات، اوّل تا آخر، ابد الآباد تک، اور نہ صرف کائنات و موجودات، بلکہ جملہ ممکنات، اُسی ایک سچے حقیقی قانون سے وابستہ ہیں۔ جس پر ایمان لانیوالے کو، نہ کسی مشکل کا سامنا، نہ کسی اعجوبہ سے گھبرا کر توجیہ و تاویل یا تحویل و تبدیل کا دامن تھامنا۔ والحمد للہ رب العلمین۔ ہاں جانتے ہو کہ وہ پاک مبارک قانون کیا ہے؟ وہ یہ کہ: یَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَاءُ۔ اللہ جو چاہے کرتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ بے شک اللہ جو چاہتا ہے حکم فرماتا ہے۔ وَرَبُّکَ یَخْلُقُ مَا یَشَاءُ وَیَخْتَارُ مَا کَانَ لَھُمُ الْخِیَرَۃُ۔ تیرا رب جو چاہتا بناتا اور اختیار فرماتا ہے۔ اُن کا کچھ اختیار نہیں۔ لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَھُمْ یُسْئَلُوْنَ۔ اُس سے کوئی پوچھنے والا نہیں کہ یہ کیوں کیا۔ اور سب سے سوال ہوگا۔ وَلَا یُشْرِکُ فِیْ حُکْمِہٖٓ اَحَدًا۔ وہ اپنے حکم میں کسی کو دخل نہیں دیتا۔ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ بیشک اللہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ تو نہ وہ کسی قانون کا پابند ہے نہ کسی عادت کا محکوم۔ نہ کوئی ممکن اُسے دشوار ہے نہ کسی شے کا اُس پر وجوب و لزوم۔ اسی مقدس منوّر عقیدے کو اہلسنّت نے اپنے متونِ عقائد میں ان دو لفظوں سے ادا کیا ہے کہ لَا یَجِبُ عَلَیْہِ شَیْءٌ۔ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں۔ اُسی رب قدیر، قادر و مقتدر نے اپنے انبیاء و مرسلین اور ان کے طفیل ان کے واسطے اپنے اولیائے کاملین کو وہ قدرتیں وہ مقدرتیں وہ اختیارات و تصرفات دیئے کہ وہ ایک قدم میں مشرق سے مغرب تک، ساری زمین طے کر لیتے ہیں اور باذنہٖ تعالیٰ اپنی نورانیت و روحانیت کے ساتھ متمثل ہو کر جسم مثالی کے ساتھ متعدد مقامات پر جلوہ سامانی فرماتے اور دیکھے جاتے ہیں۔ ۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

۳۹؎ لیلائے نجد کے وصال کی خاطر، آنکھوں پر تعصّب کی پٹی باندھے۔ کانوں پر لطالت

نیوشی کا پہرہ بٹھائے، اپنے جی جان سے گزر کر، بلکہ دین و ایمان کو پس پشت ڈالکر لیلائے نجدیت کے ناقہ کے پیچھے پیچھے۔ این و آں سے بے نیاز، اپنے خیالات باطلہ میں مدہوش، بھاگنے والوں کو ایک اور تنبیہہ۔ ایک اور قریب الفہم تقریب۔ کہ اگر متعدد مقامات پر بیک وقت تشریف فرما ہونا، اگرچہ اجسام مثالیہ کی یاوری کے ساتھ ہو، تمہاری عقل، تمہارے فلسفہ میں نہیں سماتا، تو کیا اتنا بھی باور نہیں کر سکتے کہ بقدرت الٰہی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مرقد اطہر میں جلوہ فرما رہیں مگر درمیانی حجابات اُٹھا دیئے جائیں اور یوں بیک وقت لاکھوں مشتاقانِ جمالِ یار کو، زیارت روئے زیبا ہو جائے۔ اور شرک کا وہ جان لیوا۔ بھاری پتھر بھی ہٹ جائے جو ان منکرین کو اپنے شکنجہ میں جکڑے ہوئے ہے اور جس نے ان کی جانوں کو عذاب میں ڈال رکھا ہے۔ پھر اس سے، آپ کی نسبت علم غیب کا اعتقاد بھی لازم نہیں آتا جو ان کے لیے سنگ گراں ہے۔

خدا توفیق دے تو اتنی بات ہی بہت کافی ہے بشرطیکہ آدمی انصاف سے کام لے اور ناحق کسی کی پاسداری پر نہ مرے۔ اب بھی نہ مانیں تو ان کے نہ ماننے کی پروا کیا ہے۔ جب دل پر مہر ہی لگ جائے تو قبول حق کی امید فضول۔ ہاں ان کلمات سے موافقین، اہلِ حق و یقین، امید ہے کہ اور فیض پائیں، فیضان اٹھائیں۔ ۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

نکتہ یہاں مسلمان کے لیے اتنا ہی جان لینا کافی ہے کہ علم یقیناً اُن صفات سے ہے جو غیر خدا کو بعطائے خدا مل سکتا ہے۔ تو وہ علم جو غیر خدا کو بعطائے خدا ملتا ہے یعنی اللہ کے دیئے حاصل ہوتا ہے وہ عطائی ہے۔ جبکہ اللہ عزوجل کا علم ذاتی ہے بالذات ہے۔ خود بخود ہے۔

علم ذاتی ہی خدائے عزوجل کی صفتِ خاصہ ہے اور یہی علم ذاتی خدائے عزوجل کے لیے خاص ہے۔ حاش للہ، علم عطائی کہ اعلام عطا سے حاصل ہوتا ہے۔ خدا کے ساتھ خاص ہونا درکنار، خدا کے لیے محالِ قطعی ہے کہ دوسرے کے دیئے سے اُسے

علم حاصل ہو۔ تو علم کا ذاتی و عطائی، دو قسموں کی طرف منقسم ہونا یقینی۔
یوہیں بعطائے الٰہی، غیر خدا کو جو علوم حاصل ہوں وہ اگرچہ اپنی فراوانی و وسعت کے اعتبار سے عرش و فرش، شرق و غرب اور از روزِ اوّل تا روزِ آخر، جملہ کائنات کو اپنے احاطۂ وسعت میں لے لیں اور ان سب کو محیط ہو جائیں۔ رہیں گے متناھی کے متناھی ہی۔ کہ عرش و فرش دو حدیں ہیں۔ شرق و غرب دو حدیں ہیں۔ روزِ اوّل و روزِ آخر دو حدیں ہیں۔ اور جو کچھ دو حدوں کے اندر ہے سب متناھی ہے۔ جبکہ علومِ الٰہیہ کی کوئی حد نہیں۔ کوئی نہایت نہیں، کہیں انتہا نہیں بلکہ وہ غیر متناھی در غیر متناھی در غیر متناھی ہیں۔ اور بلاشبہ غیر خدا کا علم، معلوماتِ الٰہیہ کو حاوی نہیں ہو سکتا۔ معاذ اللہ مساوی ہونا در کنار، تمام اولین و آخرین، تمام انبیاء و مرسلین و ملائکہ مقرّبین، سب کے علوم مل کر بھی، علوم الٰہیہ سے وہ نسبت نہیں رکھ سکتے۔ جو کروڑہا کروڑ سمندروں سے، ایک ذرا سی بوند کے کروڑویں حصّے کو ہے۔ کہ وہ تمام سمندر، اور یہ بوند کا کروڑواں حصّہ دونوں متناھی ہیں۔ دونوں کی ایک نہایت ہے۔ دونوں کے لیے انتہا ہے اور دونوں کے لیے ایک حد۔ تو جملہ مخلوقات کے تمام علوم کو علم الٰہی سے ہرگز ہرگز اصلاً نسبت ہونی ہی محال قطعی ہے نہ کہ معاذ اللہ برابری کا وہم۔

خلاصۂ کلام یہ کہ علم ذاتی اور علم محیط و غیر متناھی ہی اللہ عزّ و جلّ کے ساتھ خاص ہونے کے قابل ہے۔ تو آیات و احادیث، و اقوالِ علماء جن میں دوسروں کے لیے اثباتِ علم غیب سے انکار ہے ان میں قطعی یہی علوم مراد ہیں۔ اور فقہاء جہاں حکمِ تکفیر کرتے ہیں انہیں پر لگاتے ہیں۔ کہ آخر قائل کو کافر کہنے کی وجہ اور مبنائے تکفیر یہی تو ہے کہ خدا کی صفتِ خاصہ دوسرے کے لیے ثابت کی۔ ہمارے علمائے کرام تصریح فرماتے ہیں کہ علم ذاتی اللہ عزّ و جلّ سے خاص ہے۔ اس کے غیر کے لیے محال ہے۔ جو اُس میں سے کوئی چیز، اگرچہ ایک ذرّہ سے کمتر سے کمتر، غیر خدا کے لیے مانے، وہ یقیناً کافر و مشرک ہے۔ بندوں کو جو کچھ علم ہے صرف

بعطائے الٰہی ہے اور عطائی ـــــ اور علم عطائی اللہ عزّوجل کے لیے ماننا محال ہے کہ اس کی کوئی صفت، کوئی کمال، کسی کا دیا ہوا نہیں ہو سکتا بلکہ ذاتی ہے۔ جو لوگ انبیاء بلکہ سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے مطلق علم غیب کی نفی کرتے ہیں۔ وہ قرآن عظیم کی اس آیت کے مصداق ہیں افتؤمنون ببعضِ الکتٰب وتکفرون ببعض۔ یعنی قرآن عظیم کی بعض باتیں مانتے ہیں اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہیں۔ کہ آیت نفی دیکھتے ہیں۔ اور ان آیتوں سے، جن میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو علوم غیب عطا کیا جانا، بیان کیا گیا ہے انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ نفی و اثبات دونوں حق ہیں کہ نفی علمِ ذاتی کی ہے کہ یہ خاصۂ الوہیت ہے۔ اثبات عطائی کا ہے۔ کہ یہ انبیاء ہی کی شان ہے اور الوہیّت کے منافی ہے۔

ذاتی و عطائی کا فرق بیان کرنے پر بھی خالق و مخلوق، خدا و غیر خدا کے عُلوم میں مساوات و برابری کا الزام لگانا، مسلمانوں پر کھُلا اتہام، اور صراحۃً ایمان و اسلام کے خلاف ہے اور یہ کہنا کہ ہر ذرہ کا علم نبی کے لیے مانا جائے تو خالقِ و مخلوق کے علوم کی مساوات لازم آئے گی باطل محض ہے۔ کہ مساوات و برابری تو جب لازم آئے کہ اللہ عزّوجل کے لیے بھی اتنا ہی علم ثابت کیا جائے۔ اور یہ نہ کہے گا مگر کافر معاند۔ ذراتِ عالم متناھی ہیں تو ان کا علم بھی متناھی ہوا۔ جبکہ اللہ عزوجل کا علم غیر متناھی در غیر متناھی در غیر متناھی ہے۔

شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی عبارت پھر پڑھ جائے صراحۃً فرماتے ہیں کہ جو علم، غیر خدا کو باعلامِ خداوندی ہے وہ ذاتی نہیں۔ بالسبب ہے۔ اور وہ علم جو یا علام و عطائے خدا ہے وہ عطائی ہے۔ اور علم غیب عطائی، مخلوق کے حق میں ممکن بلکہ واقع ہے۔ اور امر ممکن کا اعتقاد کفر و شرک نہیں۔ مگر ہے یہ کہ عناد و مکابرہ وہ مرض ہے جس کا کوئی علاج نہیں۔ ۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

البتہ ہر ممکن کے لیے وقوع ضروری نہیں۔ ایسا اعتقاد کرنا محتاج دلیل[۱۴۱]

ہے۔ اگر کسی کو دلیل مل جائے مثلاً خود کشف ہو جائے۔ یا کوئی صاحبِ کشف خبر دے تو اعتقاد جائز ہے۔ ورنہ بے دلیل ایک غلط خیال ہے غلطی سے رجوع کرنا اس کو ضرور ہے مگر شرک و کفر کسی طرح نہیں ہو سکتا۔ پس تحقیق مختصر، اس مسئلہ میں یہ ہے جو مذکور ہوئی۔

۱۸۱ اور بحمدہٖ تعالیٰ سُنّی مسلمانوں کا یہ دعویٰ "کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ نے علمِ غیب عطا فرمایا، شرق تا غرب، عرش تا فرش، سب اُنہیں دکھایا۔ اور روزِ اوّل سے روزِ آخر تک کا سب ماکان وما یکون اُنہیں بتایا۔" آیاتِ کریمہ و احادیث حمیدہ سے ایسے جلیل وجمیل طور پر ثابت ہے جس میں اصلاً مجالِ دم زدن نہیں۔ قرآن کریم میں فرماتا ہے اُن کا رب عزّوجلّ "وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ۔ اتاری ہم نے تم پر کتاب جو ہر چیز کا روشن بیان ہے۔" جب فرمانِ حمید ہر شے کا بیان ہے اور بیان بھی کیسا؟ روشن۔ اور روشن بھی کیسا تفصیل کلِّ شیءٍ ہر چیز کا مفصّل۔ تو عرش یا فرش تمام کائنات جملہ موجودات، اس بیان کے احاطہ میں داخل ہوئے۔ اور جملہ موجودات میں، کتابت لوحِ محفوظ بھی ہے۔ تو لامحالہ، یہ بیان و تبیان، اُس کے مکتوبات کو بھی شامل ہوئے۔

اب یہ بھی قرآن عظیم ہی سے پوچھ لیجئے کہ لوح محفوظ میں کیا کیا لکھا ہے؟ صاف اور نکھرا ہوا جواب موجود ہے کہ کُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ۔ ہر چھوٹی بڑی چیز، سب لکھی ہوئی ہے۔ نیز ارشاد ہے۔ وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِي كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ط کوئی دانہ نہیں زمین کی اندھیریوں میں اور نہ کوئی تر، اور نہ کوئی خشک مگر یہ کہ سب ایک روشن کتاب میں لکھا ہوا ہے"۔ تو بحمد اللہ تعالیٰ کیسے نصِّ صریح قطعی سے روشن ہوا کہ ہمارے حضور صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وعلی آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم کو اللہ عزّوجلّ نے تمام موجودات، جملہ ماکان وما یکون الی یوم القیٰمۃ (جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ قیامت تک ہو گا) اور لوح محفوظ کے

تمام مندرجات و محفوظات کا علم دیا۔ اور شرق و غرب، سماو ارض (آسمان و زمین) عرش و فرش میں کوئی ذرہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے باہر نہ رہا۔ والحمد للہ حمداً کثیراً۔

بلکہ یہ جو کچھ بیان ہوا ہرگز ہرگز محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا علم نہیں بلکہ علم حضور سے ایک چھوٹا سا حصہ ہے۔ ہنوز احاطۂ علم محمدی میں وہ ہزار در ہزار بے حد و بے کنار سمندر لہرا رہے ہیں جن کی حقیقت وہ جانیں، یا اُن کا عطا کرنیوالا ان کا مالک و مولیٰ جل و علاٰ۔ علمائے کرام کی تصانیفِ جلیلہ میں اُس کے دلائل کا بسط و وضاحت سے بیان ہے اور احادیثِ کریمہ کثیرہ تو اس باب میں ایسی روشن ایسی منور ہیں کہ کسی ذی ہوش کو گنجائش سخن اور مجال دم زدن نہیں۔ تو اعتقادِ علم غیبِ نبی کی دولت، جن خوش نصیبوں کو میسّر ہے وہ قرآن و حدیث کے واضح اور روشن دلائل پر مبنی ہے۔ محض بے دلیل نہیں کہ اُسے خیال باطل کہہ کر رد کر دیا جائے۔ ہاں منکرین اپنی خبر لیں کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مناقب عظیمہ اور فضائل جلیلہ کی تاب نہ لاکر، حضور کی تنقیص و تحقیر اور توہین و تصغیر میں، "قدمِ فسق بیشتر بہتر" کے مصداق، بخاری و مسلم کی احادیث صحیحہ در کنار خود قرآن عظیم کی آیاتِ کریمہ سے روگردانی کرتے اور مُنہ موڑ لیتے ہیں۔ بلکہ وہ تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل کریمہ کی روشنی دیکھ کر ایسے اندھے بہرے ہو چکے ہیں کہ انہیں حق نہیں سوجھتا۔ بلکہ اس کے بالکل برعکس، سخت سے سخت، ناپاک سے ناپاک تر، ایسی بے حیائیوں اور ڈھٹائیوں سے کام لیتے ہیں جس کی نظیر جہاں بھر میں کہیں نہ ملے۔ کتابیں گڑھیں، مطبع گڑھیں، اُن کے مصنفین گڑھیں۔ اُن کے مضامین گڑھیں اور پھر خود اُن کے حوالے دے کر مسلمانوں کی آنکھوں میں خاک جھونکیں۔ فضائل مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت تو دیکھئے کہ بخاری و مسلم کی صحیح حدیثیں بھی مردود ٹھہرائیں۔ اور اپنے مذہب باطل کی نیو جمائیں اور فضیلت کی نفی پہ آئیں تو بے اصل و بے سند روایات کو کام میں لائیں۔

ان پر اترائیں۔ اور انہیں منسوب کر دیں بزرگان ملت کی جانب ــــ (تفصیل کے لیے دیکھیں رسائل اہلسنّت) مگر وہابیہ کے سروں میں مسلمانان اہلسُنّت وجماعت کو بدعتی جہنمی بنانے کا ایسا سودا ہے کہ دوسروں کے گھروں کو جلانے والے، یہ بھی نہیں دیکھتے کہ ان کی لگائی ہوئی اس آگ میں، خود ان کے، ان کے اکابر کے اور ان کے مشائخ کے گھروں میں لگ گئی۔ اور ایسی لگی ہے کہ بُجھائے نہ بُجھے۔ اور احادیثِ کریمہ کی طرف آیئے تو وہ صاف صاف واشگاف، اس عقیدۂ باصواب کی تائید وتوثیق فرما رہی ہیں، بخاری ومسلم میں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار ہم میں کھڑے ہو کر، جب سے قیامت تک جو کچھ ہونے والا تھا سب بیان فرما دیا۔ کوئی چیز چھوڑ نہ دی، جسے یاد رہا، یاد رہا۔ جو بھول گیا، بھول گیا" یہی مضمون صحیح بخاری شریف میں حضرت امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ ایک بار سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم میں کھڑے ہو کر، ابتدائے آفرینش سے لے کر، جنّتیوں کے جنّت، دوزخیوں کے دوزخ جانے تک کا حال، ہم سے بیان فرما دیا۔ یاد رکھا جس نے یاد رکھا اور بھول گیا جو بھول گیا۔ اور جامع ترمذی وغیرہ کتب احادیث میں، دس صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں نے اپنے رب عزّوجل کو دیکھا۔ اُس نے اپنا دستِ قدرت میری پشت پر رکھا کہ میرے سینے میں اُس کی ٹھنڈک محسوس ہوئی۔ اسی وقت ہر چیز مجھ پر روشن ہو گئی۔ اور میں نے سب کچھ پہچان لیا۔ امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اسی میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اُسی معراج منامی کے بیان میں ہے کہ حضور اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب میرے علم میں آگیا۔"

شیخ محقق رحمہ اللہ تعالیٰ شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کے نیچے فرماتے ہیں۔

"پس دانستم ہر چہ در آسمانہا وہر چہ در زمینہا بود۔ عبارتست از حصولِ عامہ علوم جزوی وکلی واحاطہ آں۔ یونہی دیگر احادیثِ کریمہ سے روشن کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام جہاں پہ اطلاع بخشی۔ ماکان ومایکون اور سب اگلوں پچھلوں کا علم حضور کو دیا۔ غرض ایمانی نگاہوں کے سامنے یہ سب موجود ہے اور شرک وبدعت کی ضلالتوں میں بھٹکنے والوں کو کچھ نہ سوجھے تو اس کا کیا علاج۔ فبای حدیثٍ بعدہٗ یؤمنون۔

منکرینِ علم غیب کی اُونچی اڑان

مسلمان بھائیوں کی آگاہی کے لیے یہ فقیر بے توقیر "مشتے نمونہ از خروارے" بطور صرف ایک حوالہ پر اکتفاء کرتا ہے۔ منکرینِ علمِ غیب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیشرووں میں سے ایک بھاری بھرکم مولوی صاحب نے، اپنے وسیع جُبّے اور رفیع عمامہ کی لاج رکھنے کے لیے ایک اونچی اڑان اُڑی۔ اور اپنے امام الطائفہ کے وتیرۂ تیرہ کو اختیار کرتے ہوئے، نصوصِ قطعیہ قرآن عظیم کے خلاف، اپنے مدعائے باطل کی سند میں، اپنی کتاب براہینِ قاطعہ میں صاف صاف لکھا کہ "خود فخر عالم علیہ السلام فرماتے ہیں۔ شیخ عبدالحق روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو دیوار پیچھے کا بھی علم نہیں"۔

قطع نظر اس سے کہ ملاجی کو ہنوز روایت وحکایت میں تمیز نہیں، اس بے اصل حکایت سے استناد، اور شیخ محقق قدس سرہٗ العزیز کی طرف اسناد، کیسی جرأت و وقاحت، کیسی چوری وسینہ زوری ہے۔ شیخ محقق نے مدارج شریف میں صاف فرمایا ہے کہ "این سخن اصلے نہ دارد و روایت بداں صحیح نشدہ است"۔ کہ یہ روایت محض بے اصل وبے سند ہے۔

امام ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں۔ لا اصل لہٗ۔ اور امام ابن حجر مکی نے افضل القریٰ میں فرمایا لم یُعرف لہٗ سندٌ۔" تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا علم عظیم گھٹانے کو ایسی بے اصل حکایت سے سند لانا اور ملمع کاری کے لیے شیخ محقق کا نام لکھ

لکھ جانا جو صراحۃً فرما رہے ہیں کہ اس حکایت کی جڑ نہ بنیاد، اب اس کے سوا کیا کہیئے

کہ ایسوں کی داد نہ فریاد ؎

حال ایمان کا معلوم ہے بس جانے دو۔

خلاصۂ اعتقاد اس باب میں یہ ہے کہ علمِ غیب کا خاصۂ حضرتِ عزّت ہونا، بے شک حق ہے۔ اور کیوں نہ ہو۔ رب عزّ و جلّ فرماتا ہے۔ قل لا یعلم من فی السمٰوٰت والارض الغیب الا اللہ۔ "تم فرما دو کہ آسمانوں اور زمینوں میں، اللہ کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں"۔ اور اس سے مراد وہی علم ذاتی و علم محیط ہے کہ وہی باری عزّ و جلّ کے لیے ثابت اور اُس سے مخصوص ہیں۔ علمِ عطائی کہ دوسرے کا دیا ہوا ہو، یا علم غیر محیط کو بعض اشیاء سے مطلع بعض سے ناواقف ہو، اللہ عزّ و جلّ کے لیے ہو ہی نہیں سکتا۔ اس سے مخصوص ہونا تو دوسرا درجہ ہے۔ اور اللہ عزّ و جلّ کی عطا سے علومِ غیب غیر محیط کا، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ملنا بھی قطعاً حق ہے۔ اور کیوں نہ ہو کہ رب عزّ و جلّ فرماتا ہے وما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب ولکن اللہ یجتبی من رسلہ من یشاء۔ "اللہ اس لیے نہیں کہ تم لوگوں کو غیب پر مطلع کر دے۔ ہاں اللہ اپنے رسولوں سے جسے چاہے چُن لیتا ہے"۔ اور فرماتا ہے۔ فلا یظہر علی غیبہ احدًا الا من ارتضیٰ من رسول ط "اللہ عالم الغیب ہے۔ تو اپنے غیب پر کسی کو مسلّط نہیں کرتا۔ سوا اپنے پسندیدہ رسولوں کے"۔ اور فرماتا ہے وما ھو علی الغیب بضنین۔ "یہ نبی غیب کے بتانے پر بخیل نہیں"۔ غرض انبیاء کرام خصوصاً سید الانبیاء الکرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو علومِ غیب بعطائے الٰہی حاصل ہونا ایک ایمانی اجماعی اتفاقی عقیدہ ہے اور قرآن وحدیث، و اقوال ائمہ قدیم وحدیث (متقدمین ومتاخرین) سے اس مطلب پر دلائل بے شمار ہیں۔ اور خدا انصاف دے تو یہی اقل قلیل کہ مذکور ہوئے بسیار ہیں۔ تو سنی مسلمانوں کے عقیدۂ مذکورہ کو معاذ اللہ کفر و شرک کہنا، خود قرآن عظیم پر حرف رکھنا اور احادیث صریحہ صحیحہ کثیرہ کو رد کرنا۔ اور بہ کثرت ائمہ دین و اکابر علمائے عاملین و اعاظم اولیائے

کاملین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین، یہاں تک کہ شاہ ولی اللہ صاحب و شاہ عبدالعزیز صاحب کو بھی عیاذاً باللہ کافر و مشرک بنانا ہے۔ بحمدہ تعالیٰ مسلمان کے لیے تو خدا اور رسول کی امان ہے، وہ کسی کے کافر بنائے تو کافر نہیں بن سکتے۔ البتہ احادیث صحیحہ و روایاتِ معتبرہ کی رو سے خود کافر و مشرک بنتا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی فیوض الحرمین میں لکھتے ہیں۔" فَاضَ عَلَیَّ من جنابِہِ المقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیفیَّۃُ ترقی العبدُ مِن حیزِہِ الیٰ حیزِ القدس فیتجلّٰی لہ کل شیٔ کما اخبرَ عن ھٰذا المشھَدِ فی قصۃ المعراج المنامی"۔

یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہِ قدس سے، مجھ پر اس حالت کا علم فائض ہوا کہ بندہ اپنے مقام سے، مقامِ قدس تک کیونکر ترقی کرتا ہے کہ ہر چیز اس پر روشن ہو جاتی ہے۔ جس طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس مقام سے معراجِ خواب کے قصے میں خبر دی"۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے اعتقاد پر تو معاندین نے حکم کفر و شرک دیا تھا۔ ائمہ و علماء بلکہ شاہ ولی اللہ جو اپنے لیے مان رہے ہیں معلوم نہیں کہ مخالفین ان پر کون سا حکم جڑیں۔ سچ ہے کہ اب کسی سے دوستی کا بھرم نہ رہا۔ ۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

اور مشرب[۴۲] فقیر کا یہ ہے کہ محفلِ مولد میں شریک ہوتا ہوں، بلکہ ذریعۂ برکات سمجھ کر ہر سال منعقد کرتا ہوں۔ اور قیام میں لطف و لذت پاتا ہوں۔ عملدرآمد جو اس مسئلہ میں رکھنا چاہیئے وہ یہ ہے کہ ہر گاہ یہ مسئلہ[۴۳] اختلافی ہے اور ہر فریق کے پاس دلائل شرعی بھی ہیں۔ گو قوت و ضعف کا فرق ہو۔ جیسا اکثر مسائل اختلافیہ فرعیہ میں ہوا کرتا ہے

[۴۲] براہین قاطعہ میں ہے کہ یہ ہر روز اعادہ ولادت کا، تو مثل ہنود، کہ سانگ کنھیا

پس خواص کو تو یہ چاہیئے کہ جو اُن کو تحقیق ہوا ہو[۴۴]۔ اُس پر عمل رکھیں۔ اور دوسرے فریق کے ساتھ بغض و کینہ نہ رکھیں۔ نہ نفرت و تحقیر کی نگاہ سے اُس کو دیکھیں۔ نہ تفسیق و تضلیل کریں، بلکہ اس اختلاف کو مثل اختلاف[۴۵] حنفی شافعی کے سمجھیں۔ اور باہم ملاقات و مکاتیب و سلام و موافقت و محبت کی رسوم جاری رکھیں۔ اور رد و کد و مباحثہ سے خصوصاً بازاریوں کی ہذیانات سے، کہ منصب اہلِ علم کے خلاف ہے پرہیز رکھیں۔ بلکہ ایسے مسائل میں نہ فتوی لکھیں۔ نہ مہر و دستخط کریں، کہ فضول ہے۔

۴۴ اور یہ تحقیق اُن کی معتبر نہیں جنہیں ابلیس مُرید اپنا مُرید بنائے۔ اور اپنی پیروی و پسروی کے جال میں پھانس کر، جمہور علمائے اہلسنّت کے مقابل، اَنَا خَیرٌ مِنْہُ سکھائے۔ جانِ برادر، مقصود دین سنبھالنا ہے۔ نہ کہ اپنے منہ زور، اکابر کی حمایت میں بات پالنا۔ اور صحیح احادیث کو نری زبان زوریوں سے مردود و نامقبول ٹھہرانا۔ نہ غیر مقبول، بے اصل، بے سند باتوں کو، شریعتِ مطہرہ سے ثابتات کا درجہ دینا! اور نہ اساطین دین الٰہی کی تصانیف معتبرہ کو، نامعتبر، ناقابلِ تسلیم اور محض لاشئی کہہ کر اُن سے روگردانی کرنا۔ اور نہ یہ تحقیق اُن مدعیانِ خامکار و جاہلانِ بے وقار کے بس کا روگ ہے۔ جنہیں من و تو کا کلام سمجھنے کی تو لیاقت نہیں اور پرکھنے چلتے ہیں۔ ائمہ امت کے اقوال کو۔ جن کا منتہائے علم" تقویت الایمان" ہے۔ وہ خود اپنی کجروی، کجرائی، کج فہمی و گمراہی پر غور کر لیں کہ انہوں نے کس کے لیے کس کو چھوڑا۔ اور کس سے ناتہ توڑا۔ کس سے جوڑا۔

لِلّٰہ انصاف! اللہ عزّوجل کے حضور جانا اور اُسے مُنہ دکھانا ہے۔ ایک ذرا دیر، مُنہ زوری، ڈھٹائی، ہٹ دھرمی کی نہیں۔ اپنے گریبان میں آدمی مُنہ ڈالے اور اُن اکابر علمائے دین متین کے حضور، اپنی لیاقت و قابلیت کو دیکھے، تو کہیں تحت الثّریٰ

تک بھی پتہ چلتا ہے۔ ایمان نہ نگلے تو اُن کے ادنیٰ شاگردانِ شاگردوں کی، شاگردی وکفش برداری کی لیاقت نہ نکلے۔ تو ایسا بیباک ایسا منہ زور، اپنی زبان زوریوں کو تحقیق حق کا نام دے، تو اس کی یہ تحقیق، اُسی کے منہ پر مار دینے کے قابل ہے" یا اُن اکابر دین وملت واساطین شرع وشریعت کی تحقیقات کے مقابل لانے کے لائق۔

تعصب نہ کیجئے تو ہم ایک تدبیر بتائیں۔ ذرا اپنے دل کو خیالات این وآں سے رہائی دیجئے، اور آنکھیں بند کر کے، گردن جھکا کر یوں دل میں مراقبہ کیجیئے کہ سینکڑوں اکابرِ اہلسنّت وجماعت، سب کے سب ایک وقت میں زندہ موجود ہیں۔ اور اپنے اپنے مراتبِ عالیہ کے ساتھ، ایک مکانِ عالی شان میں جمع ہوئے ہیں۔ اور اُن کے حضور مسئلہ میلاد وقیام پیش ہوا ہے اور اُن سب عمائد نے بیک زبان، باآوازِ بلند فرمایا ہے۔ بے شک مستحب ہے۔ وہ کون ہے جو اسے منع کہتا ہے۔ ذرا ہمارے سامنے آئے، اُس وقت اُن کی شوکت وجبروت کو خیال کیجئے۔ اور مانعینِ میلاد وقیام میں سے چند کا منہ، ایک ایک کر کے چراغ لے کر دیکھیے۔ کہ ان میں سے کوئی بھی، اُس عالی شان مجمع میں جا کر، ان کے حضور اپنی زبان کھول سکتا ہے۔ اور یوں تو ؎

چو شیراں بر فتند از مرغ زار
زند روبہ لنگ، لاف شکار

جسے چاہیئے کہہ دیجئے کہ وہ کیا تھے۔ ہم ان کی کب مانتے ہیں۔ ان کا قول کیا حجت ہو سکتا ہے۔ یہ بھی نہ سہی، بالفرض اگر ان سب اکابر سے بیان مسئلہ میں غلطی ہو جائے تو نقل وروایت میں تو معاذ اللہ، کذب وافتراء نہ کریں گے۔ کچھ عبارتیں گزر چکی ہیں انہیں کو دیکھ جایئے۔ کہ کتنے علمائے اہلسنّت وجماعت وعلمائے بلادِ دار الاسلام کا اس فعل مبارک کے استحباب واستحسان پر قول نقل کیا ہے۔ تو کیا اجماعِ اہلسنت بھی پایۂ قبول سے ساقط، اور ہنوز دلیل وسند کی حاجت باقی ہے۔ اور وہ بھی اس بنیاد پر کہ پاکستان وہند کے چند مفتیوں کو اس

پر اعتراض ہے۔ اور وہ بھی اُس وقت کہ کسی طرح دینی بند و لبست و انتظام باقی نہ رہا۔ اور ہر ایک کو، جو منہ پہ آئے، بک دینے کا اختیار ملا۔ وقت و موقع پا کر، بلکہ وقت و موقع نکال کر، بھک اُٹھتے ہیں۔ اور آئے دن ان مسائل پر مسلمانوں میں افتراق و انتشار پھیلاتے اور اپنی نبو جماتے ہیں۔ مولائے کریم اُن میں جو قابلِ ہدایت ہیں، ہدایت دے اور ہمیں صراطِ مستقیم پر ثبات عطا فرمائے۔ اور ان کے مکر و اوہام سے بچائے۔ آمین۔

۴۵ ہم گزشتہ اوراق میں جا بجا لکھتے آ رہے ہیں کہ میلاد شریف، ذکرِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے فضائل جلیلہ و خصائل حمیدہ کے بیان کا دوسرا نام ہے جو سلف صالحین سے لے کر اب تک، ایک ہیئتِ مخصوصہ کے ساتھ، باذن اللہ تعالیٰ عوام و خواصِ اہلسنت میں رائج و معمول اور شعارِ اہلسنت کی طرح مقبول ہے مسلمانوں کا یہ وہ معمول ہے جس نے اہلسنت وجماعت کو، فرقِ باطلہ سے ممتاز کیا۔ جب کہ اس محفل مبارک کے منکرین کو، اس سے ایسی ہی عداوت ہے جیسے کسی عدوِ دین کو، مسائل دین سے۔ یہی وجہ ہے کہ مخالفین اس ذکرِ پاک کی محفل کو کنھیا کے جنم سے تشبیہہ دیتے اور ہندوؤں کی خرافات ٹھہراتے ہیں۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ ان کے مذہب نامہذب کا رُکنِ اعظم، محبوبانِ خدا کی تذلیل ہے۔ اور اسی لیے ہر امر میں، یہ وہی پہلو اختیار کرتے ہیں جس سے منقصت نکلتی ہو۔ جبکہ ہم مسلمانوں کے نزدیک، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم یعنی اعتقادِ عظمت، جزو ایمان و رکن ایمان ہے۔ اور فعلِ تعظیم، بعد ایمان، ہر فرض سے مقدّم۔

ان حالات میں، ان بنیادی امور میں اختلافاتِ شدیدہ کی موجودگی میں، کون ذی ہوش کہہ سکتا ہے کہ ان کے مابین اختلاف، صرف فروعی اختلاف ہے۔ یا حنفی شافعی کا سا اختلاف ہے۔ حنفی اور شافعی، یا حنبلی و مالکی مسلمانوں میں تو کبھی یہ دنگا فساد سر پھٹول، دیکھنے سننے میں نہ آئی۔ جو ان منکرین اور مجوزین میں ہر جگہ موجود، تو وجہ وہی کہ یہ اختلاف، اصول و عقائد میں ہے۔ فروع و اعمال میں نہیں۔ اور اصول و

عقائد میں اختلافات کو فروعی اختلاف بتانا، حقیقت کو منہ چڑانا ہے۔
شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے جو کچھ فرمایا وہ اُس وقت کی بات ہے، جب وہابیت، دُودھ پیتی اور گھٹنوں چلتی تھی۔ اور اب اس دور میں تو وہ ایسی منہ زور قحبہ جو ان فاحشہ بن چکی ہے کہ حزن بہلاتے، نہیں شرماتی، وَلَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰه

۱۲- محمد خلیل عفی عنہ

اور ایک دوسرے کی رعایت رکھے[۴۶] مثلاً اگر مانعِ قیام (قیام بوقتِ ولادت سے روکنے والا) عاملِ قیام (قیام کو مستحب و مستحسن جاننے والے) کی محفل میں شریک ہو جائے تو بہتر ہے کہ اس میں قیام نہ کریں بشرطیکہ کسی فتنہ کا برپا ہونا محتمل نہ ہو۔ اور جو قیام ہو، تو مانعِ قیام بھی اس وقت قیام میں شریک ہو جائے۔ اور عوام نے جو غلو اور زیادتیاں کرلی ہیں، اُن کو نرمی سے منع کریں، اور یہ منع کرنا ان کا زیادہ مفید ہوگا۔ جو خود مولد قیام میں شریک ہوتے ہیں۔ اور جو مانعِ اصل کے ہیں، اُن کو سکوت مناسب ہے۔ ایسے امور میں مخاطبت ہی نہ کریں۔ اور جہاں ان امور کی عادت ہو وہاں مخالفت نہ کریں۔ جہاں عادت نہ ہو وہاں ایجاد نہ کریں۔ غرض فتنے سے بچیں۔ قصۂ حطیم اس کی دلیل بین کافی ہے۔

[۴۶] اور دنیا جانتی ہے کہ شیرِ وہابیت سے پرورش پانے والے، منکرین و مخالفین محفلِ میلادِ النور اور قیام وسلام بوقتِ ذکرِ ولادتِ اقدس، نے حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی اس پندِ سودمند اور موعظتِ دل پذیر کی طرف ادنیٰ توجہ نہ دی۔ اپنے شیخ اور مشائخِ سلسلہ کی مخالفت بلکہ ضد و مخاصمت تو گوارا کی لیکن اصولِ نجدیت سے ذرا برابر انحراف و اعراض گوارا نہ کیا۔ انہیں کے دم سے یہاں جو فتنہ و فساد پھیلے۔

باہم مسلمانوں میں جو نفاق و شقاق کے چشمے اُبلے ۔ ہر ذی ہوش پر ظاہر و عیاں ہیں، کس پر پنہاں ہیں ۔ خصوصًا اُن شہروں کی تو پوری شامت، جن میں ان کے عمائد کی کثرت، کچھ بگڑ گئے ہیں کچھ بگڑ رہے ہیں ۔ باپ سُنّی اور اولاد وہابی، شوہر سُنّی، عورت وہابی ۔ گھر گھر فتنے، آئے دن فساد ۔ عیش پامال، چین برباد، تکفیرِ مسلمین، ان کا اصل مذہب، اور کفر و شرک تو پہلا لقب ہے ۔ کہیں خارجیوں کی ہمسنگی اور کہیں رافضیوں سے ہمرنگی ع مذہب معلوم و اہل مذہب معلوم ۔ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے یہ مختصر سے فقرے جو چند سطر آگے فرمائے کہ " جو مانعِ اصل کے ہیں، اُن کو سکوت مناسب ہے الخ موتیوں میں تولنے کے قابل ہیں ۔ اور واقعی مخالفین اس پر عمل پیرا ہوں کہ ان محافل متبرکہ کو اپنے زعم میں پر غلط جاننے کے باوجود، خاموشی اختیار کریں اور ان میں شرکت کرنے والوں پر زبانِ طعن و تشنیع نہ کھولیں، تو اس کا نتیجہ جلد ہی سامنے آجائیگا ۔ نفاق و شقّاق کی یہ گھنگھور گھٹائیں کہ ہر طرف سے اُٹھ رہی ہیں بے برسے چھٹ جائیں گی ۔ اور یہ فتنہ و فساد جو گھر گھر برپا ہے خود ہی اپنی موت مر جائے گا ۔ مگر یہ سب کچھ اُسی وقت ممکن ہے جب مخالفین و مانعین کے اکابر اصولِ وہابیت سے کنارہ کش ہوں ۔ اور اپنے شہید لیلیٰ نجد کی کتاب تقویۃ الایمان کو، کہ در اصل تفویت الایمان ہے ۔ زینتِ طاقِ نسیاں بنائیں اور ایسی ہی دوسری کتابوں سے تبرّی و برأت کا اظہار کر کے اُن کی تبلیغ و اشاعت سے دامن چھڑائیں وانّٰی ذلک واذلافلا ۔ ۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

اور مجوّزین (میلاد مبارک و قیام و سلام کو جائز و موجب برکات جاننے والے) مانعین کے منع کی تاویل کر لیا کریں ۔ کہ یا تو ان کو یہی تحقیق ہوا ہوگا ۔ یا انتظامًا منع کرتے ہوں گے کہ بعض موقع پر اصل عمل سے منع کرتے ہیں ۔ تب ان سے بچتے ہیں ۔ اگرچہ اس وقت میں اکثر یہ تدبیر غیر مفید ہوتی ہے ۔ اور جو مانعین ہیں وہ مجوّزین کی تجویز کی تاویل کر لیا

کریں۔ کہ یا تو ان کو تحقیق یہی ہوا ہے یا غلبۂ محبت سے یہ عمل کرتے ہیں۔ اور حُسنِ ظن بالمسلمین کی وجہ سے لوگوں کو بھی اجازت دیتے ہیں۔

۴۷ اور خدا جانتا ہے کہ مجوّزین میلادِ اقدس نے حتی الامکان، ان مانعین کے اقوال کو منہ نہ لگایا، ذکرِ محبوب اُن کا کام تھا، اپنے کام سے کام رکھا۔ زیادہ سے زیادہ کہا تو یہ کہا کہ وہابیت کا رنگ چڑھ گیا ہے۔ اور چونکہ یہ رنگ دیرپا نہیں اس لیے اُتر جائے گا۔ لیکن بقول شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، یہ تدبیر مفید ثابت نہ ہوئی اور معاندین نے عوام اہلسُنّت کو یہ کہہ کہہ کر بہکانا شروع کیا کہ دیکھا ہماری بات کا کوئی جواب بن نہ آیا تو چُپ سادھ لی۔ اور پھر مجوّزین نے بمصداقِ مصرع

؎ وہ اپنی خو نہ بدلیں گے، ہم اپنی وضع کیوں بدلیں

تحقیقِ حق وہدایت عامۃ المسلمین کی خاطر، اُن کے لایعنی دلائل کا جواب دیا۔ عام مسلمانوں کو ان کے اقوال وباطنی احوال سے، جو اُن کے حالات سے ظاہر تھے، آگاہ کیا۔ اور پھر بات سے بات نکلتی اور پھولتی پھلتی رہی۔ نوبت بایں جا رسید۔

ہاں ناظرینِ رسالہ ہذا کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ان مانعین سے یہ کہیں کہ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی ان نصیحتوں پر جو بڑے خلوص اور مربیانہ انداز میں دی گئیں، اُن کے متوسلین ومریدین میں سے کس کس نے عمل کیا۔ اور ان کے عمائد میں سے کس کس نے اپنے پیر، اپنے شیخ کی موعظت پہ کان دیا۔ تو صاف عیاں ہو جائے گا۔ کہ جب مریدین ومتوسلین نے اپنے شیخ کی نہ مانی، تو دوسروں پر کیا الزام۔ خصوصاً جبکہ ان کا یہ معمول، بزرگانِ دین میں رائج ومقبول رہا اور خود شاہ صاحب نے اسے اپنا ہمیشہ کا معمول بنایا اور اُسے ذریعہ برکات ٹھہرایا۔ بحمداللہ تعالیٰ مسلمانوں کے ایمان میں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر عین ایمان، ایمان کی جان ہے۔ اور تعظیم رسول علی الاطلاق شرعاً مطلوب ہے۔ تو جو کچھ بھی جس طرح

بھی، جس وقت بھی، تعظیم اقدس کے لیے بجالائے خواہ وہ بعینہٖ منقول ہو یا نہ ہو، سب جائز و مندوب مستحب و مرغوب اور پسندیدہ و خوب ہے۔ جب تک اس خاص سے نہی نہ آئی ہو، کوئی جرح شرعی نہ ہو وہ سب اس ارشاد الٰہی کے اطلاق میں داخل ہے کہ وتعزّروہ وتوقّروہُ۔ اور ارشاد الٰہی کے امتثال و تعمیل کا فضل جلیل اسے شامل ہے۔ اسی لیے ائمہ دین تصریح فرماتے ہیں کہ جو کچھ جس قدر ادب و تعظیم حبیب رب العلمین میں زیادہ مداخلت رکھے اُسی قدر زیادہ خوب ہے۔ جلّ جلالہٗ وصلی اللہ علیہ وسلم اور وہابیہ کی آنکھیں اُسی طرف سے چوپٹ ہیں۔
۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

ذکرِ ولادت شافعِ اُمّت

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ

(بزبان حق ترجمان امام اہلسنّت امام احمد رضا خاں قادری برکاتی قدس سرہٗ)

یہ مجلس (میلاد مبارک جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا ذکر ہوتا ہے) آج سے نہیں۔ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود کی۔ ادا کرتے رہے۔ اور ان کی اولاد میں برابر ہوتی رہی۔ اوّل روز سے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تعلیم ہی یہ فرمایا گیا کہ میرے ذکر کے ساتھ میرے حبیب و محبوب کا ذکر کیا کرو۔ صلی اللہ وعلیٰ آلہٖ وصحابہٖ وبارک وسلم۔ جس کے لیے عملی کارروائی یہ کی گئی کہ جب روح الٰہی، آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پتلے میں داخل ہوتی ہے، آنکھ کھلتی ہے۔ نگاہ ساقِ عرش پر ٹھہرتی ہے۔ لکھا دیکھتے ہیں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ و صحبہٖ وبارک وسلم) عرض کی الٰہی! یہ کون ہے جس کا نام تو نے اپنے نام اقدس کے ساتھ

لکھا ہے۔ ارشاد ہُوا۔ اے آدم! وہ تیری اولاد میں سب سے پچھلا پیغمبر ہے۔ وہ نہ ہوتا تو میں تجھے نہ بناتا۔ لَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُكَ وَلَا اَرْضًا وَلَا سَمَاءً۔ اُسی کے طفیل میں تجھے پیدا کیا۔ اگر وہ نہ ہوتا نہ تجھے پیدا کرتا اور نہ زمین و آسمان بناتا۔ تو کُنیّت اپنی ابو محمد کر۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم۔

آنکھ کھلتے ہی نامِ پاک بتایا گیا۔ پھر ہر وقت ملٰئکہ کی زبان سے ذکرِ اقدس سنایا گیا۔ وہ مبارک سبق عمر بھر یاد رکھا۔ ہمیشہ ذکر اور چرچا کرتے رہے۔ جب زمانۂ وصال شریف کا قریب آیا۔ شیث علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ارشاد فرمایا "اے فرزند میرے بعد تو خلیفہ ہوگا۔ عِمَادِ تَقْوٰی وَعُرْوَۃُ الْوُثْقٰی کو نہ چھوڑنا۔ اَلْعُرْوَۃُ الْوُثْقٰی محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم عُرْوَۃُ وُثْقٰی (محکم دستاویز) محمد ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ جب اللہ کو یاد کرے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ضرور کرنا۔ فَاِنِّی رَاَیْتُ الْمَلٰٓئِکَۃَ تَذْکُرُہٗ فِی کُلِّ سَاعَاتِہَا۔ کہ میں نے فرشتوں کو دیکھا، ہر گھڑی اُن کی یاد میں مشغول ہیں۔"

اسی طور پر اُن کا چرچا ہوتا رہا۔ ہر قرن میں انبیاء و مرسلین، آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر ابراہیم و موسیٰ و داؤد و سلیمان و زکریا علیہم الصلوٰۃ والسلام تک، تمام نبی و رسول اپنے اپنے زمانے میں مجلس تشریف آوریٔ حضور ترتیب دیتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ سب میں پچھلا ذکر شریف سنانے والا، کنواری ستھری پاک بتول کا بیٹا، جسے اللہ نے بے باپ کے پیدا کیا، نشانی سارے جہان کے لیے یعنی سیّدنا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لایا، فرماتا ہوا مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗۤ اَحْمَدُ ط میں بشارت دیتا ہوں اُن رسول کی جو عنقریب میرے بعد تشریف لانے والے ہیں۔ جن کا نام پاک احمد ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ اجمعین وبارک وسلم۔

جب زمانۂ ولادتِ شریف کا قریب آیا۔ تمام مُلک و ملکوت میں محفل میلاد تھی۔ عرش پر محفلِ میلاد۔ فرش پر محفلِ میلاد۔ ملٰئکہ میں مجلسِ میلاد ہو رہی تھی۔ خوشیاں مناتے حاضر آئے ہیں۔ سر جھکائے کھڑے ہیں۔ جبرئیل و میکائیل حاضر ہیں علیہم الصلوٰۃ

والسلام اُس دُولہا کا انتظار ہو رہا ہے۔ جس کے صدقے میں یہ ساری برات بنائی گئی ہے۔ سبع سموات میں، عرش و فرش پر دھوم ہے۔ ذرا انصاف کرو تھوڑی سی مجازی قدرت والا، اپنی مراد کے حاصل ہونے پر جس کا مدّت سے انتظار ہو، اب وقت آیا ہے، کیا کچھ خوشی کا سامان نہ کرے گا۔ وہ عظیم مقتدر جو ہزاروں برس پیشتر، بلکہ لاکھوں برس سے، ولادتِ محبوب کے پیش خیمے تیار فرمارہا ہے، اب وقت آیا ہے کہ وہ مراد المرادین ظہور فرمانے والے ہیں، یہ قادر علیٰ کلِ شئ، کیا کچھ خوشی کے سامان مہیا نہ فرمائے گا۔

شیاطین کو اُس وقت جلن ہوئی تھی اور اب بھی جو شیطان ہیں جلتے ہیں اور ہمیشہ جلیں گے۔ غلام تو خوش ہو رہے ہیں۔ اُن کے ہاتھ تو ایسا دامن آیا کہ یہ گر رہے تھے، اُس نے بچالیا۔ ایسا سنبھالنے والا ملا کہ اس کی نظیر نہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہٖ وصحبہٖ اجمعین وبارک وسلم۔

ایک آدمی ایک کو بچا سکتا ہے۔ دو کو بچا سکتا ہے۔ کوئی قوی ہوگا زیادہ سے زیادہ دس بیس کو بچالے گا۔ یہاں کروڑوں اربوں پھسلنے والے اور بچانے والا وہی ایک، اَنَا آخذ کُمْ بِحُجَزِکُمْ عن النار ھَلُمُّوا اِلَیَّ۔ میں تمہارا بندِ کمر پکڑے کھینچ رہا ہوں۔ ارے میری طرف آؤ۔ میری طرف آؤ۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہٖ وصحبہٖ اجمعین وبارک وسلم۔ یہ فرمان صرف صحابہ سے خاص نہیں۔ قسم اس کی جس نے انہیں رحمۃ للعلمین بنایا۔ آج وہ ایک ایک مسلمان کا بندِ کمر پکڑے اپنی طرف کھینچ رہے ہیں کہ دوزخ سے بچائیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہٖ صحبہٖ وبارک وسلم۔

الحمد للہ کیسا حامی پایا، اربوں سے بھی اربوں مراتب زائد، گرنے والوں کو اُن کا ایک اشارہ کفایت کر رہا ہے۔ تو ایسے کے پیدا ہونے کا ابلیس اور اس کی ذریّت کو جتنا غم ہو تھوڑا ہے۔ پہاڑوں میں ابلیس اور تمام مَرَدَہ، سرکش قید کر دیئے گئے تھے۔ اُسی کے پیرو اب بھی غم کرتے ہیں۔ خوشی کے نام سے مرتے ہیں۔

ملائکہ سبع سموات، دھوم مچا رہے تھے۔ عرش عظیم ذوق وشوق میں ہلتا تھا۔ ایک

علم مشرق میں، دُوسرا مغرب میں اور تیسرا بامِ کعبہ پر نصب کیا گیا۔ اور بتایا گیا کہ ان کا دارالسلطنت کعبہ ہے اور ان کی سلطنت مشرق سے مغرب تک، تمام جہاں اُنھیں کی سلطنت، انہیں کی قلمرو میں داخل ہے۔

اُس مراد کے ظاہر ہونے کی گھڑی آپہنچی کہ اوّل روز سے اُس کی محفلِ میلاد، اُس کے خیر مقدم کی مبارکباد ہو رہی ہے۔ قادر علیٰ کل شئی نے اُس کی خوشی میں کیسے کچھ انتظام فرمائے ہوں گے۔ جبرئیل امین ایک پیالہ شربتِ جنّت کا، سیدتنا آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لیے لے کر حاضر ہوئے۔ اُس کے نوش فرمانے سے وہ دہشت زائل ہوگئی جو ایک آواز سننے سے پیدا ہُوئی تھی۔ پھر ایک مرغِ سپید کی شکل بن کر اپنا پَر سیدتنا آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطنِ مبارک سے مَل کر عرض کرنے لگے۔

اِظْهَرْ يَا سَيِّدَ الْمُرْسَلِيْن - اِظْهَرْ يَا خَاتَمَ النَّبِيِّيْن - اظهر يا اَكْرَمَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْآخِرِيْنَ -

(جلوہ فرمائیے اے تمام رسولوں کے سردار۔ جلوہ فرمائیے اے تمام انبیاء کے خاتم۔ جلوہ فرمائیے اے سب اگلوں پچھلوں سے زیادہ کریم)۔

یا اور الفاظ، ان کے ہم معنیٰ۔ مطلب یہ کہ دونوں جہانوں کے دولہا، برات سج چکی، اب جلوہ افروزی سرکار کا وقت ہے۔ فظهر رسول الله صلى الله عليه وسلم كالبدر المنير۔ پس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ فرما ہُوئے جیسے چودھویں رات کا چاند۔

الصلوٰة والسلام علیك یا رسول اللہ - الصلوٰة و السلام علیك یا نبی اللہ
الصلوٰة والسلام علیك یا حبیب اللہ - الصلوٰة والسلام علیك یا خیر خلق اللہ

(ملخصاً)

مدح و ثنائے مصطفیٰ اہلِ ولا کی شان ہے

غافلو! اگر ایمان عزیز ہے تو چشم حق بین میں سرمۂ انصاف لگا اور گوشِ قبول سے پنبۂ اغتساف (بے توجہی) نکالو، کجروی بے راہ روی سے باہر آؤ اور اس حقیقت پر ایمان لاؤ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے بغیر ایمان حاصل نہیں ہوتا۔ اور آفتاب نیم روز کی طرح روشن کہ آدمی اپنے محبوب کی فضیلتوں، مدحتوں اور رفعتوں کی نشر و اشاعت میں ہمہ تن مصروف رہتا ہے۔ اور پھر محبوب بھی کیسا، جانِ ایمان وکانِ احسان، جسے اُس کے مالک نے تمام جہان کیلئے رحمت بنا کر بھیجا۔ اُس نے مسلمانوں کے لیے، مسلمانوں کے غم میں، دن کا کھانا، رات کا سونا ترک کیا۔ تم رات دن لہو و لعب اور ان کی نافرمانیوں میں مشغول۔ اور وہ شب و روز تمہاری بخشش کے لیے گریاں و ملول۔ جب وہ جانِ رحمت وکانِ رافت پیدا ہوا، بارگاہِ الٰہی میں سجدہ کیا اور رَبِّ هَبْ لِیْ اُمَّتِیْ فرمایا (کہ الٰہی میری امت مجھے بخش دے) جب قبر شریف میں اتارا، لب جاں بخش کو جنبش تھی۔ بعض صحابہ نے کان لگا کر سنا۔ آہستہ آہستہ اُمّتی فرماتے تھے۔ قیامت میں بھی انہیں کے دامن میں پناہ ملے گی۔

بعض روایات میں ہے کہ حضور ارشاد فرماتے ہیں "جب انتقال کروں گا صور پھونکے تک قبر میں امتی امتی پکاروں گا۔" کان بجنے کا یہی سبب ہے کہ وہ آواز جان گداز، اُس معصومِ عاصی نوازکی، جو ہر وقت بلند ہے، گاہے ہم سے کسی غافل و مدہوش کے گوش تک پہنچتی ہے۔ روح اُسے ادراک کرتی ہے۔ اسی باعث اُس وقت درود شریف پڑھنا مستحب ہوا کہ جو محبوب ہر آن ہماری یاد میں ہے کچھ دیر ہم حرماں نصیب بھی اس کی یاد میں صرف کریں۔

والٹے بے انصافی، ایسے غم خوار پیارے کے نام پر جان نثار کرنا اور اس کی

مدح و ستائش و نشر فضائل و اہتمامِ محافلِ ذکر سے آنکھوں کو روشنی، دل کو ٹھنڈک دنیا واجب پایا یہ کہ حتی الوسع چاند پر خاک ڈالیے اور بے سبب بے دلیل، بے سند، ان کے ذکر کی مجالس کے انکار کی راہیں نکالیے۔ ہم پر بلاغ مبین ہے۔ ہم نے اس سے فراغت پائی۔ اے غافل ولا یعقل اب تو جانے تیرا کام۔ ۱۲

جشنِ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم

سید المحبوبین محبوب رب العلمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روز ولادتِ شریف پر مسلمانوں میں معمول ہے کہ وہ شہر شہر بستی بستی، قریہ قریہ، بازاروں، گزرگاہوں، اور اپنی رہائش گاہوں کو سجاتے، آراستہ کرتے، چراغاں سے اُن کی رونقیں بڑھاتے اور بہ نیتِ تعظیم، چھوٹے بڑے جلوس نکالتے ہیں۔ بحمدہٖ تعالیٰ اس کا بھی ثبوت لیجئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد ماجد کو مع اُن کے اہل وعیال کے بلانے کے لیے اپنے بھائیوں کے ساتھ دو سو سواریاں اور کثیر سامان بھیجا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے مصر کا ارادہ فرمایا۔ جب مصر کے قریب پہنچے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے، مصر کے بادشاہ اعظم کو اپنے والد ماجد کی تشریف آوری کی اطلاع دی۔ اور چار ہزار لشکری اور بہت سے مصری سواروں کو ہمراہ لے کر، آپ اپنے والدِ ماجد کے استقبال کے لیے، صدہا ریشمی پھریرے اُڑاتے، قطاریں باندھے روانہ ہوئے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے فرزند یہودا کے ہاتھ پر ٹیک لگائے تشریف لا رہے تھے۔ جب آپ کی نظر لشکر پر پڑی اور آپ نے دیکھا کہ صحرا زرق برق سواروں سے پُر ہو رہا ہے تو فرمایا اے یہودا کیا یہ فرعونِ مصر ہے، جس کا لشکر اس شان و شوکت سے آ رہا ہے؟ عرض کی نہیں یہ حضور کے فرزند یوسف ہیں۔ علیہ السلام

حضرت جبرئیل نے آپ کو متعجب دیکھ کر عرض کیا۔ فضا کی طرف نظر فرمایئے۔ آپ کے سرور میں شرکت کے لیے ملائکہ حاضر ہوئے ہیں۔ جو مدتوں آپ کے غم کے سبب روتے رہے۔ ملائکہ کی تسبیح، گھوڑوں کے ہنہنانے اور طبل و بوق کی آوازوں نے عجیب کیفیت پیدا کر دی تھی۔ یہ محرم کی دس تاریخ تھی۔

اور کیا یہ بات بھی بتانے اور جتانے کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسے بیان فرمانا اور کسی ممانعت کے بغیر بیان فرمانا، اس فعل کے مباح و جائز ہونے کی روشن دلیل ہے۔ ولکن الوھابیہ قوم لا یعقلون۔

اور عوام کو چاہیئے[۴۸] کہ جس عالم کو مُتَدَیّن (دیندار دینِ حق کا طرف دار) و محقق سمجھیں اس کی تحقیق پر عمل کریں۔ اور دوسرے فریق کے لوگوں سے تعرُّض نہ کریں۔[۴۹] خصوصاً دوسرے فریق کے علماء کی شان میں گستاخی کرنا، چھوٹا منہ، بڑی بات کا مصداق ہے۔ غیبت اور حَسَد سے اعمالِ حَسَنہ ضائع ہوتے ہیں۔ ان امور سے پرہیز کریں۔ اور تعصُّب و عداوت سے بچیں۔ اور ایسے مضامین کی کتابیں اور رسالے مطالعہ نہ کیا کریں کہ یہ کام علماء کا ہے۔ عوام کو علماء پر بد گمانی سے اور مسائل میں شُبہ پیدا ہوتا ہے۔

[۴۸] خصوصاً اس دَور پُر فتن میں کہ قدم قدم پر بھوکے بھیڑیئے، گھات لگائے، عامۃ المسلمین کے دین و ایمان پر نظر جمائے، حیاؤ شرم سے عاری، بے حیائی و بد لحاظی سے یاری، گلی گلی، کوچہ کوچہ، گھر گھر تاک جھانک کرتے پھر رہے ہیں۔ اور جہاں موقع پاتے ہیں، مسلمانوں کی دولتِ ایمان کو لوٹ کر دف ع ہو جاتے ہیں تو سلامتی کی راہ یہی ہے کہ صرف انہیں علمائے کرام سے ربط و ضبط رکھیں جو مذہبِ مہذبِ اہلسنّت پر قائم و دائم ہیں اور عوام میں صرف انہیں سے یارانہ

منائیں جو اُن کے ہم عقیدہ ہم مذہب و مسلک ہوں، جو اس طریقہ پر نہیں، انہیں غیر ہی جانیں، غیر ہی سمجھیں۔ اگرچہ وہ لباس علماء میں ہوں، کہ جو محبوبانِ خدا کے نہیں ہمارا ان سے کیا سروکار۔ ہم ان کے بھکائے میں آکر، اُن کا در کیوں چھوڑیں۔ اور ان کے ٹکڑوں سے منہ کیوں موڑیں ؎

جھڑکیاں کھائیں کہاں، چھوڑ کے ٹکڑا تیرا

۴۹ مسلمانو! تم نے اس طائفہ جدیدہ، وہابیہ نجدیہ کے خیالات مردودہ پڑھے سنے اور دیکھے۔ یہ وہ خیالاتِ باطلہ ہیں کہ سوائے جاہل یا گمراہ غافل کے، کسی پاک نفس ایماندار کے قلب صاف میں جگہ نہیں پا سکتے۔ تو تمہیں کیا پڑی ہے کہ اُن سے الجھو اور اپنا وقت عزیز، لاطائل گفت گو و مباحثے میں برباد کرو۔ وہابیہ نجد نے اپنے ان عقائد خبیثہ پر خَلَّبِیّت کا نقاب ڈالا اور برصغیر پاک وہند میں، یہی وہابی، سنی حنفی چشتی بن کر آتے اور مسلمانوں کو گمراہی کی طرف لے جانے کی تگ و دو میں مصروف رہتے ہیں۔ یہی ان کے نزدیک جہاد ہے اور یہی ان کی تبلیغ کا مفاد۔

تو ہمارے برادرانِ اہلسنّت وجماعت ایسوں سے ایسا تعلق و علاقہ ہی کیوں رکھیں جس سے دین و ایمان پر حرف آئے بلکہ یہ دولتِ بیش قیمت، ہاتھوں سے جائے، ان سے حتیٰ الامکان دور رہنا، ان کی مجلسوں سے دور بھاگنا، ان کی صحبتوں سے دوری اختیار کرنا، یہی سلامتی کا راستہ ہے۔ اور ان سے دینی امور، مذہبی معاملات میں گفت وشنید، اور ان کی کتابوں کا مطالعہ، بالخصوص سیدھے سادے اَن پڑھ عوام اہلسنّت کے لیے زہر قاتل، کہ شیطان موقع کا منتظر ہے اور انسان اپنے مستقبل سے بے خبر۔ اسی لیے حدیث شریف میں فرمایا کہ آخر زمانے میں دجال و کذاب ہوں گے۔ جو تمہارے سامنے وہ حدیثیں لائیں گے کہ نہ تم نے سُنی ہوں گی نہ تمہارے باپ دادا نے۔ لہٰذا تم خود کو ان سے دور رکھو اور انہیں اپنے سے دُور بھگاؤ۔ کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کر دیں، کہیں وہ تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دیں (مسلم شریف) یہی راہِ نجات ہے اور یہی حبل متین ہے

ذیابٌ فی ثیابٍ، لب پہ کلمہ، دل میں گستاخی۔ سلام اسلام ملحد کو کہ تسلیمِ زبانی ہے۔ ۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

اور اس مسئلہ[50] میں جو تحقیق اور عملدرآمد تحریر کیا گیا ہے، کچھ اس مسئلے ہی کے ساتھ مخصوص نہیں۔ نہایت مفید اور کارآمد مضمون ہے، جو اکثر مسائل اختلافیہ، خصوصاً جن کا یہاں ذکر ہے اور جو اس کے مثال ہیں۔ مثل مصافحہ یا معانقۂ عیدین یا مصافحہ بعد وعظ، و بعد نمازِ فجر و عصر، یا نماز ہائے پنجگانہ،[51] و تکرار تہلیل بعد نماز پنجگانہ، و دست بوسی و پابوسی، اور ان کے سوا بہت امور ہیں، جن میں اس وقت شور و شر پھیل رہا ہے ان سب امور میں اس مضمون کا لحاظ رکھنا مفید ہوگا۔ کہ یہ سب[52] اسی قاعدے پر مبنی ہیں۔ فاحفظ تنفع ان شاء اللہ تعالیٰ۔

[50] روئے سخن موافقین کی طرف ہے کہ وہی اہلِ حق و یقین ہیں۔ ورنہ مخالفین نے اور کسے مانا ہے کہ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی مانیں گے۔ مولیٰ عزّ جلّ توفیق خیر رفیق بخشے کہ وہی ہادیٔ برحق ہے اور اسی کی توفیق سے قبولِ حق کی دولت نصیب ہوتی ہے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ارشاد فرمودہ یہ چند کلمے ہی کافی ہیں جن کا قدرے تفصیل سے ذکر مذکور ہوا۔ ازاں جملہ یہ کہ یہ فعل مبارک یعنی میلاد اقدس اور قیام وقتِ ذکرِ ولادتِ حضور خیر الانام علیہ وعلیٰ آلہٖ افضل الصلوٰۃ والسلام صدہا سال سے، بلادِ دارالاسلام میں رائج و معمول اور اکابر ائمہ و علماء میں مقرر و مقبول رہا ہے۔ اور شرع میں اس سے ممانعت مفقود ہے تو جب تک شرع میں ممانعت وارد نہ ہو، اس سے منع کرنا، شریعت پر تہمت جڑنا، اور سخت بیباکی و جرأت ہے لہذا مردود۔ تو مجلس میلاد و قیام وغیرہا امور متنازعہ فیہا کی نسبت، مخالفین کا یہ کہنا کہ زمانہ صحابہ و تابعین میں نہ تھے لہذا ممنوع و بدعت قبیحہ ہیں، محض باطل ہوگیا۔ ہاں اس

وقت ممنوع ہو سکتے ہیں، جب مخالفین کافی ثبوت دیں کہ خاص ان افعال کی صراحۃً ممانعت وارد ہے یا ان افعال میں شرعاً کوئی بُرائی ہے۔ ورنہ اگر یہ امور کسی مستحسن کے نیچے داخل ہیں تو اُس مستحسن کا، فرد ہو کر خود ہی محمود قرار پائیں گے۔ اور بالفرض کسی کے نیچے داخل نہ ہوئے اور شرعی ممانعت صراحۃً وارد نہیں تو مباح ہو کر محمود ٹھہرینگے اس لیے کہ جو امر مباح، بہ نیتِ نیک کیا جائے، وہ شرعاً محمود ہو جاتا ہے کما فی البحر وغیرہ۔ پھر بھی ان افعال کی سند زمانۂ صحابہ و تابعین و تبع تابعین سے مانگنا، ایسی نادانی و جہالت ہے جو خود آپ اپنا جواب ہے۔ والحمد للہ۔

ہاں یہ ہم واضح طور پر کہے دیتے ہیں۔ کہ ہم اہلسنّت وجماعت کا یہ عقیدہ ہرگز نہیں کہ جس زمانے کے جاہل، اپنی جہالت کی سرکشی اور لاعلمی کی خودسری کو اختیار کرکے، جو بات چاہیں، اپنی جانب سے نکال لیں اور ہم اُن خودسروں کی اس حیلہ جوئی کو، ماراہ المسلمون حسناً میں داخل مان کر اُسے محمود ومعمول علماء ٹھہرا دیں۔ کلام علماء میں ہے کہ جس امر کو یہ اکابرامت مستحب و مستحسن کہیں، وہ بے شک مستحب و مستحسن ہے چاہے کبھی واقع ہو کہ علمائے دین کسی وقت میں مصدر و مظہرِ شر نہیں ہوتے۔

(۱۲ محمد خلیل عفی عنہ)

۵۱ مولانا شیخ محقق عبدالحق دہلوی قدس سرہ ماثبت بالسّنۃ میں لکھتے ہیں "لا یخفیٰ اَنَّ الذِکرَ والتَّسبِیحَ والتَّھلِیلَ وَالدُّعاءَ لاباسَ بِہٖ لانہا مشروعۃ فی کُلِّ الاَمکنۃِ وَالاَزمَانِ۔ پوشیدہ نہ رہے کہ ذکر و تسبیح (سبحان اللہ کہنا) وتہلیل (لا الٰہ الا اللہ کا ورد کرنا) و دعا میں کچھ مضائقہ نہیں۔ کہ یہ چیزیں تو ہر جگہ اور ہر وقت میں مشروع ہیں۔"

اللہ اللہ! کیا ستم جری ہیں وہ لوگ کہ قرآن وحدیث کی عام مطلق اجازتوں، اور اکابر علماءِ دینِ متین کی صراحتوں کے بعد بھی، خواہی نخواہی، بندگانِ خدا کو اس کی یاد و دعا سے روکتے ہیں۔ حالانکہ اُس نے ہرگز اس سے ممانعت نہ فرمائی بلکہ صوفیائے کاملین و علمائے صالحین نے اذکار و اشغال و اوراد وغیرہ کے صدہا

طریقے ایجاد کئے۔ پھر اُنہیں سببِ قربِ الٰہی و رضائے ربانی جانا کیے۔ خود عمل میں لاتے، اوروں کو اُن کی ہدایت و تلقین کرتے رہے۔ مگر حضرات وہابیہ اب تک اسی مغالطہ میں گرفتار اور اسی وسوسہ کا شکار ہیں کہ قرونِ ثلثہ میں یہ احداث و مروّج نہ ہوئے لہٰذا بدعتِ سیّئہ ہیں۔ مگر یہ نہیں دیکھتے کہ ان کی زد میں کون کون آیا اور کون کون آتا ہے۔ تمہارے واہی تباہی اقوال کی بنیاد پر مقتدیانِ اہلسنّت، ائمہ سلف سے لے کر شاہ ولی اللہ صاحب اور شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما تک، سب خاطی و آثم، سب کج فہم اور سب ناعاقبت اندیش قرار پاتے ہیں۔ عوام بیچاروں کا کیا کہنا۔ ۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

۵۲ مصافحہ امورِ معاشرت سے ایک امر ہے جس سے مقصودِ شرع، باہم مسلمانوں میں ازدیادِ الفت، اور ملتے وقت اظہارِ اُنس و محبت ہے۔ حدیث میں ہے حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "آپس میں مصافحہ کرو، تمہارے سینوں سے کینے نکل جائیں گے۔ (ابن عدی۔ ابن عساکر)۔ شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں: "السرّ فی المصافحۃ وقولہ مرحبا بفلان ومعانقۃ القادم ونحوھا انھا زیادۃ المودّۃ والتبشیش ورفع الوحشۃ التدابر" مسلمانوں کا آپس میں مصافحہ کرنا۔ آنے والے کے لیے مرحبا کہنا اور اُس سے معانقہ کرنا، اور اسی قبیل کے دوسرے امور میں راز یہ ہے کہ ان سے مسلمانوں میں محبّت و بشاشت بڑھتی اور وحشت اور ایک دوسرے سے کنارہ کشی کی عادت ختم ہو جاتی ہے"۔ اسی میں ہے "مسلمانوں کا آپس میں محبّت و مودّت سے رہنا سہنا، یہ وہ عادت و خصلت ہے جو پسندیدۂ بارگاہِ الٰہی ہے، اور باہم سلام کو زیادہ سے زیادہ رواج دینا، دلوں میں محبت پیدا کرنے کا ایک عمدہ ذریعہ ہے۔ یوہیں مصافحہ کرنا، دست بوسی کرنا اور دوسری خصلتیں"۔

غرض ایسے امور قوم کے عرف و عادت پر مبنی ہوتے ہیں۔ جو امر جس طرح جس قوم میں رائج ہو۔ اور اُن کے نزدیک الفت و اُنسیت اور اُس کی زیادت پر دلیل ہو

وہ عین مقصودِ شرع ہوگا۔ جب تک بالخصوص اس میں کوئی نہی وارد نہ ہو۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اس کی کسی خصوصیت سے، شرعِ مطہر کی کوئی خاص غرض متعلق نہیں۔ اصل مقصود سے کام ہے۔ خواہ وہ کسی ہیئات وخصوصیت سے حاصل ہو۔ آخر نہ دیکھا کہ اُنہیں امور میں، جو بوقتِ ملاقات، بغرضِ مذکور یعنی ازدیادِ محبت، مشروع ہوئے۔ ایک مرحبا کہنا تھا۔ کہ اُس سے بھی خوشدلی اور اُس شخص کے آنے پر فرحتِ قلبی ظاہر ہوتی ہے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو مسلمان مسلمان سے مل کر مرحبا کہے اور ہاتھ ملائے اُن کے گناہ جھڑ جائیں" (احمد) پھر عجمی شہروں میں اس کا رواج نہیں۔ فارس میں اس کی جگہ خوش آمدی کہتے ہیں۔ اور یہاں برصغیرِ پاک وہند میں "آیئے آیئے۔ تشریف لایئے"۔ اور اس کی مثل دُوسرے کلمات ادا کرتے ہیں۔ تو کیا کوئی عاقل اسے مخالفتِ حدیث ومزاحمتِ سنت قرار دے کر، اس فعل کو بدعتِ شنیعہ ٹھہرائے گا۔ رات دن دیکھا جاتا ہے کہ خود حضراتِ منکرین میں دوستوں کے ملتے وقت اسی قسم کے الفاظ کا استعمال عام ہے۔ یہ کیوں نہیں بدعت و ممنوع اور خلافِ سنّت قرار پائے؟ تو وجہ کیا ہے۔ یہی کہ اصل مقصودِ شرع، وہی اظہار خوشدلی، لبغرضِ ازدیادِ محبت ہے۔ کہ محبتیں بڑھیں، اُلفتیں پروان چڑھیں۔ یہ مطلب عرب میں لفظِ مرحبا سے مفہوم ہوتا تھا۔ یہاں ان لفظوں سے ادا کیا جاتا ہے تو شریعت کا مقصود ہر طرح حاصل ہے۔

ہاں وہ بات جس میں کسی طرح کسی رنگ ، مقاصدِ شرع سے مخالفت ہو، بے شک ناپسند ہوگی۔ اگرچہ کسی قوم میں اس کی رسم پڑی ہو۔ جیسے سلام کے عوض، بلاضرورتِ شرعیہ، انگلی یا ہتھیلی کا اشارہ۔ کہ یہود و نصاریٰ سے مشابہت کی وجہ سے اس کی ممانعت آئی۔ (ترمذی) یونہیں جوامرِ نو پیدا کہ کسی سنتِ ثابتہ کی ضد واقع ہو اور اس کے فعل سے، کسی سنّت پر عمل، زائل ہوتا ہو وہ بے شک ممنوع و مذموم ہے۔ جیسے السلام علیکم کی جگہ آج کل عوام پاک وہند میں، آداب۔ مجرا۔ کورنش بندگی کا رواج ہے۔ یہاں تک کہ غریب بندے، بعض معززوں سے، بطریقِ سُنّت

مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم السلام علیکم کہیں، تو وہ اپنے حق میں اسے گویا گالی سمجھیں۔ کہ کیا ہمیں برابر کا سمجھ رکھا ہے۔" ایسے معززوں کے اس فعل نے اُن سے سُنّتِ اسلام اُٹھا دی۔ یہ بے شک، مذمت و انکار کے قابل ہے۔ بخلاف مصافحہ و معانقہ کے، کہ اس سے کسی سُنّت کا ازالہ نہیں ہوتا۔ تو اسے ممنوع و مذموم ٹھہرانا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں کہ "بدعتِ مذمومہ صرف وہی نو پیدا بات ہے جو کسی سنتِ ثابتہ کا رد کرے۔"

پھر جبکہ یہ مصافحہ و معانقہ مسلمانوں میں صدہا سال سے متوارث اور مروّج ہے۔ یہاں تک کہ تمام بلادِ اسلامیہ میں علمائے کرام، فضلائے عظام اور عوام اہلِ اسلام کا معمول ہے۔ اور جو بات مسلمانوں میں متوارث ہو بے اصل نہیں ہو سکتی۔ تو یقیناً محمود ہے اور ایسی کسی چیز کے لیے کوئی خاص سند درکار نہیں ہوتی۔ (فتح القدیر وغیرہ)

حدیث میں ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "لوگوں سے وہ برتاؤ کرو، جس کے وہ عادی ہو رہے ہیں (حاکم) ولہذا ائمہ دین ارشاد فرماتے ہیں"۔ لوگوں میں جو امر رائج ہو جب تک اُس سے صریح نہی ثابت نہ ہو، ہرگز اُس میں خلاف نہ کیا جائے۔ بلکہ انہیں عادات و اخلاق کے ساتھ، ان سے برتاؤ کیا جائے۔"

شریعتِ مطہرہ سُنّی مسلمانوں میں اتحاد و وداد پسند فرماتی، اور اُن کو باہم بھڑکانا، ان میں نفرت پھیلانا، ان میں مخالفت بڑھانا، ناجائز بتاتی ہے، تو بے ضرورتِ شدیدہ و رخصتِ شرعیہ مسلمانوں کی راہوں سے الگ چلنا، سخت احمق جاہل کا کام ہے۔ امام حجۃ الاسلام قدس سرہ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں کہ "ان امور میں لوگوں سے موافقت، صحبت و معاشرت کی خوبی سے ہے۔ اس لیے کہ مخالفت وحشت لاتی ہے۔ اور ہر قوم کی ایک رسم ہوتی ہے۔ اور بالضرورۃ لوگوں کے ساتھ، ان کی عادتوں کا برتاؤ کرنا چاہیئے۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا۔ خصوصاً وہ عادتیں جن میں اچھا برتاؤ۔ نیک سلوک اور موافقت کر کے دل خوش کرتا ہے۔" یہاں تک کہ فرمایا " ایسے ہی مساعدت و موافقت کی ساری قسمیں جبکہ اُس سے دل خوش کرنا

منظور ہو۔ اور کچھ لوگوں نے وہ روش قرار دے لی ہو۔ تو اُن کے موافق ہو کر اس پر عمل کرنا، کچھ مضائقہ نہیں رکھتا۔ بلکہ موافقت کرنا ہی بہتر ہے۔ مگر جس امر میں شرع سے ایسی نہی آگئی ہو جو قابلِ تاویل نہیں "۔ (اُس میں موافقت نہ کی جائے گی) جن لوگوں کو مقاصدِ شرع سے کچھ غرض نہیں اور اپنی ہوائے نفس کے تابع ہیں، وہ خواہی نخواہی، ذرا ذرا سی بات میں مسلمانوں سے اُلجھتے اور اُن کے عادات و افعال کو، جن پر اصلاً شرع سے ممانعت ثابت نہیں، ممنوع و ناجائز قرار دیتے ہیں۔ یہ شریعت پر افتراء ہے۔ ۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

دوسرا مسئلہ ۞ فاتحہ مُروّجہ

اس میں بھی وہی گفتگو ہے جو مسئلہ مولد میں مذکور ہوئی۔ جس کا خلاصہ[۵۳] یہ ہے کہ نفسِ ایصالِ ثواب ارواح میں کسی کو کلام نہیں۔ اس میں بھی تخصیص وتعیین کو موقوف علیہ ثواب کا سمجھے، یا واجب فرض اعتقاد کرے تو ممنوع ہے۔ اور اگر یہ اعتقاد نہیں بلکہ کوئی مصلحت، باعثِ تقلیدِ ہیئت کذائیہ ہے، تو کچھ حرج نہیں۔ جیسا بمصلحت، نماز میں سورت خاص معیّن کرنے کو فقہائے محققین نے جائز رکھا ہے اور تہجّد میں اکثر مشائخ کا معمول ہے۔

۵۳ بات یہ ہے کہ فاتحہ، ایصالِ ثواب کا نام ہے۔ اور ایصالِ ثواب یعنی قرآن مجید یا درود شریف، یا کلمۂ طیبہ، یا کسی نیک کام کا ثواب، دوسرے کو پہنچانا، جائز ومستحسن ہے۔ اہلسنّت کے نزدیک اموات کو ثواب پہنچانا، اور نیک اعمال کا ثواب مُردوں کو پہنچنا ثابت ہے۔ اور یہ بھی حدیثوں میں آیا ہے کہ وہ ثواب پاکر خوش ہوتا اور ثواب پہنچنے کا منتظر رہتا ہے۔ باقی رہا فاتحہ مروجہ کا ثبوت، کہ کھانا سامنے رکھ کر، درود وقرآن پڑھ کر، ثواب اُس کا بنامِ میت کرتے ہیں، وہ خود شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے کلام میں آگے آتا ہے۔ ہم صرف اتنی بات پر اکتفاء کرتے ہیں کہ فاتحہ کے وقت کھانے وغیرہ کا، قاری کے پیش نظر ہونا، اگرچہ بیکار سی بات ہے مگر اس کے سبب سے ایصال ثواب، یا جواز فاتحہ میں کچھ خلل نہیں آتا۔ جو اسے ناجائز وناروا کہے۔ ثبوت اس کا دلیل شرعی سے دے۔ ورنہ اپنی طرف سے بحکم خدا ورسول کسی چیز کو ناروا کہدینا، خدا ورسول پر افتراء کرنا ہے، ہاں اگر کسی شخص کا یہ اعتقاد ہے کہ جب تک کھانا سامنے نہ ہو

ثواب نہ پہنچے گا تو یہ گمان اُس کا محض غلط ہے۔ ۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

اور تأمّل سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ سلف میں تو یہ عادت تھی کہ مثلاً کھانا پکا کر مسکین کو کھلا دیا اور دل سے ایصالِ ثواب کی نیت کر لی۔ متأخرین میں کسی کو خیال ہوا کہ جیسے نماز میں نیت، ہر چند دل سے کافی ہے۔ مگر موافقتِ قلب ولسان کے لیے عوام کو زبان سے بھی کہنا مستحسن ہے۔ اسی طرح اگر یہاں زبان سے کہہ لیا جائے کہ "یا اللہ اس کھانے کا ثواب فلاں شخص کو پہنچ جاوے" تو بہتر ہے۔ پھر کسی کو خیال ہوا کہ لفظ "اُس" کا مُشار الیہ، اگر روبرو موجود ہو تو زیادہ استحضار (و حضوری) قلب ہو، کھانا روبرو لانے لگے۔ کسی کو خیال ہوا کہ یہ ایک دُعا ہے، اگر کچھ کلامِ الٰہی پڑھا جاوے تو قبولیتِ دعا کی بھی امید ہے اور اس کلام کا ثواب بھی پہنچ جاوے گا کہ جمع بین العبادتین ہے ؎

چہ خوش بود کہ بر آید بیک کرشمہ دو کار۔

۵۴ اور مومن کو عملِ نیک کا ایک ثواب، اُس کی نیت کرتے ہی حاصل، اور عمل کئے پر دس ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ صحیح حدیثوں میں ارشاد ہوا۔ بلکہ متعدد حدیثوں میں فرمایا گیا کہ نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِّنْ عَمَلِهٖ۔ مسلمان کی نیت اُس کے عمل سے بہتر ہے۔ اور بعض احادیث میں آیا کہ "بے شک اللہ عزّوجلّ، بندہ کو اُس کی نیت پر وہ ثواب دیتا ہے جو اس کے عمل پر نہیں دیتا۔" اور وجہ اس کی ظاہر، کہ نیت، جو ارادۂ قلب کا نام ہے۔ اس میں ریا کو دخل نہیں۔ اور عمل، جو اعضائے بدن کی استعانت سے وجود میں آتا ہے، اُس ریاء و نمائش کی بڑی گنجائش ہے۔ ۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

۵۵ فاتحہ میں دو عمل ہوتے ہیں قرأتِ قرآن و اطعام طعام۔ طریقۂ مروجہ میں ثواب پہنچانے کی دُعا اُس وقت کرتے ہیں جبکہ کھانا وغیرہ دینے کی نیت کر لی۔ اور کچھ قرآن عظیم

پڑھ لیا۔ تو کم از کم گیارہ ثواب تو اُس وقت مل چکے۔ دس ثواب قرأت کے۔ اور ایک نیتِ اطعام و تصدُّق کا۔ رہا کھانا وغیرہ کھلانے یا دے دینے کا ثواب، وہ اگرچہ اس وقت موجود نہیں۔ تو کیا ثواب پہنچانا، شاید ڈاک یا پارسل میں کسی چیز کا بھیجنا سمجھا گیا ہے کہ جب تک وہ شے موجود نہ ہو، کیا بھیجی جائے۔ حالانکہ اس کا طریقہ صرف جناب باری میں دعا کرنا ہے کہ وہ ثواب میت کو پہنچائے۔ خود امام الطائفہ الوہابیہ نے صراطِ مستقیم میں لکھا کہ "طریقِ رسانیدنِ آں دُعا بجنابِ الٰہی ست"۔ کیا دعا کرنے کے لیے بھی اُس شے کا موجود فی الحال ہونا ضروری ہے؛ مگر ہے یہ کہ جہالت سب کچھ کرا لیتی ہے۔ ہمارا روئے سخن یہاں ان سے ہے جو کہتے ہیں کہ کھانا محتاج کو دینے سے پہلے، اُس کا ثواب میّت کو نہیں پہنچا سکتے۔ لہذا پہلے کھلائے پھر ثواب پہنچائے"۔

یاد رکھیے کہ فاتحہ کے تین طریقے مروّج ہیں اور تینوں درست و روا۔ اوّل شیرینی یا کھانے وغیرہ پر سورۂ فاتحہ وغیرہ خود پڑھ کر، یا دوسرے سے پڑھوا کر، تقسیم کر دینا۔ دوم کھانا وغیرہ حاضرین کے سامنے رکھ کر یہ کہہ دینا کہ ایصال ثواب کے لیے فاتحہ پڑھ دیجئے۔ اور جب وہ پڑھ لیں تو انہیں کھانے کی اجازت دے دینا۔ سوم کھانا وغیرہ حاضرین کو کھلا کر، اُن سے کہنا کہ فلاں کو اس کا ثواب بخشدیجئے۔ ۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

(ولہذا) قرآن شریف کی بعض سورتیں بھی[56] جو لفظوں میں مختصر اور ثواب میں بہت زیادہ ہیں، پڑھی جانے لگیں۔ کسی نے خیال کیا، دُعا کے لیے[57] رفع یدین سُنّت ہے۔ ہاتھ بھی اُٹھانے لگے۔ کسی نے خیال کیا، کھانا جو مسکین کو دیا جائے گا، اُس کے ساتھ پانی دینا بھی مستحسن ہے۔ پانی پلانا بڑا ثواب[58] ہے۔ اس پانی کو بھی کھانے کے ساتھ رکھ لیا۔ پس یہ ہیئت کذائیہ حاصل ہو گئی۔

۵۶؎ خصوصاً سورۂ فاتحہ کہ اس کا جزءِ اعظم ہے اور اسی کی بنا پر فاتحہ کو فاتحہ کہتے ہیں اور جس کے لیے احادیث صحیحہ میں وارد کہ "نہ اس کے مثل، توراۃ میں کوئی سورت اتاری گئی۔ نہ انجیل میں، نہ زبور میں۔ نہ قرآن میں اور باعتبار ثواب یہ قرآن کی سب سے بڑی سورت ہے۔ وہ سبع مثانی اور قرآن عظیم کی جان ہے کہ جو کچھ قرآن میں ہے۔ سب سورۂ فاتحہ میں ہے۔ اسی لیے اس سورۂ مبارکہ کا ایک نام اُمّ الکتاب ہے۔ اسی طرح آیۃ الکرسی کہ شیطان اُس گھر سے بھاگتا ہے جس میں آیۃ الکرسی پڑھی جاتی ہے۔ اور اس کا پڑھنے والا اللہ کی امان میں رہتا ہے۔ یونہی سورۂ اخلاص یعنی قُل ھو اللہ شریف، جس کے لیے فرمایا گیا کہ قُل ھو اللہ احد تہائی قرآن کے برابر ہے یا اور دوسری سورتیں یا منتخبہ آیتیں۔ جنہیں عرف عام میں پنج آیت کہا جاتا ہے۔ غرض مقصود اصلی، قرأتِ قرآن ہے خواہ کسی جائز طریقے پر پڑھا جائے۔ اور خواہ اُسے کوئی بھی نام دیا جائے۔ ۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

۵۷؎ آسمان قبلۂ دُعا ہے تو کمال ادب یہی ہے کہ ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھائے جائیں۔ سینے یا شانوں یا چہرے کے مقابل رہیں۔ یعنی اُن میں خم نہ ہو۔ اور یہ ہاتھ اٹھانا اور رب کریم کے حضور پھیلانا، اپنی عاجزی و فروتنی کے اظہار کے لیے ہے اس سے شرمانا یا اُس کی بارگاہ میں ہاتھ پھیلانے سے ہچکچانا، قطعاً اس عاجزی و بے کسی کے اظہار میں خلل انداز ہے تو شریعتِ مطہرہ میں یہ کیوں کر گوارا ہوگا۔ نہ یہ کہ دوسرے جو اس کی درگاہِ بے کس پناہ میں گڑگڑاتے، ہاتھ پھیلاتے اور اُس سے اپنی حاجات روائی کے لیے بھیک مانگ رہے ہیں، اُنہیں اس سے روک دیا جائے اور اُن پر بدعت و گناہ کے فتوے تھوپ دیئے جائیں۔ خصوصاً جب کہ وہ دوسروں کی بخشش کے لیے دُعا کر رہے ہیں، بالخصوص مجمع مسلمین میں کہ بتوفیق الٰہی عاجزی والحاح میں زیادت کی موجب ہے اور جس قدر، ادھر سے عاجزی زیادہ ہوگی، ادھر سے لطف و کرم زائد ہوگا۔

زور را بگذار و زاری را بگیر
رحم سوئے زار آید اے فقیر

خاک سے زیادہ کوئی بانیاز نہ تھا، اُسی واسطے آفتابِ عنایت، عرش و کرسی اور فلک و ملک کو چھوڑ کر اس پر چمکا اور عنایتِ ازلی نے اُسے شرفِ برتری بخشا۔ کہ جو خاک و خاکی نے پایا کسی اور کے حصّے میں نہ آیا۔ ۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

ر ہا تعیینِ تاریخ ۵۹ تو یہ بات تجربے سے معلوم ہوتی ہے کہ جو امر کسی خاص وقت میں معمول ہو تو اُس وقت وہ یاد آجاتا ہے اور ضرور ہو رہتا ہے اور نہیں تو، سال ہا سال گزر جاتے ہیں۔ کبھی خیال بھی نہیں آتا۔ اسی قسم کی مصلحتیں، ہر امر میں ہیں۔ جن کی تفصیل طویل ہے۔ محض بطورِ نمونہ تھوڑا سا بیان کیا گیا ہے۔ ذہین آدمی غور کر کے سمجھ سکتا ہے۔ اور قطعِ نظر، مصالحِ مذکورہ کے، ان میں بعض اسرار بھی ہیں۔ بس اگر یہی مصالح بنائے تخصیص ہوں تو کچھ مضائقہ نہیں۔

۵۸ حضرت سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ کی حدیث سے ثابت کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کہ یارسول اللہ، میری ماں نے انتقال کیا، تو کون سا صدقہ افضل ہے۔ فرمایا پانی۔ انہوں نے کنواں کھود کر کہا ھٰذِہٖ لِاُمِّ سَعد۔ یہ مادرِ سعد کے لیے ہے۔ (ابوداؤد و نسائی) ایک حدیث میں ہے "سب سے بہتر صدقہ پانی ہے۔" اور ایک حدیث میں ہے جہاں پانی نہ ملتا ہو، کسی کو پانی پلانا ایک جان کو زندہ کرنے کے مثل ہے۔ اور جہاں پانی ملتا ہو وہاں پلانا، غلام کو آزاد کرنے کے مثل ہے۔ ۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

۵۹ امواتِ مسلمین کو ہدیۂ اجر و ایصالِ ثواب، باجماعِ اہلسنّت وہ کارِ خیر و مندوب ہے کہ خود شرعاً محبوب بلکہ مطلوب ہے۔ خود احادیثِ کریمہ میں اس پر ترغیب وارد کہ فرمایا حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے، کہ تم میں سے جو، اپنے بھائی مسلمان کو نفع پہنچا سکتا ہے وہ پہنچائے۔" یہ حکم عام و شامل ہے۔ اور اس میں ہر مسلمان بھائی

داخل، خواہ وہ زندہ موجود ہو، یا مردہ مرحوم، جیسا ایصال ثواب کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اس سے اُسے فائدہ پہنچے گا۔ اور وہ مرحوم اس ثواب کو پاکر خوش ہوگا۔ تو اس کار خیر سے روکنے کے لیے بہانے تراشنا اور تخصیص و تقیید کو حیلہ بنا کر، آڑے آنا کہ فلاں تاریخ و فلاں دن کی خصوصیت نے، یا فلاں طریقے کی خصوصاً رعایت نے اسے بدعت بنا دیا، کسی سفیہ و جاہل کا کام ہوسکتا ہے۔ یا پھر ان گمراہوں، گمراہ گروں کا، جو اپنے بطون میں جراثیم وہابیت لیے پھرتے ہیں۔ اور مسلمانوں میں افتراق و انتشار پھیلا کر انہیں امور خیر سے عار دلا کر، اہلسنّت وجماعت کے اجماع کو پارہ پارہ کرتے ہیں۔

مسلمان بھائی تو اتنا یاد رکھیں کہ ایصالِ ثواب کے لیے مساکین کو کھانا کھلانا، یا ان میں تقسیم کرنا اور نیک نیت سے خیرات کرنا۔ جس میں نہ محتاج پر احسان رکھا جائے۔ نہ اس کو تکلیف دی جائے۔ اور نہ کھانے کی بے حرمتی ہونے پائے۔ یونہی پرندوں کے لیے پانی رکھنا۔ دانہ ڈالنا۔ حتیٰ کہ کُتے کو روٹی ڈالنا۔ مسکین کو کپڑا دینا۔ میلاد شریف پڑھوانا۔ ان کے علاوہ اور جو اجر و ثواب کی باتیں ہیں، ان کا عمل میں لانا، اور ان کا ثواب میت کو پہنچانا بلا شُبہ جائز اور کار ثواب ہے۔ ان سب کا ثواب میت کو پہنچتا ہے اور وہ اس سے ایسا خوش ہوتا ہے جیسے دُنیا میں دوستوں کے ہدیے تحفے سے، ملٰئکہ ان ثوابوں کو، نور کے طبق میں رکھ کر میّت کے پاس لے جاتے ہیں اور اُس سے کہتے ہیں کہ اے گہری گور والے! یہ ثواب تیرے فلاں عزیز یا دوست نے بھیجا ہے۔

یونہی قرآن مجید، پڑھنے کے لیے مسجد میں رکھنا، صدقہ جاریہ ہے۔ جب تک وہ رہیں گے اور پڑھے جائیں گے۔ اس کے رکھنے والے اور میّت کو ثواب پہنچے گا۔ اور کیسا ثواب؟ ہر حرف پر دس نیکیاں۔ جیسا کہ حدیثِ شریف میں فرمایا۔ "میں نہیں کہتا الٓمٓ ایک حرف ہے۔ بلکہ الف ایک الگ حرف ہے۔ لاؔم الگ حرف ہے میمؔ الگ حرف ہے"۔

یوہیں میت کی قبر پر پھول چڑھانا مفید ہے۔ وہ جب تک تر ہے ربّ العزّت کی تسبیح کرتا ہے اور اس سے میت کا دل بہلتا ہے۔ پھر یہ ایصال ثواب ہر دن ممکن ہے۔ اور کسی خصوصیت کے سبب، یا کسی مصلحت کے پیشِ نظر، ایک تاریخ کا التزام،

جبکہ اُسے شرعًا واجب نہ جانے، کچھ مضائقہ نہیں رکھتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر پیر کو نفلی روزہ رکھتے۔ کیا اتوار یا منگل کو رکھتے، تو نہ ہوتا۔ یا اس سے یہ سمجھا گیا کہ معاذاللہ حضور نے پیر کا روزہ واجب سمجھا۔ یہی حال فاتحہ سوئم و دہم و بستم و چہلم کا ہے کہ کسی نہ کسی مصلحت کے مدنظر ان کی تعیین کر لی گئی ہے۔ یہ تخصیصات نہ شرعی تخصیصات ہیں۔ نہ ان کو شرعی سمجھا جاتا ہے۔ جاہل سے جاہل بھی کوئی مُسلمان ایسا نہ ملے گا جس کا یہ عقیدہ ہو کہ اسی دن یا تاریخ کو ثواب پہنچے گا۔ اگر کسی اور دن تاریخ میں کیا جائے تو نہ پہنچے گا۔

عزیزو! یہ محض رواجی اور عرفی بات ہے جو اپنی سہولت و آسانی کے لیے مسلمانوں میں معمول و مروّج ہے۔ جبکہ یہ بھی حقیقت ہے کہ انتقال کے بعد ہی سے قرآن کریم کی تلاوت اور خیر خیرات کا سلسلہ جاری ہو جاتا ہے۔ اور بہت دنوں تک جاری رہتا ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے کیونکر کیا جا سکتا ہے کہ مخصوص ایام کے سوا، دوسرے دنوں میں لوگ اسے ناجائز جانتے ہیں۔ یہ تو مسلمانوں پہ ناحق بدگمانی اور صریح افترا ہے۔ ورنہ یوں تو ہر مسلمان، ایسی خرافات کرنے والوں کو لاجواب و خاموش و مبہوت کر دینے کی نیّت سے کہہ سکتا ہے کہ روٹی کھاتے وقت، روٹی کو سامنے لانے کی بھی ضرورت نہیں۔ پیٹھ کے پیچھے رکھ کر بھی کھا سکتے ہیں اور سر پہ رکھ کر توڑ سکتے ہیں۔ مگر اے مخالفو! منکرو! یہ جو تم نے التزام کر رکھا ہے۔ کہ روٹی سامنے ہی رکھکر کھاتے ہو تو کیا یہ شرعًا فرض واجب ہے؟" اگر ہے تو دلیل و سند لاؤ۔ اور نہیں تو اپنی ضد سے باز آؤ مگر ہے یہ کہ وہابیہ کے نزدیک جو واجب نہ ہو، اُس کے التزام سے شیطان کا حصّہ آجاتا ہے تو ثابت ہوا کہ وہابیہ شیطان کا حصّہ کھاتے ہیں۔

غرض تاریخ و یوم کی تخصیص و تعیین عرفی ہے۔ جس سے ثواب میں خلل نہیں آتا۔ یہ تخصیصات و تقییدات، خالقِ کائنات نے مباح کی ہیں، تو جب تک یہ لازم شرعی نہ سمجھی جائیں، مباح و مندوب ہی رہیں گی۔ اسی کی طرف اشارہ ہے۔ اس حدیث شریف میں کہ صَوۡمُ یومِ السَّبۡتِ لالکَ ولاعلیکَ یعنی ہفتہ کا روزہ مباح ہے

نہ واجب کہ آدمی مزید ثواب پائے اور اس کے ترک پر گناہ لازم آئے۔ اور نہ اس پر ممانعت وارد کہ حکم عدولی قرار پائے۔ اور موجب عتاب ہو۔ منکرین یہ نہیں جانتے اور جانتے ہیں تو مانتے نہیں، کہ آج کل جس طرح مدارس اور خانقاہیں اور مسافر خانے بنائے جاتے ہیں اور سب مسلمان اُن کو فعلِ ثواب سمجھتے ہیں، تو کیا کوئی ثبوت دے سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بنائے یا بنوائے تھے۔ یا کوئی ثبوت دے سکتا ہے کہ فاتحہ جس طرح اب دی جاتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا۔ اور جب ممانعت کا ثبوت نہیں دے سکتا اور بے شک ہرگز نہیں دے سکتا تو دل سے حکم شرعی گڑھ کر شریعت پر افتراء کیوں کرتا ہے۔ ۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

رہا عوام کا غلو۔ تو اولاً اس کی اصلاح کرنی چاہیئے۔[۶۰] اس عمل سے کیوں منع کیا جائے۔ ثانیاً اس[۶۱] کا غلو اہلِ فہم کے فعل میں مؤثر نہیں ہو سکتا۔ لنا اعمالنا ولکم اعمالکم۔ رہا شبہ تشبّہ کا۔ اس میں بحث ازبس طویل ہے۔ مختصراً اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ تشبّہ اُس وقت تک رہتا ہے، جب تک وہ عادات، اُس قوم کے ساتھ ایسی مخصوص ہوں کہ جو شخص وہ فعل کرے اُسی قوم سے سمجھا جائے۔ یا اس پر حیرت ہو۔ اور جب[۶۲] دوسری قوموں میں پھیل کر عام ہو جائے تو وہ تشبّہ جاتا رہتا ہے۔ ورنہ اکثر امور متعلق عادات و ریاضات، جو غیر قوموں سے ماخوذ ہیں مسلمانوں میں اس اکثرت سے پھیل گئے کہ کسی عالم درویش کا گھر بھی اس سے خالی نہیں۔ یہ امور مذموم نہیں ہو سکتے۔ قصۂ تطہیر اہل قبا، اس میں کافی حجت ہے۔ البتہ جو ہیئت عام نہیں ہوئی وہ موجبِ تشبّہ ہے اور ممنوع۔ پس یہ ہیئتِ مروّجۂ ایصال، کسی قوم کے ساتھ مخصوص نہیں۔

[۶۰] مثلاً انہیں احسن طریقہ پر سمجھایا اور اُن کے ذہن نشین کرایا جائے کہ اموات

مسلمین کو ایصالِ ثواب، قطعاً مستحب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تم میں سے جو شخص اپنے بھائی مسلمان کو فائدہ پہنچانے کی استطاعت رکھتا ہے تو وہ ضرور اُسے فائدہ پہنچائے"۔ بے شک مسلمانوں کو نفع رسانی سے اللہ عزّو جلّ کی رضا ورحمت ملتی ہے۔ اور اُس کی رحمت، دونوں جہاں کا کام بنا دیتی ہے مگر آدمی کو اللہ کے کام میں، اللہ ہی کے لیے نیّت، اور دل میں خلوص چاہیئے۔ دنیا کی نام ونمود، اور نمائش وشہرت کو اس میں دخل انداز نہ ہونا چاہیئے۔ کہ جو صرف دنیا کا طالب ہوتا ہے اُسے دنیا مل جاتی ہے مگر ثوابِ اُخروی سے محروم ہو جاتا ہے۔ تم نے نیاز درود فاتحہ میں، اگر دن یا تاریخ مقررہ کے متعلق یہ سمجھ رکھا ہے کہ انہیں دنوں میں ثواب ملے گا۔ آگے پیچھے نہیں، تو یہ سمجھنا اور انہیں لازم شرعی ماننا، حکمِ شرعی کے خلاف ہے۔ یوہیں اُنہیں بتائیں کہ فاتحہ وایصالِ ثواب کے لیے، کھانے کا پیش نظر ہونا کچھ ضرور نہیں۔ یا حضرتِ خاتونِ جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نیاز کا کھانا پردے میں رکھنا۔ اور مردوں کو نہ کھلانے دینا، یہ عورتوں کی جہالتیں ہیں اور محض بے ثبوت اور اختراعی باتیں۔ مردوں کو چاہیئے کہ ان خیالات کو مٹائیں اور عورتوں کو راہِ راست وحکم شرعی پر چلائیں۔ وغیرہ وغیرہ ١٢ محمد خلیل عفی عنہ

٦١ھ قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی۔ تو جو عوام نے کیا اُس میں خواص کو اور علماء وصلحاء ملت واتقیاءِ امت کو کیوں شامل کیا جائے۔ خصوصاً جبکہ علماءِ کرام میں کسی فعل کا مروّج اور کسی عمل کا معمول ہونا، خود اس کے جائز ہونے کی دلیل شرعی ہے۔ عوام الناس بلکہ ان میں بھی محض ناواقف وبے علم مسلمانوں سے اگر کوئی ایسا فعل ثابت ہے، یا ان میں معمول ہے جو صراحۃً احکام شرع کے خلاف ہے تو اس پر صرف انہیں کو مُلزم ومجرم قرار دینا صحیح ہے نہ کہ معاذ اللہ، ان کے سبب حکمِ عام لگا دینا اور باقی لوگوں کو بھی اس میں گھسیٹ لینا۔ یہ محض باطل ہے۔ ١٢ محمد خلیل عفی عنہ

٦٢ھ گنگوہی صاحب سے سوال ہوا کہ آب وطعام سامنے رکھ کر، ہاتھ اٹھا کر، فاتحہ پڑھ کر، ایصالِ ثواب کرنا ثابت وجائز ہے یا نہیں؟ اس کا جواب جناب گنگوہی صاحب

نے یہ دیا کہ "اور فاتحہ میں ہاتھ اُٹھا کر پڑھنا، طعام وشراب روبرو رکھکر، مشابہت فعل ہنود سے ہے۔.... (الیٰ ان قال) اور تفصیل ان جملہ مسائل کی، بسط کے ساتھ براہین قاطعہ میں ہے"۔ (فتاویٰ رشیدیہ صـ۱۴۱ مطبوعہ کراچی)

اور براہین قاطعہ میں فاتحہ کی نسبت مذکور کہ "تشبّہ ہنود کا بھی اس میں مقرر ہے۔ کیونکہ تمام ہنود میں رسم ہے اور ان کا یہ شعار ہے کہ طعام پر بید پڑھواتے ہیں۔ تحفۃ الہنود میں ہے کہ ہر سال جس تاریخ کو کوئی مرا اُسی تاریخ کو ثواب پہنچاتے ہیں۔ اور اس کو ضرور جانتے ہیں۔ اور پنڈت اُس کھانے پر بید پڑھتا ہے۔ انتہیٰ۔ پس اگر اس کو رسم ہنود کہیں بجا اور حق ہے۔"

اللہ اللہ قرآن عظیم کی تلاوت' وید پڑھنے سے مشابہ ٹھہری' اور یہی تمہارا ایمان تمہارا دھرم ہے تو روزہ کو برت' اور حج کو تیرتھ کے مشابہ کہدینا۔ اور جو حکم فاتحہ پر لگایا، یہاں بھی جڑ دینا کہ یہ رسم ہنود ہے۔ تو پھر یہ دیوبند کا مدرسہ کیوں نہیں کھودا جاتا، اس کی اینٹ سے اینٹ کیوں نہیں بجائی جاتی۔ کہ بالکل پاٹھ شالا کے مشابہ ہے۔ سب کام وہی ہیں۔ نام میں فرق ہے تو ہوا کرے۔ اور یہ فرق کہ یہاں قرآن پڑھتے پڑھاتے ہیں وہاں وید۔ فاتحہ میں کب کام آیا، اور فاتحہ میں تم نے کب اس عظیم فرق کا لحاظ رکھا کہ یہاں کام آئے اور وہ فرق ملحوظ رہے۔

مسلمانو! وہابی اپنے پیر طریقت کی نہیں مانتا تو تمہاری کب اُسے پروا۔ مگر تم یہ چند باتیں غور سے پڑھو اور ذہن نشین کر لو کہ (۱) بالفرض اگر بعض ہنود ایسا کرتے ہیں تو بہت سی رسمیں، ہندوؤں نے مسلمانوں سے سیکھی ہیں۔ یہ ثبوت وہابی کے ذمہ ہے کہ اس کے اصل بانی ہنود ہیں یا انھوں نے یہ رسم مسلمانوں سے لی۔ یہ فطری بات ہے کہ سلطنت کا رعیت پر۔ فاتح کا مفتوح پر، غالب کا مغلوب پر، اثر ہوتا ہے۔ مسلمان ہندوستان میں آئے تو فاتح و غالب و حاکم بن کر آئے۔ اور صدہا سال سلطان و حکمران رہے۔ ان کا اثر، ہندو رعیت پر پڑا۔ ہندوؤں کی طرزِ معاشرت میں بھاری تبدیلیاں آئیں۔ مسلمانوں کے ساتھ لین دین

کاروبار، ملازمت وغیرہ امور دنیاوی میں انہوں نے مسلمانوں کا اثر قبول کیا۔ یہاں تک کہ ہندوؤں کے روزمرہ میں، عام گفتگو اور باہمی بات چیت میں بہ کثرت الفاظِ عربیہ داخل ہوگئے اور ایسے ان کے دل و دماغ میں رچے بسے کہ آجتک انہیں ان کا نعم البدل اپنی زبان میں نہ مل پایا۔ تو یہ رسم بھی اُن ہندوؤں نے، ہم مسلمانوں سے لے کر، اپنے معاشرے میں داخل کر لی ہو تو کیا محال ہے، اور کیوں اس پر اتنا شور وغوغا برپا ہے؟ پھر اس رسم کو ہندوؤں کا شعار کہنا، صریح جھوٹ اور نرا اتہام ہے۔ کسی قوم کا شعار وہ فعل و عمل ہے جس سے ان کی پہچان ہو اور ان میں اور اُن کے غیر میں، اُس سے امتیاز کیا جاتا ہو کہ یہ فلاں ہے مثلاً نصرانی یا مجوسی یا ہنود۔ اور فلاں چیز سے یہ دوسروں سے ممتاز ہے۔ فلاں چیز اس کا شعار ہے۔ جیسے نصرانی کی صلیب، ہندوؤں کی چوٹی۔ گلے میں جنیؤ اور ماتھے پر قشقہ۔ یہاں شعاریت اگر ہے تو وید پڑھنے سے۔ تو منکروں کا کوئی مولوی، کسی منکر کی فاتحہ میں وید پڑھے یا کسی پنڈت سے پڑھوائے، اُسے منع کرنا، ان مفتیوں کا کام ہے کہ تو شعارِ ہنود کا مرتکب ہوا۔ مسلمانوں کا حال، ان مولویانِ بدحال کو کیا معلوم۔

مسلمانو! انہیں بتاؤ اور سمجھاؤ کہ مسلمان، فاتحہ میں قرآن عظیم کی تلاوت کرتے ہیں۔ وید پڑھنا ہندوؤں کا شعار تھا۔ تو قرآن عظیم کی تلاوت خاص شعارِ اسلام ہے۔ اس زمین و آسمان کے فرق کے بعد بھی، فاتحہ، رسم ہنود سے مشابہ ٹھہرے اور یہی بات ان کے دلوں میں قرار پکڑے۔ تو وہابیہ کے قانون کے مطابق روزے بھی ممنوع ہوں اور حج بھی ممنوع قرار پائے کہ برت اور تیرتھ سے مشابہ ہوگا۔ خصوصاً نفلی روزے نفلی حج۔ کہ وہی برت اور تیرتھ سے تشابہ ہے۔

اتنا ہی نہیں، وہابیت کی اس ذہنیت کے مطابق، سورج گرہن، اور چاند گرہن کے وقت تصدق و خیرات کرنا بھی ممنوع ہوگا کہ ہندوؤں کا شعار ٹھہریگا۔ یہاں تو کوئی ایسا فرق بھی نہیں۔ بخلافِ فاتحہ کہ اس میں رسم ہنود سے تشبّہ اسی کو سوجھے گا، جو قرآن کریم اور وید میں فرق نہ کرے گا۔ یا پھر یہ احکام شرعیہ،

ازانجاکہ برخلافِ حکم "مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ" ہیں، خلافِ قیاس ٹھہرکر اپنے مورد یعنی جائے وُرود و محلّ خاص پر مُقتصر و محدود رہیں گے۔ اس سے تجاوز ہرگز نہ کرینگے۔
علاوہ ازیں، گنگوہی صاحب اور اُن کے اتباع و اذناب کا تعصُّب تو ملاحظہ ہو کہ انہیں اپنا فتاویٰ بھی یاد نہ رہا۔ جہاں صاف لکھا کہ " ٹوپی نصرانیوں کی یا کرتے یا پتلون شعارِ کفر نہیں بلکہ لباس اُس قوم کا ہے۔ اُن کا پہننا ہندوستان میں تو تشبّہ ہے۔ اور اُس ملک میں کہ وہاں مسلمانوں کا بھی یہی لباس ہے۔ وہاں گناہ بھی نہیں کہ وہاں یہ لباس، شعارِ نصاریٰ نہیں"۔ (ص۴۲ ۳ مطبوعہ کراچی)
سبحان اللہ وہاں کوٹ پتلون ہیٹ تک شعارِ نصاریٰ نہیں۔ حالانکہ بعینہٖ شئی واحد ہے۔ اور یہاں کہ صدہا سال سے تمام مسلمانوں میں فاتحہ کا رواج ہے جسے شاہ عبد العزیز صاحبؒ تحفہ میں تمام اُمّت کا معمول بتلاتے ہیں، شعارِ ہنود ہو گیا۔ اور قرآن و وید کا بھی فرق معطّل ولا اعتبار رہا۔
تو پھر کہنے دیجئے کہ مدرسۂ دیوبند کا قیام و وجود، کیوں نہ حرام و فسق و تشبُّہِ ہنود ہوا۔ بالکل ان کا پاٹ شالہ ہے۔ وہی مقصد، وہی مدرس، وہی طلبہ، وہی درس۔ وہی سالانہ جلسے، وہی امتحان، وہی فیل پاس، وہی انعام۔ اور اس فرق کا کیا لحاظ کہ تم قرآن مجید اور اُس کے متعلقات پڑھاتے ہو اور وہ وید اور اُس کے متعلقات۔ اُس فرق نے فاتحہ میں کیا کام دیا جو یہاں دے گا۔
مسلمانو! ان منکروں کو بتاؤ کہ تمہارا امام الطائفہ صراطِ مستقیم میں اجتماعِ طعام و قرآن خوانی کو بہتر لکھ گیا کہ " ہر گاہ بایصالِ ثواب نفع بمیت منظور دارد، موقوف بر اطعام نہ گزارد۔ اگر میسّر باشد بہتر ست والا صرف ثوابِ سورۂ فاتحہ و اخلاص بہترین ثواب ہا است۔" یعنی میّت کو ثواب پہنچانا کھلانے پر موقوف نہ رکھیں۔ ہاں میسّر ہو تو بہتر ہے۔ ورنہ صرف فاتحہ و قُل کا ثواب سب سے اعلیٰ ہے۔" اور اپنے رسالہ ذبیحہ مندرجہ زبدۃ النصائح میں لکھا کہ " اگر بکرا گھر میں پالے تاکہ اُس کا گوشت اچھا ہو۔ اُسے ذبح کر کے پکا کر، حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فاتحہ پڑھکر

کھلائے تو کچھ حرج نہیں"۔

اب اسے حرام و فسق کی طرف منسوب کرو، یا تشبُّہ ہنود کی آگ میں جھونکو۔ اتنا دیکھو کہ آپ کے نزدیک یہ کیسا پنڈت بنا ہوا کھانے پر وید پڑھنت کر رہا ہے۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

اور سنیئے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فتاویٰ میں ہے "جو کھانا حضرات امام حسن و امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی نیاز کا ہوتا ہے اور اس پر فاتحہ اور قُل، اور درود شریف پڑھتے ہیں، وہ تبرک ہو جاتا ہے اور اُس کا کھانا بہت اچھا ہے"۔ اب وہابیہ اپنی ہندوانی رسم کی خبر لیں۔ اور اتنا ہمیں بھی بتادیں کہ شاہ صاحب جو طعام و قرآن خوانی کے اجتماع کو نہ صرف جائز، بلکہ تبرک لکھ گئے۔ اپنے دھرم ایمان سے کہدیں کہ وہ تمہارے نزدیک کس زمرے میں آتے ہیں۔ اور وہ صراطِ مستقیم، والا کس گنتی میں ہے؟ مذکورہ بالا عبارتوں کے پیش نظر امام ہونا تو بہت دور کی بات ہے۔ وہ مسلمانوں میں بھی شمار کیے جانے کے قابل ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

یاد رکھنا چاہیئے کہ:۔

کسی قوم کے ساتھ تشبُّہ کی مطلقاً ممانعت پر حدیث شریف مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ (کہ جو کسی قوم کے ساتھ مشابہت پیدا کرے وہ انہیں میں سے ہے) پیش کرنا بھی کجروؤں کی کج فہمی اور غلط ہے۔ حدیث شریف میں لفظ تَشَبُّہ مذکور ہے۔ جس کا مصدر تَشَبُّہ ہے اور تشبُّہ کے معنی ہیں "اپنے آپ کو کسی کے مشابہ بنانا"۔ تو حقیقۃً یا حکماً مشابہت کا قصد و ارادہ پایا جانا ضروری ہے۔ مثلاً ایک شخص کوئی فعل خاص اس نیت سے کرے کہ کفار کی سی شکل پیدا ہو۔ یا اگرچہ وہ یہ ارادہ نہ کرے، مگر وہ فعل، شعارِ کفار اور اُن کی علامت خاصہ ہو جس سے وہ پہچانے جاتے ہوں۔ جیسے سر پر چٹیا، ماتھے پر ٹیکا، گلے میں جنیؤ، اُلٹے پردے کا انگرکھا۔ علیٰ ہذا القیاس، تو بے شک ان صورتوں میں یہ فعل مذموم و قابلِ مذمت

ہے۔ اور اس وعید کا مصداق۔ اور تشبّہ والی حدیث اس پر صادق۔ نہ یہ کہ مطلقاً کسی بات میں اشتراک، اور کسی فعل میں شرکت کا ارتکاب، موجب ممانعت ہو۔ یوں تو انگرکھا ہم بھی پہنتے ہیں۔ ہندو بھی پہنتے ہیں، پھر کیا اُس وجہ سے انگرکھا پہننا حرام ہو جائے گا۔ اصل بات یہ ہے کہ بربنائے تشبّہ، کسی فعل پر ٹوکنا، کسی بات سے روکنا، اُسی وقت صحیح ہے، جب فاعل کا قصد، مشابہت ہو، یا وہ فعل اہلِ باطل کا شعار اور علامتِ خاصہ ہو جس کے سبب وہ پہچانے جاتے ہیں۔ یا پھر خود اس فعل کی مذمّت شرعِ مطہّر سے ثابت ہو۔ اگر ان میں سے کوئی بات نہ ہو تو اُسے تشبّہ نہ کہا جائے گا۔ تو جس چیز کا کرنا شریعتِ مطہّرہ میں مباح ہے، یعنی شرع سے نہ اس کی خوبی نکلی، نہ بُرائی، وہ اباحتِ اصلیہ پر رہتی ہے کہ نہ اُس کے فعل پر ثواب ہے، نہ ترک پر عقاب۔ اور نہ یہ تشبّہ میں داخل۔ لہٰذا کسی نیت تشبّہ اور ارادۂ مشابہت کے بغیر، اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اسے یوں سمجھیں کہ شلوار پہننا، قدیم ایرانیوں کا لباس ہے، عرب کے زمانۂ قدیم میں بھی اُس کا رواج نہ تھا۔ بلکہ وہاں تہ بند استعمال ہوتا تھا۔ لیکن چونکہ شریعتِ اسلامیہ نے اس کے استعمال سے منع نہیں فرمایا (بلکہ پاجامہ کے لیے تو حدیث میں نِعْمَ السِّتْر (بہتر لباس) کے الفاظ وارد ہیں لہٰذا اس کے استعمال میں اگرچہ قدیم ایرانیوں سے مشابہت پائی جاتی ہے، لیکن نیت و ارادہ ان سے مشابہت، اُن کی سی شکل و ہیئت بنانا نہیں تو جائز و مباح ہے۔ ہاں جو بات شرعاً ممنوع ہے۔ اُس کے ارتکاب سے اگرچہ کسی قوم سے مشابہت پیدا نہ ہو، پرہیز و اجتناب چاہیئے۔ پھر جیسے جیسے شریعت میں اس کی ممانعت بڑھتی جائے گی۔ اُس سے اسی قدر دور و نفور رہنا مؤکّد ہوتا جائے گا۔ مثلاً سر میں بائیں جانب مانگ نکالنا، نصاریٰ کا طریقہ ہے۔ یا سلام میں انگلیوں سے اشارہ کرنا طریق یہود ہے، جیساکہ ہتھیلیوں سے اشارہ سنّتِ نصاریٰ ہے۔ مسلمانوں کو اس سے اجتناب و احتراز کا حکم دیا جائیگا۔ اور داڑھی منڈوانا، کتروانا، اُس میں نئی نئی تراش خراش ایجاد کرنا، کفار ہنود اور نصاریٰ وغیرہم کا شعار رہا ہے اور کبھی ان قوموں نے اسے اپنے خلافِ مذہب

نہ جاننا، نہ ماننا، جبکہ شریعتِ مطہرہ اس سے سختی سے باز رکھتی، اسے خدا و رسول کے احکام کی صریح خلاف ورزی ٹھہراتی اور سخت ناپسندیدگی کا اظہار فرماتی۔ اور اس کے مرتکب کو گناہگار و فاسقِ مُعلن بتاتی ہے کہ کفار سے تشبُّہ ہے اور اپنی خود ذاتِ میں شرعِ مطہّر کے خلاف۔

شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے "قصۂ تطہیرِ اہلِ قبا" کو حجّت کافی قرار دیا ہے۔ اس دعویٰ پر، کہ ہر تشبُّہ شرعًا ممنوع و حرام و ناجائز نہیں۔ بلکہ حرام و ممنوع وہی تشبہ ہے۔ جو کسی غیر قوم کے شعار میں شمار ہو۔ اُس کی قومی شناخت ہو، ہر تشبہ کو حرام کہنا، شریعتِ مطہرہ سے تجاوز کرنا ہے۔

چنانچہ سنن ابن ماجہ میں ابو ایوب و جابر و انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے کہ جب آیہ کریمہ فیہ رِجَال یُحبّونَ ان یتطہروا واللہ یحب المطہرین ط (اس مسجد یعنی مسجد قبا شریف میں ایسے لوگ ہیں جو پاک ہونے کو پسند رکھتے ہیں، اور اللہ دوست رکھتا ہے پاک ہونے والوں کو) نازل ہوئی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے گروہِ انصار" اللہ تعالیٰ نے طہارت کے بارے میں تمہاری تعریف کی ہے۔ تو بتاؤ تمہاری طہارت کیا ہے (کیا طریقۂ طہارت اختیار کرتے ہو) عرض کی، نماز کے لیے ہم وضو کرتے ہیں اور جنابت سے غسل کرتے ہیں اور پانی سے استنجا کرتے ہیں۔ فرمایا تو وہ یہی بات ہے (یعنی پانی سے استنجا کرنا) اس کا التزام رکھو"۔

اور ظاہر یہ ہے کہ انصار کرام نے مدینۂ طیبہ میں موجود، یہودیوں کو دیکھ کر یہ طریقہ اپنایا تھا اور چونکہ یہ طریقہ یہودیوں میں عام تھا، اس لیے اس کے اختیار فرما لینے کو تشبُّہ میں شمار نہ فرمایا۔ اور صحابۂ کرام کے اس گروہ کی تعریف فرمائی۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ اسی بات کی طرف اشارہ فرماتے ہیں۔ کاش یہ نکتہ ان نجدیہ کے بھی ذہن نارسا میں آجائے اور وہ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی صریح تصریح پر ایمان لائیں کہ "پس یہ ہیئتِ مروّجۂ ایصال کسی قوم کے ساتھ مخصوص نہیں"۔

اور گیارہویں[۶۳] حضرت غوث پاک قدس سرہ کی۔ اور دسواں[۱۰] بیسواں[۲۰] چہلم[۴۰] ششماہی سالیانہ[۶۴] وغیرہ۔ اور توشہ حضرت شیخ احمد عبد الحق ردولوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ اور سرمنی حضرت شاہ بو علی قلندر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ و حلوائے[۶۵] شب برات اور دیگر طریق[۶۶] ایصال ثواب کے اسی قاعدے پر مبنی ہیں۔ اور مشرب اس فقیر کا اس مسئلہ میں یہ ہے کہ فقیر پابند اس ہیئت کا نہیں ہے۔ مگر کرنے والوں پر انکار نہیں کرتا۔ اور یہی عملدرآمد اس مسئلہ میں رکھنا چاہیئے۔ یعنی دو فریقوں کا باہم مل جل کر رہنا اور مباحثہ و قیل و قال نہ کرنا۔ اور ایک دوسرے کو وہابی بدعتی نہ کہنا، اور عوام کو غلو اور جھگڑوں سے منع کرنا۔ سب بحث مولد میں گذر چکا۔

۶۳ طعام خواہ شیرینی وغیرہ پر ماہ ربیع الآخر کی گیارہویں تاریخ بلکہ ہر مہینے کی گیارہویں کو حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فاتحہ دلائی جاتی ہے۔ یہ بھی ایصال ثواب کی ایک صورت ہے۔ بلکہ غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جب کبھی فاتحہ ہوتی ہے خواہ وہ کسی تاریخ کو ہو عوالناس اُسے گیارہویں شریف کی فاتحہ کہتے ہیں۔ ماہِ رجب کی چھٹی تاریخ، بلکہ ہر مہینے کی چھٹی تاریخ کو، حضور سُلطان الہند خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فاتحہ بھی، اسی ایصال ثواب میں داخل ہے یوہیں اصحاب کہف کا توشہ، حضور غوث اعظم کا توشہ یا حضرت شیخ عبد الحق ردولوی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا توشہ، ایصال ثواب کا ایک طریقہ ہے۔ البتہ عوام المسلمین اور اولیائے کاملین و انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والثناء کے ایصال ثواب میں بچند وجوہ فرق ہے۔

۱۔ عوام کے لیے "ثواب بخشنا" عام طور پر کہا اور بولا جاتا ہے۔ لیکن حضور پُر نُور سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ حضرات انبیائے کرام بلکہ اکابر اولیاء و صلحائے عظام کے لیے ایصال ثواب میں بخشنے کا لفظ استعمال کرنا بے جا ہے۔ بخشنا بڑے سے چھوٹے

کے لیے ہوتا ہے۔ جبکہ معظمین کی سرکار میں جو ہدیہ حاضر کیا جاتا ہے اُسے عرف میں نذر کہتے ہیں۔ جیسے کہ بادشاہوں کو نذر کی جاتی ہے۔ اس لیے یہاں نذر کرنا کہنا چاہیے نہ کہ بخشنا۔

۲۔ بزرگانِ دین وملت ومعظمانِ شرع وشریعت واولیائے طریقت حضراتِ انبیاء ومرسلین اور حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم اجمعین وبارک وسلم کی ارواحِ طیبہ کو جو کھانا وغیرہ نذر کیا جاتا، اور فقراء واغنیاء سب کو بطورِ تبرک دیا جاتا ہے، یہ سب کو بلا تکلف روا ہے اور ضرور باعثِ برکت ہے۔ کہ برکت والوں کی طرف جو چیز نسبت کی جاتی ہے اُس میں برکت آجاتی ہے۔ مسلمان کہ اس کھانے کی تعظیم کرتے ہیں، وہ مصیب وراہِ صواب پر ہیں۔ ائمہ دین نے بسندِ صحیح روایت فرمایا کہ ایک مجلسِ سماع صوفیائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں، نذر حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک بدرۂ زر (ہمیانی توڑا) رکھا ہوا تھا۔ حالتِ وجد میں ایک صاحب کا پاؤں اُس سے لگ گیا۔ فوراً رب العزت جل وعلا نے ان کا حالِ ولایت سلب فرمالیا۔

۳۔ معظمانِ دین کے لیے نذر ونیاز کا ایسے کھانے پر ہونا بہتر ہے جس کا کوئی حصہ پھینکا نہ جائے۔ جیسے زردہ یا حلوہ یا خشکہ یا وہ پلاؤ جس میں سے ہڈیاں علیحدہ کرلی گئی ہوں۔ یا پھر ہڈیاں وغیرہ ایسی جگہ ڈالی جائیں جہاں کسی کے پیر سے روندی نہ جائیں۔ بلکہ انہیں دفن کردینا بہتر ہے۔ اور یوں تو ہر کھانے میں ادب یہی ہے کہ وہ پیروں میں نہ آئے۔ طعامِ تبرک میں ادب کا تقاضا کچھ اور ہی ہو جاتا ہے۔

۴۔ وہ کھانا جو عوام' ایام موت میں، بطورِ دعوت کرتے ہیں یہ ناجائز وممنوع ہے۔ کہ دعوت تو سرور ونشاط کے اوقات میں کی جاتی ہے نہ کہ غم وموت کے اندوہ میں۔ اس لیے اغنیاء کو اس کا کھانا جائز نہیں۔ ہاں اگر یہ اطعام بطور دعوت نہ ہو بلکہ اپنے اموات کو ایصالِ ثواب کے لیے بہ نیتِ تصدق کیا جاتا ہے کہ فقراء اس کے لیے احق ہیں۔ اغنیاء کو نہ چاہیئے۔ پھر بھی چونکہ چہلم وغیرہ کے کھانے پکانے سے لوگوں کا مقصود، میت کو ثواب پہنچانا ہوتا ہے۔ لہٰذا اُسے فاتحہ کا کھانا یا چہلم

کی فاتحہ وغیرہ کہتے اور اہتمام خاص کرتے ہیں۔ اور ثواب صرف فقراء ہی پر تصدّق پر موقوف نہیں بلکہ اغنیاء کو کھلانا بھی ثواب کا مورث ہے، اس لیے یہ کھانا اغنیاء کھائیں تو کوئی گناہ و مضائقہ بھی نہیں۔ حدیث میں ہے۔ ہر گرم جگر میں ثواب ہے۔ یعنی جس زندہ کو کھانا کھلائیگا پانی پلائیگا ثواب پائیگا"۔ (بخاری و مسلم)

حدیث میں ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جو کچھ آدمی کھا جائے، اُس میں ثواب ہے۔ اور جو درندہ کھا جائے، اُس میں ثواب ہے، جو پرند کو پہنچے اس میں ثواب ہے۔ (رواہ الحاکم) بلکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں" جو کچھ تو اپنی عورت کو کھلائے وہ تیرے لیے صدقہ ہے۔ اور جو کچھ اپنے بچوں کو کھلائے وہ تیرے لیے صدقہ ہے۔ اور جو کچھ اپنے خادم کو کھلائے وہ تیرے لیے صدقہ ہے۔ اور جو کچھ تو خود کھائے وہ تیرے لیے صدقہ ہے"۔ یعنی جبکہ نیت محمود اور ثواب مقصود ہو۔

ردالمحتار میں بحر الرائق سے ہے کہ ذخیرہ میں تصریح ہے کہ غنی و مالدار پر تصدق بھی ایک نوع قربت ہے۔ صرف فقیر ہی تک محدود نہیں۔ درمختار میں ہے کہ تصدق کے بعد، رجوع نہیں کر سکتا۔ اگرچہ غنی پر کیا ہو۔ کہ مقصود اس میں ثواب ہے۔ اسی طرح ہدایہ وغیرہ میں ہے۔ پھر مدارِ کار نیت پر ہے۔ تو جو کھانا فاتحہ کے لیے پکایا گیا۔ بلاتے وقت اُسے بلفظِ دعوت تعبیر کرنا، اُس نیت کو باطل نہ کرے گا۔ جیسے کسی نے اپنے محتاج بھائی بھتیجوں کو عید کے دن کچھ روپیہ، دل میں زکوٰۃ کی نیت، اور زبان سے عیدی کا نام کر کے دیدیا تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ عیدی کہنے سے وہ نیت باطل نہ ہوگی۔ لہٰذا اپنے قریبوں عزیزوں کے ساتھ مواسات، رعایت و غمخواری بھی صلۂ رحم اور موجبِ ثواب ہے اگرچہ وہ اغنیاء ہوں۔ اور آدمی جس فعل پر خود ثواب پائے وہ کوئی فعل ہو اُس کا ثواب میت کو پہنچا سکتا ہے۔ اور اس کی رحمت دونوں جہاں کا کام بنا دیتی ہے۔ ۱۲

تنبیہہ جلیل

بعض اوقات منکرینِ فاتحہ، عوام المسلمین کو یوں فریب دیتے ہیں کہ جب رحلت کرنے والا، خود ہی صالحین و بندگانِ کاملین سے تھا تو اب اُسے ایصال ثواب کی کیا حاجت اور ہدیۂ اجر کی انہیں کیا ضرورت ہے کہ یہ بکھیڑا پھیلایا، اور اُسے جاہلوں میں غلط رسم و رواج کا ذریعہ بنایا جائے۔ وغیرہ وغیرہ ؟ اس لیے مسلمان بھائی خوب یاد رکھیں کہ ایصالِ ثواب جس طرح منعِ عذاب یا رفعِ عقاب میں باذن اللہ تعالیٰ کام دیتا ہے کہ عذاب ان سے رکتا، اور عتاب و عقاب رفع ہوجاتا ہے، یونہیں رفع درجات و زیارتِ حسنات میں کام آتا ہے کہ جیسے ایصال ثواب کا ہدیہ پیش کیا گیا اُن کے مراتب اور بڑھتے، اور اُن کی نیکیاں خوب پھولتی پھلتی اور پروان چڑھتی ہیں اور معلوم حق سبحانہٗ و تعالیٰ شانہٗ کا فضل و کرم اور اس کی زیارت و برکت، وہ بیش بہا، بیش قیمت دولت ہے جس سے کوئی بندہ غنی و بے نیاز نہیں۔ قال تعالیٰ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ (بھلائی والوں کے لیے بھلائی ہے اور اُس سے بھی زائد) اور یہ زیادت نہیں، مگر اللہ کا فضل و کرم اور برکت۔

سیدنا ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مولیٰ جلّ و علا نے اموالِ عظیمہ عطا فرمائے تھے، ایک روز نہار ہے تھے کہ آسمان سے سونے کی ٹڈیاں برسیں۔ ایوب علیہ السلام چادر میں بھرنے لگے۔ رب عزّ و جلّ نے نداء فرمائی "اے ایوب! جو تمہارے پیش نظر ہے۔ کیا میں نے تمہیں اس سے بے پروا نہ کیا تھا" عرض کی "ضرور غنی کیا تھا۔ تیری عزّت کی قسم! مگر مجھے تیری برکت سے تو بے نیازی نہیں"۔ (البخاری)

جب حق جلّ و علا کی دنیوی برکت سے بندہ کو غنا نہیں، تو اس کی دینی برکت سے کون بے نیاز ہوسکتا ہے۔ صلحا تو صلحا، خود اعاظم اولیاء بلکہ حضراتِ انبیاء بلکہ خود حضور

پُرنور نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو ایصالِ ثواب و ہدیۂ اجر، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ سے اب تک معمول ہے۔ حالانکہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام قطعًا معصوم ہیں۔ ۱۲ محمد خلیل عفی عنہ؂

؂۶۴ مثلاً سوم یعنی تیجہ، جو مرنے سے کبھی دُوسرے اور کبھی تیسرے دن کیا جاتا ہے کہ قرآن مجید پڑھوا کر، یا کلمہ طیبہ پڑھوا کر ایصالِ ثواب کرتے اور بچوں اور غریبوں اور اہلِ حاجت میں چنے، بتاشے، کشمش، چھوہارے، یا الائچی دانے وغیرہ تقسیم کرتے، یا حسبِ حیثیت کھانا پکوا کر غربا و مساکین کو کھلاتے، یا ان کے گھروں میں پہنچاتے ہیں۔ یہ سب اُسی ایصالِ ثواب کی فروع اور اُسی میں داخل ہیں۔ تفسیر خزائن العرفان میں حضرت صدرُالافاضل مولانا محمد نعیم الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ نے زیر آیۂ کریمہ وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَۃَ اُولُوا الْقُرْبٰی الآیۃ (پھر بانٹتے وقت اگر رشتہ دار اور یتیم اور مساکین آجائیں تو اُس میں سے انہیں بھی کچھ دو اور اُن سے اچھی بات کہو) ارشاد فرمایا:۔

" اُس میں عذرِ جمیل، وعدۂ حسنہ اور دُعائے خیر سب داخل ہیں۔ اس آیت میں میت کے ترکہ سے، غیر وارث رشتہ داروں، اور یتیموں اور مسکینوں کو کچھ بطور صدقہ دینے اور قولِ معروف کہنے کا حکم دیا گیا۔ زمانۂ صحابہ میں اس پر عمل تھا۔ محمد بن سیرین سے مروی ہے۔ کہ ان کے والد نے تقسیمِ میراث کے وقت، ایک بکری ذبح کرا کے، کھانا پکایا، اور رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں کو کھلایا، اور یہ آیت پڑھی۔ ابن سیرین نے اسی مضمون کی عبیدہ سلمانی سے بھی روایت کی ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ کہا کہ "اگر یہ آیت نہ آئی ہوتی تو یہ صدقہ میں اپنے مال سے کرتا"۔ تیجہ جس کو سوم کہتے ہیں اور مسلمانوں میں معمول ہے، وہ بھی اسی آیت کا اتباع ہے۔ کہ اس میں رشتہ داروں یتیموں اور مسکینوں پر تصدق ہوتا ہے اور کلمہ کا ختم اور قرآن پاک کی تلاوت اور دُعا قولِ معروف ہے۔ اس میں بعض لوگوں کو بیجا اصرار ہو گیا ہے۔ جو بزرگوں کے اس عمل کا ماخذ تلاش نہ کر سکے، باوجودیکہ اتنا صاف قرآن پاک میں موجود تھا۔ لیکن انہوں نے اپنی رائے کو دین میں دخل دیا اور عمل خیر کو روکنے پر مصر ہو گئے۔ انتہی

۶۵ شب برأت کی اہمیت ذہن نشین رہے تو حلوائے "شب برأت" کی افادیت اور حکمت کا دل نشین ہو جانا کچھ بعید نہیں۔ شب برأت یعنی شعبان کی پندرھویں شب وہ شب مبارک ہے جس کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

"جب شعبان کی پندرھویں رات آجائے تو اُس رات کو قیام کرو اور دن میں روزہ رکھو کہ رب تبارک و تعالیٰ، غروبِ آفتاب سے، آسمانِ دنیا پر خاص تجلی فرماتا ہے۔ اور فرماتا ہے کہ ہے کوئی بخشش چاہنے والا، کہ اُسے بخشدوں۔ ہے کوئی روزی طلب کرنے والا کہ اُسے روزی دوں۔ ہے کوئی مبتلا کہ اُسے عافیت دوں۔ ہے کوئی ایسا اور یہ اُس وقت تک فرماتا ہے کہ فجر طلوع ہو جائے۔" (ابن ماجہ)

ایک حدیث شریف میں فرمایا ہے "کہ اللہ عزوجل، شعبان کی پندرھویں شب میں تجلی فرماتا ہے۔ استغفار فرمانے والوں کو بخش دیتا ہے۔ اور طالبِ رحمت پر رحم فرماتا ہے اور عداوت والوں کو، جس حال پر ہیں چھوڑ دیتا ہے۔" (بیہقی)

ایک اور حدیث میں وارد ہے کہ "پندرھویں شب شعبان میں اللہ تعالیٰ جہنم سے اتنوں کو آزاد فرماتا ہے جتنے بنی کلب کی بکریوں کے بال ہیں۔ مگر کافر اور عداوت والے اور رشتہ کاٹنے والے، اور کپڑا لٹکانے والے، اور والدین کی نافرمانی کرنیوالے اور شراب کی مداومت کرنے والے کی طرف، نظرِ رحمت نہیں فرماتا۔" (بیہقی)

اللہ اللہ! الٰہی عنایات اور خداوندی انعامات کی یہ فراوانیاں، کہ ہر گنہگار، مصروفِ استغفار، طالبِ رحمتِ پروردگار، اس میں داخل، اس میں شامل۔ ہر سیاہ کار سے سیاہ کار، کہ اپنی سیاہ کاریوں پر شرماتا لجاتا، اُس ربِّ کریم کی بارگاہِ لطفِ عمیم میں ہاتھ اُٹھاتا اور اپنی مغفرت کی بھیک چاہتا ہے، رحمتِ الٰہی اُس کی طرف بڑھتی اور اُسے اپنے آغوشِ کرم میں چھپا لیتی ہے۔ بندہ جو مانگتا ہے پا لیتا ہے غلام جو طلب کرتا ہے وہ اُس کی گود میں آجاتا ہے۔ مگر ہائے وہ چند بدنصیب کہ ان کی بدنصیبیاں، انہیں آج بھی محروم کا محروم رکھتی ہیں۔ قاتل محروم کہ خون بہاتا رہا۔ شرابی محروم کہ جام و سبو اُسے لے ڈوبے۔ والدین کا نافرمان محروم، کہ اُس

کبیرہ گناہ کی اندھیری میں، نورِ سعادت نہ پاسکا۔ متکبر محروم کہ تکبر میں ڈوب گیا،
کافر محروم کہ کفر و ضلالت کا بار گراں، روشنی اسلام کی طرف نہ لا سکا۔ رونا تو اس
بدنصیب مسلمان کا ہے جس کے سینے میں کسی مسلمان بھائی کی طرف سے کینہ ہے جس
کے دل میں مسلمان بھائی سے محض دنیاوی بنیاد پر، عداوت کی آگ بھڑک رہی ہے
یہ محروم رہا تو اس کی محرومی کا مداوا کس طرح ہو۔ کیا محض زبانی توبہ سے؟ تو یہ غیر مسلّم
کہ جب تک دونوں ایک دوسرے کو معاف نہ کریں، توبہ سے معافی کی سبیل نہیں
لہذا علمائے اسلام نے فرمایا کہ جن دو مسلمانوں میں دنیاوی عداوت ہو، انہیں چاہیئے
کہ اس رات کے آنے سے پہلے، ایک دوسرے سے گلے مل جائیں۔ ایک دوسرے
کی خطا و غلطی کو معاف کردیں۔ ایک دوسرے کی طرف سے دل صاف کرلیں تاکہ
مغفرتِ الٰہی انہیں بھی شامل ہو۔ انہیں احادیثِ کریمہ کی بنا پر بہت سے علاقوں میں
قدیم سے معمول چلا آرہا ہے کہ پندرھویں شب آنے سے پہلے ۱۴ شعبان ہی کو
ایک دوسرے کے گھر جاتے، ایک دوسرے سے ملتے اور عفوِ تقصیر کراتے اور اس
شبِ مبارک کے انعامات کا خود کو مستحق بناتے ہیں۔

اور یہ عام طور پر معمول ہے کہ جب دو مخالف افراد، یا خاندان، یا گھرانے،
ایک دوسرے سے صلح کرلیتے ہیں تو پہلا کام صلح کے بعد، ایک دوسرے کا منہ
میٹھا کرنا ہوتا ہے۔ اور اسی مجلسِ صلح میں شیرینی یا کوئی بھی میٹھی چیز کھا پی کر دلی مسرت
کا اظہار کیا جاتا ہے۔ پھر یہ طریقہ، مسلمانوں کے علاوہ غیر اقوام میں بھی پایا جاتا ہے اور
اس بنیاد پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ مسرت و خوشی کے موقع پر، "منہ میٹھا کرنا"، گویا ایک
فطری اور پیدائشی تقاضا ہے اور طبیعتِ انسانی کا مقتضا۔ پھر مسلمان تو مسلمان
ہیں۔ اُن کے آقائے نامدار، رحمتِ پروردگار صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی فطرت
و جبلّت کا بیان یوں بھی فرمایا ہے کہ اِنَّ المؤمِنَ حُلْوٌ یُحِبُّ الحَلْوٰءَ "مسلمان
شیریں خصائل شیریں مقال ہوتا ہے اور شیرینی اُسے محبوب ہوتی ہے۔"

اس حدیث کی روشنی میں اگر ۱۴ شعبان کو علی التعیین قسم قسم کے حلوے تیار

کیے جائیں اور انہیں آپس میں ایک دوسرے کے گھروں میں تقسیم کیا جائے غریبوں کا بھی حصّہ دیا جائے تو اس میں کون سی ایسی خرابی آگئی کہ رگِ وہابیت پھڑکتی اور مسلمانوں کو ہر حال بدعتی بنانے کے لیے بیتاب و بے قرار رہتی ہے۔

مسلمان انہیں یوں ہی سسکتا چھوڑیں اور اپنے سراپائے کرم، نورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنیں۔ وہ ارشاد فرماتے ہیں "تَہَادُوا تَحَابُّوا۔ ایک دوسرے کو ہدیہ کرو، ایک دوسرے کے پیارے بن جاؤ گے"۔ لہٰذا تم ایک دوسرے کے پیارے بننے کے لیے، ایک دوسرے کو ہدیے کرو۔ اور خاص کر اس مبارک شب کے آنے سے پیشتر۔ تاکہ رحمتِ الٰہی تمہیں انہیں سب کو شامل ہو۔

پھر اس رسم میں صرف زندوں ہی کا فائدہ نہیں، مُردے بھی اس سے متمتع ہوتے ہیں۔ علمائے محققین سے مروی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا جب عید یا جمعہ یا عاشورے کا دن یا شب برأت ہوتی ہے تو اموات کی روحیں آکر اپنے گھروں کے دروازوں پر کھڑی ہوتی اور کہتی ہیں، ہے کوئی کہ ہمیں یاد کرے؟ ہے کوئی کہ ہم پر ترس کھائے، ہے کوئی کہ ہماری غربت کی یاد دلائے"۔ خزانۃ الروایات)

ہاں مسلمان خوب یاد رکھیں کہ گنگوہی صاحب کے زعمِ باطل کے خلاف، یہ مسئلہ نہ عقائد کا ہے۔ نہ فقہ کے حلال و حرام کا۔ ایسی جگہ دو ایک سندیں ضعیف دلیلیں بھی کافی ہوتی ہیں۔ جیسا کہ امام جلال الدین سیوطی نے ارشاد فرمایا ہے کہ "ایسی حدیث کو اتنی ہی سند کافی ہے کہ وہ کچھ احکام سے متعلق نہیں"۔

خیر یہ تو ایک ضمنی بات تھی اور ان شاء اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے حق میں بہت مفید، کہنا یہ ہے کہ جب ان روایات سے ارواح مؤمنین کا، اس پندرھویں شب شعبان میں بھی آنا وارد ہے۔ اور مسلمان گھرانوں میں، اُن کے ایصالِ ثواب کا بالخصوص اُس دن اہتمام کیا جاتا ہے تو آخر وہابیت کی جان پر کیا آفت آتی ہے کہ وہ تلملا کر رہ جاتی اور بے سند باتیں مُنہ سے نکال کر، مسلمانوں پر بدعت کے فتوے لگاتی ہے۔ یہ کس حدیث میں آیا ہے کہ روحوں کا اپنوں میں، اپنے گھروں میں، اپنے گھرانوں میں آنا باطل

و غلط ہے۔

آخر یہ نادان، جو مسلمانوں کی دوست داری کا دم بھرتے ہیں اتنا کیوں نہیں سمجھتے کہ عید بقر عید وغیرہ پر اپنے دوستوں عزیزوں اور شناساؤں کو ہدیہ بھیجنا اور اُن کے تحفوں کو قبول کرنا، کوئی ممانعتِ شرعی کی وجہ نہیں رکھتا اور بلا نکیر رائج و معمول ہے۔ تو تاریخ و ایام کی تعیین کے ساتھ، خواہ بلا تعیین، ارواحِ مومنین کے لیے ایصالِ ثواب کیا جائے یا خاص شب برأت کے موقع پر انواع و اقسام کے لذیذ کھانے یا حلوے پکا کر انہیں ہدیہ کیا جائے، جس سے انہیں فائدہ پہنچے، اُن کے گناہوں میں تخفیف ہو۔ یا ان کے مدارج عروج پائیں تو اس میں چراغ پا ہونے کی آخر کیا وجہ ہے۔ کیا صرف یہ بات کہ "یہ بدعت و نو پید بات ہے"۔ عقل و دیانت کی میزان میں پوری اتر سکتی ہے۔ اور کیا صرف اس جرم میں، عامۃ المسلمین کو بدعتی بنا کر، انہیں دوزخ میں ٹھونسا جا سکتا ہے؟ عقل و دشمنی کی بھی آخر کوئی حد ہونی چاہیئے۔ ۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

ف۶۶ ایصالِ ثواب کے دیگر طریقے جن کی جانب حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے اشارہ فرمایا، اور جو عوام و خواص مسلمین میں مدتہائے دراز سے مروّج ہیں، بہت ہیں۔ مثلاً ماہ رجب المرجب میں بعض جگہ سورۂ ملک چالیس مرتبہ پڑھ کر روٹیوں یا چھواروں پر دم کرتے ہیں اور اُن کو باہم تقسیم کرتے اور ثواب، اموات کو پہنچاتے ہیں، اور یہاں خاص سورہ ملک کی تخصیص اس لیے ہے کہ صحیح حدیثوں میں، اُسے عذابِ قبر سے بچانے والی، نجات دینے والی فرمایا۔ نیز ارشاد فرمایا کہ قرآن میں تیس آیت کی ایک سورت ہے۔ آدمی کے لیے شفاعت کرے گی۔ یہاں تک کہ اس کی مغفرت ہو جائے گی۔ وہ تَبَارَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ ہے۔ (ترمذی وغیرہ)

اور یہاں بھی کسی خاص چیز کی تخصیص نہیں۔ بلکہ جس چیز کا تقسیم کرنا، یا دینا منظور ہے اور جس میں محتاج کی حاجت روائی زیادہ ہے، اُس میں ثواب بھی زیادہ ہے۔ کھانا ہو، کپڑا ہو، طلبہ کے لیے دینی کتابیں ہوں یا نقد روپیہ ہو۔ غرض جو بھی شے، غریب مسکین، حاجت مند کے لیے مناسب جانیں، راہِ خدا میں دیں اور

ایصالِ ثواب کریں۔

اسی طرح ماہِ رجب میں حضرت جلال بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کونڈے ہوتے ہیں کہ چاول یا کھیر پکوا کر کونڈوں میں بھرتے ہیں اور فاتحہ کے بعد لوگوں کو کھلاتے ہیں۔ یہ بھی جائز ہے۔ ہاں ایک بات مذموم ہے اور وہ یہ کہ جہاں کونڈے بھرے جاتے ہیں وہیں کھلاتے ہیں۔ وہاں سے ہٹنے نہیں دیتے۔ یہ ایک لغو حرکت ہے۔ مگر یہ عموماً جاہلوں کا طریقِ عمل ہے۔ پڑھے لکھے اور سمجھدار مسلمانوں میں یہ پابندی نہیں۔ بلکہ یہاں پاکستان میں تو یہ تقریباً ختم ہے۔

یونہیں اسی ماہِ رجب میں بعض جگہ حضرت سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایصالِ ثواب کے لیے پوڑیوں کے کونڈے بھرے جاتے ہیں۔ یہ بھی جائز ہے۔ مگر اس میں بھی وہی اسی جگہ کھانے کھلانے کی پابندی کہیں کہیں پائی جاتی ہے اور یہ بیجا پابندی ہے۔ اس کونڈے کے متعلق ایک کتاب بھی ہے۔ جس کا نام داستانِ عجیب ہے اس موقع پر بعض لوگ اس کو پڑھواتے ہیں۔ اس میں جو کچھ لکھا ہے اُس کا کوئی ثواب نہیں۔ بظاہر رافضیوں کی گڑھنت معلوم ہوتی ہے اس لیے وہ کتاب نہ پڑھی جائے۔

اگرچہ اولیائے کرام کی کرامات حق ہیں اور ان کا انکار بدمذہبی کی علامت ہے۔ اور یہ بات آپ خوب ذہن نشین رکھیں کہ ایصالِ ثواب کے لیے یہ تعینات اور تواریخ معینہ پر فاتحہ خوانی بغرض تحفظ و یاددہانی کے لیے ہوتے ہیں۔ ورنہ تبارک ہو یا کوئی اور طریق فاتحہ، یہ ہر مہینے میں ہو سکتا ہے۔

یونہیں ماہِ محرم الحرام میں دس دنوں تک، خصوصاً دسویں محرم (یوم عاشورہ) کو حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ و دیگر شہدائے کربلا کو ایصالِ ثواب کرتے ہیں۔ کوئی شربت پر فاتحہ دلاتا ہے۔ کوئی شیر برنج پر، کوئی زردہ بریانی پر، کوئی شیرینی پر، کوئی حلیم پر اور کوئی گوشت روٹی پر۔ غرض فاتحہ کسی بھی چیز پر ہو جائز ہے۔ ان کو جس جائز طریقے پر ایصالِ ثواب کیا جائے مندوب ہے۔ بہت سے پانی اور شربت کی سبیل لگاتے ہیں۔ اور موسم سرما میں چائے پلاتے ہیں اس

ہیں نیت خیر ہو تو ان شاء اللہ تعالیٰ ثواب ہی ثواب ہے۔ ہاں یہ جو جاہلوں میں مشہور ہے کہ محرم میں سوائے شہدائے کربلا کے دُوسروں کی فاتحہ نہ دلائی جائے۔ یہ بالکل بے سند اور غلط بات ہے۔ ہر مہینے اور ہر تاریخ میں ہر ولی کی نیاز اور ہر مسلمان کی فاتحہ ہو سکتی ہے۔ اسی طرح حضرت خاتونِ جنّت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نیاز کا کھانا پردے میں رکھنا، اور مردوں کو نہ کھانے دینا۔ یہ عورتوں کی جہالتیں ہیں۔ مردوں کو چاہیئے کہ انہیں سمجھائیں اور اس لغو حرکت سے باز رکھیں۔ اور ایک اور اہم بات جو تمام مسلمانوں کو ہر کارِ خیر کے وقت پیشِ نظر رکھنی چاہیئے۔ وہ یہ ہے کہ نیت میں خلوص ہی وہ دولت ہے جو برکات بالائے برکات ہی نہیں کارِ خیر پر اجرِ آخرت اور اخروی ثواب بھی لاتا ہے۔ لہٰذا ریا و نمائش اور نام نمود کو پاس نہ بھٹکنے دیں۔ (بہار شریعت وغیرہ) ۱۲ محمد خلیل عفی عنہ



سنّی بھائی اور مظلومِ کربلا

سیّد الشہداء مظلوم کربلا حضرت امام حسین شہزادۂ گلگوں قبا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ جو معاملہ، یزید اور یارانِ یزید نے کیا، وہ نہ صرف ایک تاریخی واقعہ ہے بلکہ اُس کا ہر پہلو آنے والی نسلوں کے لیے ایک انمول نصیحت ہے۔ اگر کوئی شخص امام عالی مقام کے ان حالات کو اپنی زندگی کا دستور العمل بنائے تو بڑی سے بڑی مصیبتوں کو خطرے میں نہ لائے۔ امام عالی مقام نے شجاعت صبر صدق ایثار ثابت قدمی کے وہ جوہر دکھائے کہ ارض وسما، جن و بشر سب کے سب محو حیرت رہ گئے۔

شجاعت کا یہ عالم کہ دشمنوں کا ٹڈی دل لشکر، سامانِ جنگ سے آراستہ اور خود بے سرو سامان۔ گنتی کے چند ہمراہی، وہ بھی ضعیف و ناتواں۔ مگر اعداء کی کثرت کو خطرے میں نہ لانا، انتہائی جرات و جسارت کے ساتھ، شمشیر بکف میدان جنگ میں آجانا، امام عالی مقام ہی کا کام تھا۔ لڑائی میں پہل ہرگز امام مظلوم کی طرف سے نہ تھی۔ ان خبیثوں ہی نے مجبور کیا۔ اب دو صورتیں تھیں۔ ۱یا بخوفِ جان اُس پلید کی، وہ ملعون بیعت قبول کر لی جاتی کہ یزید کا حکم ماننا ہوگا۔ اگرچہ خلاف قرآن و سُنّت ہو۔ یہ رخصت تھی ثواب کچھ نہ تھا۔ قال تعالیٰ اِلَّا مَنْ اُکْرِہَ وَقَلْبُہٗ مُطْمَئِنٌّ بالایمان (مگر جو مجبور ہو جائے اور اُس کا دل ایمان پر برقرار ہو)

۲یا جان دے دی جاتی اور وہ ناپاک بیعت نہ کی جاتی۔ یہ عزیمت تھی اور اس پر ثوابِ عظیم۔ اور یہی ان کی شانِ رفیع کے شایان تھی، اسی کو اختیار فرمایا۔ اور یہی منظورِ رب تھا۔ جنّت آراستہ ہو چکی تھی، اپنے دولہا کا انتظار کر رہی تھی۔ اور وصولِ محبوب کی گھڑی آگئی تھی۔

کیا اُس صبر کی (جو اہلبیتِ رسالت نے میدانِ کربلا میں اختیار کیا) کوئی نظیر پیش کر سکتا ہے۔ مالکِ کوثر کے لاڈلے بیٹے حسین نے تین شب و روز پیاس کی حالت میں گزار دیئے مگر مُنہ سے اُف نہ کی۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ کل قیامت میں اُنھیں کے نانا جان صلی اللہ علیہ وسلم نہایت دریا دلی سے، اپنی تمام امت کی پیاس بجھائیں گے آج ان کے نواسوں پر، انہیں کی امت نے، فرات کا بہتا پانی (جسے خدا کے دشمن پی رہے ہیں اور گاؤں کے کتے سؤر جس میں لوٹ رہے ہیں) بند کر رکھا ہے۔

حق و صدق کی حمایت میں وہ شان دکھائی کہ جوان بیٹوں کی لاشیں، خاک پر تڑپیں، معصوم بچوں نے تیر کھا کر، گود میں دم دیا۔ غرض ظلم و ستم، جور و جفا کا کوئی دقیقہ دشمنوں نے اٹھا نہ رکھا، مگر ایک فاسق کی بیعت قبول نہ فرمائی۔ ورنہ آنے والی نسلیں اس معصیت میں مبتلا ہوتیں اور سند بناتیں امام عالی مقام کے اس فعل کو۔

ایثار و ثابت قدمی کی جان میں جان یوں ڈالی کہ حق کی پاسداری میں، گھر بار لٹا دیا۔ خود بھی تہ تیغ ہوئے۔ اپنی اولاد کو بھی قربان کیا۔ مگر میدان تسلیم و رضا سے قدم پیچھے نہ ہٹایا۔

مسلمانو! امام عالی مقام نے گھر بار لٹا کر، اپنے بھائی بیٹوں، بھانجوں بھتیجوں کی گردنیں کٹا کر، اور سب کے بعد خود بھی کربلا کے گرم ریت پر، بے رحمی کی چھری سے ذبح ہو کر، اُدھر اپنے رب کو راضی کر لیا، اور ادھر شجاعت، صبر، حق پرستی، ثابت قدمی، اولوالعزمی اور دوسرے فضائل جلیلہ کے اعلیٰ نمونے تم میں چھوڑے۔ تمہیں چاہیئے کہ ان کے تیار کردہ دستور العمل کو اپنی زندگی میں رہنما بناؤ۔ اور ان کی بتائی ہوئی راہ پر جادہ پیمائی کرو۔ ان سے علاقہ محبت اور رابطۂ عقیدت قائم رکھو۔ ان کی شہادت کا درد، دل میں لیے رہو۔ عشرۂ محرم میں ان کی یاد تازہ کرتے رہو۔ اس واسطے کہ براہ کربلا، جنت جانے والوں نے یہ دس دن بے حد مصیبتوں، بے چینیوں، تکلیفوں اذیتوں میں گزارے ہیں۔

سُنّی بھائیو! کس قدر افسوس اور کس درجہ شرم کی بات ہے کہ جس عشرے میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے شہزادوں پر دنیا تنگ ہوئی۔ مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹے۔

اُس عشرہ کا ہر دن تمہارے لیے لہو و لعب سے عید کا دن، اور رات شب برأت ہو۔ للہ اپنی ان خرافات سے باز آؤ۔ ان واہیات اور شرع مطہر کے مخالف، اپنی حرکات سے دور بھاگو۔ خدا کے سامنے جانا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منہ دکھانا ہے۔ کیا جواب دوگے اگر سرکار عالی وقار نے دریافت فرمایا کہ میرا لاڈلا بیٹا حسین، تین دن کا بھوکا پیاسا کربلا کے میدان میں ذبح کیا جائے اور تم اُسے کھیل کود تماشے کا دن بناؤ۔ تاشے باجے بجاتے گلی گلی گشت کرنا۔ رنگ رنگ کے کھیلوں کی دھوم دھام سے ہر طرف رنگ جمانا۔ شہوانی میلوں کو بازار کربلا کا نام دینا، جشن فاسقانہ کی رسوم کو، محبت اہلبیتِ اطہار کی طرف منسوب کرنا، اور پھر ان ساری خرافات کو حضرات شہدائے کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی بارگاہوں میں نذرانۂ عقیدت اور کار ثواب سمجھنا، دوہری مصیبت اور جرم بالائے جرم ہے۔

اللہ تعالیٰ صدقہ حضرات شہدائے کرام کربلا علیہم الرضوان والثناء کا مسلمانوں کو نیک توفیق بخشے اور بدعات سے توبۂ شرعیہ صحیحہ کی ہدایت نصیب فرمائے آمین

والسلام علیٰ من اتبع الھُدیٰ۔



جُہّال کا ایک اعتراض اور اُس کا جواب

یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ بعض جاہلوں ضعیف الاعتقاد کلمہ گویوں کو یہ خیال گزرتا ہے کہ اگر اولیاء اللہ، قدرت کی طرف سے کچھ قدرت رکھتے تو امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیوں ایسی مظلومی کے ساتھ میدانِ کرب وبلا میں شہید ہوجاتے۔ انہوں نے ایک اشارہ میں یزید پلید کے لشکر کو کیوں نہ غارت کر دیا۔ اور کیوں نہ ایک مٹھی خاک، ان پر پھینک کر، ان کا منہ میدانِ جنگ سے پھیر دیا۔ وغیرہ وغیرہ

ان کی اصلاح اور تصحیح ایمان کی نیت سے یہ حقیقتِ ثابتہ بیان کی جارہی ہے کہ بے شک اولیائے کرام کو اللہ عزوجل نے بہت بڑی طاقت دی ہے اور جو ان میں اصحابِ خدمت ہیں۔ انہیں تصرفات واختیارات بھی دیئے جاتے ہیں، مگر ساتھ ہی یہ بات بھی ہے کہ ان کی قدرت اور انہیں تصرفات کا اختیار، جو انہیں ان کے ربّ نے عطا فرمایا۔ رضا وتسلیم وعبدیت کے ساتھ ہے کہ راضی برضا رہیں، قضائے الٰہی کے روبرو سرِ تسلیم خم کئے رہیں کہ یہی کمال بندگی ہے اور اس پر عاملین، بندگانِ صالحین ہیں۔ نہ کہ معاذ اللہ جبّاری وسرکشی اور خودسری کے ساتھ۔ کہ رضا وتسلیم کی بجائے سرکشی وخودسری کو اپنائیں۔

دیکھئے جب بادشاہِ مصر مقوقش نے حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ جب تم انہیں نبی کہتے ہو تو انہوں نے دُعا کر کے اپنی قوم کو کیوں نہ ہلاک فرمادیا تھا۔ حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ کیا تو عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رسول اللہ نہیں مانتا۔ انہوں نے دُعا کر کے اپنی قوم کو کیوں نہ ہلاک کر دیا۔ جب انہوں نے انہیں پکڑا اور سولی دینے کا ارادہ کیا تھا۔" مقوقش بولا تم بڑے دانشمند ہو کہ حکیم کامل کے پاس سے آئے ہو۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

یہ ایک ضمنی بات تھی۔ مگر ان شاء اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لیے بڑی مفید و رہنما۔

ضروری - ضروری - نہایت ضروری

ایصالِ ثواب کے لیئے جو بھی کھانا وغیرہ پکایا یا کھلایا جائے یا تقسیم کیا جائے اُس کا مقصود وہی ایصالِ ثواب ہونا چاہیئے کہ ثواب ہاتھ آئے اور میّت اُس سے نفع اٹھائے اور جسے یہ مقصود نہ ہو بلکہ محض دعوت و مہمانداری کی نیت سے پکائے، جیسے شادیوں کا کھانا پکاتے ہیں تو اُسے بے شک ثواب سے کچھ علاقہ نہیں۔ نہ ایسی دعوت شریعت میں پسند۔ نہ اُسے قبول کرنا چاہیئے۔ کہ ایسی دعوتوں کا محل شادیاں ہیں نہ غمی۔ ولہذا علماء فرماتے ہیں کہ یہ بدعتِ سیّئہ ہے۔ جس طرح میت کے یہاں، روزِ موت سے عورتیں جمع ہوتی ہیں اور اُن کے کھانے دانے، پان چھالیا کا اہتمام میت والوں کو کرنا پڑتا ہے۔ اور اکثر لوگوں کو اس رسمِ شنیع کے باعث، اپنی طاقت سے زیادہ ضیافت کرنا پڑتی ہے۔ یہاں تک کہ میّت والے بیچارے، اپنے غم کو بھول کر اُس آفت میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ اس میلے کے لیے کھانا پان چھالیا کہاں سے لائیں۔ اور بارہا ضرورت قرض لینے کی پڑتی ہے۔ ایسا تکلف شرع کو کسی امرِ مباح کے لیے بھی زنہار پسند نہیں۔ نہ کہ ایک رسمِ ممنوع کے لیے پھر اس کے باعث جو دقتیں پڑتی ہیں وہ خود ظاہر ہیں۔

یونہیں سوم، چہلم، ششماہی اور برسی پر جو کھانا، ایصالِ ثواب کی نیّت بغیر محض ایک رسمی طور پر پکاتے اور شادیوں کی بھاجی کی طرح برادری میں بانٹتے ہیں۔ وہ بھی بے اصل ہے۔ جس سے احتراز چاہیئے۔ ایسے ہی کھانے کو شیخ محقق مولانا عبدالحق صاحب محدث دہلوی قدس سرہٗ "مجمع البرکات" میں فرماتے ہیں کہ " وہ کھانا جو برسی یا ششماہی یا چالیسویں پر ان علاقوں میں پکایا اور برادری میں تقسیم کیا جاتا ہے، وہ قابلِ اعتبار نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ نہ کھائیں"۔ خصوصاً جب اُس کے ساتھ ریا و تفاخر مقصود ہو، کہ جب تو اُس

فعل کی حرمت میں اصلا کلام نہیں۔ حدیث صحیح میں ہے کہ جو کھانے تفاخر و ریاء کے لیے پکائے جاتے ہیں، اُن کے کھانے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ (ابوداؤد۔ حاکم) مگر بے دلیل واضح کسی مسلمان کے لیے یہ سمجھ لینا کہ یہ کام اُس نے تفاخر و ناموری کے لیے کیا ہے، جائز نہیں کہ قلب کا حال اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور مسلمانوں پر بدگمانی حرام (فتاویٰ رضویہ) ۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

فاتحہ کا طریقہ مروّجہ

اوّلاً درود شریف تین بار یا پانچ بار پڑھیں۔ پھر اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ۔ پھر سورہ تکاثر۔ پھر چاروں قل۔ پھر سورۂ فاتحہ۔ پھر الٓمّ کی چند آیات اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ تک۔ پھر یہ آیات پڑھے۔ وَاِلٰـھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا پھر درود شریف پڑھ کر ان الفاظ سے ایصالِ ثواب کرے۔ "الٰہ العالمین یہ جو کچھ میں نے (اور مجمع نے پڑھا ہو تو ہم سب نے) پڑھا ہے (اور جو کچھ تیرے نام پر دیا جاتا ہے) اُس کا جو کچھ ثواب تو نے اپنے فضل و کرم سے مترتب فرمایا ہے، ہماری جانب سے روح مقدس حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء و مرسلین و صحابہ و تابعین و تبع تابعین اور اولیائے امت، اور سلاسل اربعہ کے تمام مشائخ کرام، خصوصاً حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ارواح طیبہ کو، اور جتنے مسلمان مرد و عورت اب موجود ہیں اور جتنے قیامت تک آنے والے ہیں، اُن سب کی ارواح کو خصوصاً فلاں فلاں کو پہنچا دے۔ بطفیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔

اس کے بعد دُعا کرے۔ اللہ تعالیٰ سے اپنی کل حاجتیں مانگے اور اہل اسلام کو اُس میں شریک کرے۔ اور ان آیاتِ کریمہ پر ختم کرے "سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

اس کے بعد اپنے دونوں ہاتھ چہرے پر پھیر لے کہ وہ خیر و برکت جو بذریعہ دُعا حاصل ہوئی اشرف الاعضاء یعنی چہرے سے مُلاقی ہو۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ ایصالِ ثواب میں کوئی صورت شرعاً معین نہیں۔ اور بلا اعتقادِ وجوب، معیّن کرنے میں حرج بھی نہیں۔ ولہٰذا دوسری آیات، کسی اور معیّن طریقے پر بھی پڑھی جا سکتی ہیں اور پڑھی جاتی ہیں۔ خود فقیر کے مشائخ کرام کے خاندان میں معمول و مروج یہ طریقہ بھی ہے کہ "اوّل درود شریف غوثیہ سات بار۔ پھر سورہ فاتحہ ایک بار پھر سورۂ اخلاص سات بار اور پھر درود شریف ۳ بار"۔ اور ایصالِ ثواب کے لیے فقیر کا معمول عربی زبان میں یہ ہے۔

اَللّٰهُمَّ اَوْصِلْ ثوابَ ما قرأناهُ وما لدنيا اِلٰى شرفِ نَبِيِّكَ المصطفٰى و رَسُوْلِكَ المُجْتَبٰى صلى الله عليه وآله وسلم۔ واِلٰى اَرْوَاحِ جميعِ الْاَنْبِيَاءِ وَالمرسَلِين وسائرِ عبادِكَ الصّالِحِين مِنَ الصَّحابةِ وَالتَّابِعِيْنَ وَ تابِعِي التَابِعِيْنَ لَهُمْ اِلٰى يوم الدِّين والٰى ارواحِ سائرِ المشائخ مِن السّلاسِلِ القادريةِ والچشتيةِ و النقشبنديةِ والسهروردِيّةِ رضوان اللهِ عليهم اجمعين۔ لا سِيّما اِلٰى روحِ سيدنا الغوثِ الاعظم والقطب الاكرم سيدنا و مولانا الشيخ السيد عبد القادر الجيلانى رضى الله تعالىٰ عنه والىٰ مشائخه وَ اصُولِهِ الكرام وخلفاءِهٖ وفروعِه العِظام وسائرِ مُرِيدِيهِ ومُحِبِّيهِ والمنتمِين اليه الىٰ يوم القيامِ۔ ثم الىٰ ارواحِ جميع المومنين والمومنات والمسلمين والمسلمات، الاحياءِ منهم والاموات خصوصًا الىٰ روحِ ...... برحمتك يا ارحم الرّحمين ۱۲ - محمد خليل عفى عنه۔

مسئلہ ضروریہ واجب الحفظ

عشرۂ محرم الحرام کہ اگلی شریعتوں سے اس شریعتِ پاک تک، نہایت بابرکت ومحلِ عبادت ٹھہرا ہوا تھا، تعزیہ داری کی بیہودہ رسموں نے (کہ کوئی ان تعزیوں کو، جنہیں اصل روضۂ شہزادۂ گلگوں قبا سے نہ کچھ علاقہ ہے نہ کوئی نسبت جھک جھک کر سلام کر رہا ہے۔ کوئی مشغولِ طواف ہے۔ کوئی سجدے میں گرا ہے۔ کوئی اس مایۂ بدعت کو معاذ اللہ جلوہ گاہ حضرت امام عالی مقام سمجھ کر، اس ابرک پنّی سے مرادیں مانگ رہا ہے۔ وغیرہا من الخرافات) جاہلانہ اور فاسقانہ میلوں کا زمانہ کر دیا۔ پھر وبالِ ابتداع کا وہ جوش ہوا کہ خیرات کو بھی بطورِ خیرات نہ رکھا۔ ریاء وتفاخر علانیہ ہوتا ہے۔ پھر وہ بھی یہ نہیں کہ سیدھی طرح محتاجوں کو دیدیں، حاجتمندوں میں ادب و قرینے سے تقسیم کر دیں۔ بلکہ چھتوں پر بیٹھ کر نیچے پھینکیں گے۔ روٹیاں زمین پر گر رہی ہیں رزقِ الٰہی کی بے ادبی ہوتی ہے۔ زمین پر گرتی اور پاؤں تلے روندھ کر، مٹی ہو جاتی ہیں۔ شیرینی وغیرہ کے پیکٹوں کا بھی یہی حال ہوتا ہے۔ لوٹ ماریں دھینگا مشتی کا وہ زور ہوتا ہے کہ الاماں الحفیظ

غرض مال برباد ہوتے پیسے مٹی میں، ریتے میں، ملتے ہیں مگر نام تو ہو گیا کہ فلاں صاحب لنگر لٹا رہے ہیں۔ للہ انصاف! کیا ایسی خرافات کے ہوتے، ان نازیبا حرکات پر، حصولِ ثواب اور ایصالِ ثواب کی توقع رکھی جا سکتی ہے۔ حاش للہ، ہرگز نہیں۔ بلکہ ریاء ونمود کے سبب کارِ خیر، برباد ہوا وہ الگ رہا۔ یہ رزق کی بے ادبی اور مالِ حلال کی پامالی کا وبال، نامۂ اعمال میں اور بڑھ گیا۔ اسے کہتے ہیں لینے کے دینے پڑ گئے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو عقلِ سلیم سے کام لینے اور ہر کارِ خیر، احکامِ شرع کے مطابق انجام دینے کی توفیق بخشے۔ آمین ۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

چند اور واجب اللحاظ مسئلے

۱۔ سوم کے چنے بتاشے وغیرہ کہ بغرضِ مہمانی نہیں منگائے جاتے بلکہ ان سے مقصود ایصالِ ثواب ہوتا ہے لہٰذا یہ طعامِ میت میں داخل نہیں۔ تو اگر غنی بھی لے لیگا گنہگار نہ ہوگا۔ مگر غنی کے لیے اس سے احتراز زیادہ پسندیدہ ہے۔

۲۔ مُردے کا کھانا صرف فقراء کے لیے ہو، عام دعوت کے طور پر جو کرتے ہیں یہ منع ہے۔ غنی نہ کھائے۔ اور ناگزیر ہو جائے تو دو ایک لقمے پر اکتفا کرے۔

۳۔ مسلمان مُردے کی طرف سے کھانا وغیرہ تصدق کرنا چاہیئے۔ میّت کے ساتھ لے جانا فضول ہے۔ اور علامہ طحطاوی نے اُسے بدعت لکھا ہے۔

۴۔ کافر خواہ مشرک ہو یا غیر مشرک، جیسے آجکل کے عام رافضی کہ ضروریاتِ دین کے منکر ہیں اور قادیانی مرزائی وغیرہ کہ ختمِ نبوت کے منکر ہیں، اُسے ہرگز کسی طرح کسی فعلِ خیر کا ثواب نہیں پہنچ سکتا۔ انہیں ایصالِ ثواب کرنا، معاذ اللہ خود راہِ کفر کی طرف جانا ہے۔

۵۔ بعض گھرانوں میں فاتحہ کے وقت گھی کے چراغ رکھتے ہیں۔ یہ ایک فضول حرکت ہے۔ اور بعض اوقات، داخلِ اسراف ہوگا۔ اس سے احتراز چاہیئے۔

۶۔ جس کارِ خیر کا ثواب، چند اموات یا تمام سنی مسلمان مردوں عورتوں کو بخشا جائے تو اللہ عزوجل کے کرمِ عمیم و فضلِ عظیم سے امید ہے کہ سب کو پورا پورا ثواب ملے۔ اگرچہ ایک آیت یا درود یا تہلیل و تسبیح کا ثواب آدم علیہ السلام سے قیامت تک کے تمام مومنین و مومنات، احیاء و اموات کے لیے ہدیہ کرے۔ چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ "جو قبرستان پر گزرے اور قل ہو اللہ گیارہ بار پڑھ کر، اُس کا ثواب اموات کو بخشے، بعددِ تمام اموات کے ثواب پائے"۔ حدیث سے

ظاہر ہے کہ سب کو ثواب کامل ملے گا۔ خدائی خزانوں میں کیا کمی ہے۔

۷۔ نمازِ جنازے سے فارغ ہو کر بعد سلام، اُسی جگہ پر جہاں نمازِ جنازہ ادا کی گئی ہے۔ میت کے لیے دُعائے مغفرت کی جاتی ہے اس میں کوئی مضائقہ نہیں اس سے اصلاً ممانعت نہیں۔ البتہ اُسی ہیئتِ نماز پر بدستور صفیں باندھے، امام و مقتدی وہیں کھڑے دُعا کریں، یہ نامناسب ہے کہ نماز پر شبہۂ زیارت نہ ہو' لہٰذا ہیئتِ نماز بدل دیں، صفیں توڑ کر، اپنی اپنی جگہ سے اِدھر اُدھر ہٹ کر دُعا کریں۔

۸۔ ایصالِ ثواب یعنی ثواب رسانی کی نیت سے قرآن مجید پڑھ کر، اُس پر اُجرت لینا بھی حرام اور دینا بھی ناجائز۔ ہاں اگر پڑھنے والے سے صاف کہہ دیا جائے کہ اس پڑھنے پر دیا کچھ نہ جائے گا۔ یا وہ قاری خود کہہ دے کہ میں لوں گا کچھ نہیں اس کے بعد پڑھے، پھر جو چاہیں دیں وہ اُجرت میں داخل نہ ہوگا۔ کہ اجرت کی صراحۃً نفی ہو چکی۔

۹۔ ہر وہ قربت و کارِ خیر جس کا نابالغ اہل ہے، اس کارِ خیر کو عمل میں لا کر، سمجھدار نابالغ بچہ، اُس کا ثواب مسلمان مردوں یا زندوں کو بخشدے تو قول جمہور اور مذہب صحیح و منصور یہ ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ اُس کا ثواب' اُنہیں پہنچے گا جیسا کہ قرآن خوانی، وغیرہ میں مسلمانانِ اہلسنّت کا قدیمی عمل ہے۔

۱۰۔ ایصالِ ثواب کی نیت سے، قرآن مجید کسی مسلمان کو دے کر اُس کا ثواب مسلمان میت کو پہنچانا جائز ہے۔ مگر کفارے کے عوض، قرآن مجید دینے کا جو حیلہ عوام میں رائج ہے کہ فدیہ کی قیمت لگا کر، سب کے بدلے میں قرآن مجید دیتے ہیں، محض بے اصل و بے سود ہے کہ اس سے پورا فدیہ، نماز روزہ کا، ادا نہیں ہوتا، بلکہ صرف اتنا ہی ادا ہوگا جس کی قیمت کا مصحف شریف ہے۔

(فتاویٰ رضویہ) ۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

تیسرا مسئلہ — عرس وسماع کا

لفظ عرس[۶۵] ماخوذ اُس حدیث سے ہے نَمْ كَنَوْمَةِ الْعَرُوسِ یعنی بندۂ صالح سے کہا جاتا ہے کہ "عروس کی طرح آرام کر"۔ کیونکہ موت مقبولانِ الٰہی کے حق میں، وصالِ محبوبِ حقیقی ہے۔ اس سے بڑھ کر کون عروسی ہوگی؟ چونکہ ایصالِ ثواب بروحِ اموات مستحسن ہے۔ خصوصاً جن بزرگوں سے فیوض وبرکات حاصل ہوئے ہیں۔ ان کا زیادہ حق ہے۔ اور پھر[۶۶] اپنے پیر بھائیوں سے ملنا، موجب ازدیادِ محبت وتزائدِ برکات ہے،

[۶۷] صدر الافاضل حضرت مولانا نعیم الدین صاحب مرادآبادی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ "بزرگانِ دین کے مزارات پر، ان کی وفات کے دن، جو لوگ زیارت و ایصالِ ثواب وحصولِ برکات کے لیے سالانہ حاضر ہوتے ہیں اُس کو عرس کہتے ہیں۔ غیاث اللغات میں ہے۔ "مجازاً بمعنی مجلس طعامِ فاتحہ بزرگان کہ بروزِ وفات بعد از سالے کنند، چرا کہ رحلت از غمکدۂ دنیا، بمنزلہ شانِ عروسی است بحق عاشقانِ حق۔ چنانکہ سعدی فرماید ؎

عروسی بود نوبتِ ماتمت
اگر نیک روزی بود خاتمت"

لفظ عرس اس معنی کے لیے حدیث شریف سے ماخوذ ہے کہ نکیرین قبر میں جوابِ شافی کے بعد بندۂ مرحوم سے کہتے ہیں نَمْ كَنَوْمَةِ الْعَرُوسِ الَّذِیْ لَا یُوْقِظُہٗ اِلَّا اَحَبُّ اَھْلِہٖ۔ الخ (رواہ الترمذی) یعنی سو جا مثل سونے عروس کے، جس کو اُس کے اہل میں، اُس کے سب سے پیارے کے سوا

کوئی نہ جگائے"۔ فی الواقع جب منزلِ اوّل کی، امتحان گاہ صدق و اخلاص میں بندہ کامیاب ہُوا اور رحمت و کرم سے نوازا گیا، تو وہ دن اُس کے لیے، دنیا کے تمام ایام سے زیادہ شادی و خوشی کا دن ہے۔ اور حقیقت میں وہ آج ہی دولہا بنا ہے کہ ملائکہ رحمت اس کی ناز برداری کرتے ہیں اور جنتی سامانوں سے اس کی قبر کو، روضۂ پُربہار بنا کر، اُس سے آرام کی نیند سونے کی درخواست کرتے ہیں۔ جس کا بیان حدیث شریف میں ان الفاظ کے ساتھ وارد ہے اَنْ صَدَقَ عَبْدِی فَافْرِشُوہ مِنَ الْجَنَّۃِ وَافْتَحُوا لَہٗ بَابًا اِلَی الْجَنَّۃِ الحدیث رواہ احمد (مشکوٰۃ شریف صہ ۱۴۲)

ترجمہ:۔ بندۂ صادق کے سوال نکیرین کے جواب شافی دینے کے بعد آسمان سے ندا کرنے والا ندا کرتا ہے کہ "میرے بندہ نے سچ کہا۔ پس اس کے لیے جنّتی فرش بچھاؤ۔ اس کے لیے جنّت کی طرف دروازہ کھولدو"۔ جن کے لیے قبر میں یہ عزت و تکریم ہو، ان کے لیے موت کا دن یقیناً شادی کا دن ہے۔ اس لیے اولیائے حق کے روزِ وفات کو "روزِ عرس" کہنا بالکل بجا اور حدیث شریف سے ماخوذ ہے"۔ انتہی بلفظہ۔

اور بندگانِ صالحین کے وصال کا دن، جب کہ ان کے لیے شادی کی ضیافت اور جشن عروسی کا دن ہے تو کیا یہ بھی جتلانے کی بات ہے کہ شادی کی مسرت و خوشی صرف دولہا ہی کے لیے نہیں بلکہ اُس کے متعلقین و احباب، اعزہ و اقارب، یگانے اور بیگانے، جنہیں دولہا سے ادنیٰ سی بھی نسبت ہوتی ہے، ان خوشیوں میں، ان مسرتوں میں، اس انبساط روحی و نشاط قلبی میں دولہا کے طفیل، دولہا کے صدقہ، برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ نہ کہ یہ بزرگانِ دین جن کی نگاہِ التفات، بگڑے مقدر بناتی اور جن کی نظر کرم ڈوبی ناؤ تراتی ہے، کہ یہ جب مسرت و شادمانی کے شادیانوں میں شاداں و مسرور ہوں گے تو ظاہر ہے کہ ان کے معتقدین و متوسلین بھی، ان کے طفیل، ان فیوض و برکات سے شادکام و بامراد ہوں گے جو اُن کے نصیب میں ہیں۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ یہ بندگانِ صالحین ہی کی چشمِ عنایت کا ثمرہ ہے کہ اُن

کے متوسلین سدا بہار سرشاریوں سے ہمکنار رہتے ہیں۔ اور ان کے طفیل ان کی بھینی بھینی ٹھنڈی ٹھنڈی مشکبار فضاؤں میں بسر کرنے والے کی شادمانیاں، وکامرانیاں روز بروز نکھرتی ہی رہتی ہیں۔ آخر نہ دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں تشریف لائے، یہود کو عاشوراء کے دن روزہ دار پایا۔ ارشاد فرمایا یہ کیا دن ہے کہ تم روزہ رکھتے ہو؟ عرض کی یہ عظمت والا دن ہے۔ کہ اس میں موسیٰ علیہ السلام اور اُن کی قوم کو اللہ تعالیٰ نے نجات دی اور فرعون اور اس کی قوم کو ڈبو دیا۔ لہٰذا موسیٰ علیہ السلام نے بطور شکر، اُس دن کا روزہ رکھا۔ تو ہم بھی روزہ رکھتے ہیں۔" ارشاد فرمایا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موافقت کرنے میں بہ نسبت تمہارے ہم زیادہ حقدار ہیں۔ تو حضور نے خود بھی روزہ رکھا اور اُس کا حکم بھی فرمایا۔ (بخاری و مسلم)

معلوم ہوا کہ جس روز اللہ عزوجل کوئی خاص نعمت عطا فرمائے اُس کی یادگار قائم کرنا، درست بھی ہے۔ محبوب بھی ہے۔ سُنّت بھی ہے مطلوب بھی ہے کہ اس کی بدولت وہ نعمتِ خاصہ یاد آئے گی۔ اُس کی تصویر، تصور میں بس جائے گی۔ اور یہ سبب ہو گا۔ شکرِ الٰہی کی بجا آوری کا۔ اور شکرِ ایزدی موجب ہے ازدیادِ نعمتِ الٰہی کا۔ والحمدللہ تو صالحین کا یوم وفات، اُن کے لیے بھی سرور و شادمانی کا دن ہے اور ہم متوسلین کے لیے بھی فیوض و برکات پا کر، شکرِ الٰہی بجا لانے اور مزید انعام کے مستحق ہونے کا دن۔ بھلا اس میں کون سی ایسی خرابی ہے جسے دیکھ کر جانِ وہابیت کو متلی آتی ہے غلاظت خود اُن کے بطون میں ہے وہی بار بار اُن کے موہنوں میں آتی اور بدبو پھیلاتی ہے۔ ۱۲

۶۵ قبورِ مسلمین کی زیارت سُنّت ہے اور مزاراتِ اولیائے کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کی حاضری سعادت بر سعادت۔ اور انہیں ایصالِ ثواب، مندوب و مطلوب و محبوب۔ اور انہیں سعادتوں میں سے ایک سعادت یہ ہے کہ ایک ہی خانوادے سے متعلق، ایک ہی سلسلہ سے متوسل، ایک ہی سلک میں منسلک، غلامانِ محبوبانِ خدا، ایک دوسرے سے ملتے، ایک دوسرے سے حسنِ سلوک سے پیش آتے۔ ایک دوسرے کے حق میں دعائے خیر کرتے، ایک دوسرے کے کام آتے اور ایک دوسرے کی برّ و تقویٰ

میں مدد کرتے ہیں۔ اور یوں اُن میں محبّت و مودّت میں نمایاں اضافہ ہوتا ہے۔ اور اجتماعی ذکر واذکار کے فیوض کے دروازے بھی کھلتے ہیں۔ تو مسلمانوں کا یہ اجتماع موجب ہے برکات بالائے برکات کے حصول کا چنانچہ احادیث کریمہ میں وارد کہ ایک گروہِ مسلمانوں کا، جمع ہو کر دُعا مانگے۔ کچھ عرض معروض کریں، کچھ آمین کہیں، تو اللہ عزّوجلّ ان کی دُعا مقبول فرمائے گا۔ (مستدرک) و لہٰذا علمائے کرام نے مجمع مسلمانان کو، اوقاتِ اجابت و قبولیتِ دُعا سے شمار فرمایا۔ حصن حصین میں ہے۔ واجتماعِ المسلمین۔ یعنی مجمع مسلمین کا اوقاتِ اجابت سے ہونا احادیث صحیحہ سے مستفاد ہے۔ اور ملا علی قاری ارشاد فرماتے ہیں کہ جس قدر مجمع کثیر ہوگا جیسے جمعہ و عیدین و عرفات میں، اُسی قدر امید اجابت ظاہر تر ہوگی۔" تو مسلمان کہ ایک کارِ خیر پر جمع ہیں ایک کارِ ثواب کے لیے مجتمع ہیں، اپنے لیے، اپنوں کے لیے، یگانوں کے لیے، بیگانوں کے لیے، امت مرحومہ کے لیے۔ عوام و خواص مسلمین کے لیے، سعادتِ دارین کی دُعا کریں گے، اور یہ دُعا ان شاء اللہ بفضلہ العمیم شرفِ قبولیت پائے گی تو دنیاوی سعادتوں کے ساتھ ساتھ، اُخروی برکتوں کا دامن بھی ہاتھ آئے گا۔ اس اجتماع کی بدولت، دونوں جہاں میں سعادتیں، دونوں جہاں کی سعادتیں، مفت ہاتھ آتی ہیں تو یہ سودا نرے منافع کا سودا ہے۔ ولکن الوھابیۃ قوم لا یعقلون۔

مسلمانو! اتنی بات تو ہر ذی فہم پر روشن ہے کہ ایک سائل، ایک بھکاری ایک محتاج کا بہت بڑا سہارا، اور حصولِ مرادات کا ذریعہ دُعا ہے۔ کہ مولیٰ کی خدمت و طاعت کے بعد اپنی حاجات عرض کرے اور گوہر مقصود سے دامن بھرے۔ ولہٰذا وارد ہوا کہ ہر ختم قرآن پر ایک دُعا مقبول ہے۔ اسی لیے روزہ دار کے حق میں ارشاد ہوا کہ افطار کے وقت اُس کی ایک دُعا رد نہیں کی جاتی۔" پھر اس اجتماعی دُعا کے بارے میں، قیل وقال کی راہیں کشادہ کرنا، اور خواہی نخواہی مباحث کے دروازے کھولنا، عامۃ المسلمین پر ظلم شدید ہے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت دے۔

۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

اور نیز طالبوں کا یہ فائدہ ہے کہ پیر کی تلاش میں مشقت نہیں ہوتی، بہت سے مشائخ رونق افروز ہوتے ہیں۔ اس میں جس سے عقیدت ہو۔ اس کی غلامی اختیار کرلے۔ اس لیے مقصود، ایجادِ رسمِ عرس سے یہ تھا کہ سب سلسلے کے لوگ ایک تاریخ میں جمع ہو جاویں۔ باہم ملاقات بھی ہو جاوے۔ اور صاحب قبر کی روح کو قرآن و طعام کا ثواب بھی پہنچایا جائے۔ یہ مصلحت ہے تعیین یوم میں۔ رہا خاص یومِ وفات کو مقرر کرنا، اس میں اسرار مخفیہ ہیں اُن کا اظہار ضروری نہیں۔

۶۹ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ان غلامانِ خاص و سالکانِ راہِ سلوک میں کسی ایک کے رشتۂ بیعت میں منسلک ہو جانا۔ اگرچہ صرف تبرک کے لیے (اور آج کل عام بیعتیں یہی ہیں۔ وہ بھی نیک نیتوں کی۔ ورنہ بہتوں کی بیعت دنیاوی اغراض و فائدہ کے لیے ہوتی ہے، مگر بیکار یہ بھی نہیں) مفید اور بہت مفید اور دنیا و آخرت میں بکار آمد ہے۔ محبوبانِ خدا کے غلاموں کے دفتر میں نام لکھا جانا، ان سے سلسلہ کا متصل ہو جانا، فی نفسہٖ سعادت ہے اور عظیم سعادت۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، ان کا رب عزّوجلّ فرماتا ہے۔ ھم القوم لایشقی بھم جلیسھم۔ وہ وہ لوگ ہیں کہ اُن کے پاس بیٹھنے والا بھی بدبخت نہیں رہتا۔ محبوبانِ خدا آیۂ رحمت ہیں۔ وہ اپنا نام لینے والوں کو اپنا کر لیتے ہیں اور اس پر نظرِ رحمت رکھتے ہیں۔ امام یکتا سیدی ابو الحسن نور الملۃ والدین علی قدس سرہٗ بہجۃ الاسرار شریف میں فرماتے ہیں، کہ "حضور پُر نور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کی گئی، اگر کوئی شخص حضور کا نام لیوا ہو اور اُس نے نہ حضور کے دست مبارک پر بیعت کی ہو، نہ حضور کا خرقہ پہنا ہو۔ کیا وہ حضور کے مریدوں میں شمار ہوگا؟ ارشاد فرمایا "جو اپنے آپ کو میری طرف نسبت کرے اور اپنا نام میرے دفتر میں شامل کرے۔ اللہ اُسے قبول فرمائے گا۔ اور اگر وہ کسی ناپسندیدہ راہ پر ہو

تو اُسے توجہ دے گا اور وہ میرے مریدوں کے زمرے میں ہے۔ اور بے شک میرے رب عزوجل نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میرے مریدوں اور ہم مذہبوں اور میرے ہر چاہنے والے کو جنت میں داخل فرمائے گا۔" غرض ہمیں بحیثیت مسلمان یقین رکھنا چاہیئے کہ اولیائے کاملین اور بندگانِ صالحین، دنیا و آخرت میں قبر و حشر میں، اپنے متوسلین کے شفیع و یار ہیں اور اپنے معتقدین کے حامی و مددگار ہیں۔

امام عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہٗ میزان الشریعۃ الکبریٰ میں فرماتے ہیں کہ تمام ائمہ مجتہدین اپنے پیروؤں کی شفاعت کرتے ہیں اور دُنیا و قبر و حشر، ہر جگہ، سختیوں کے وقت ان کی نگاہداشت فرماتے ہیں۔ جب تک صراط سے پار نہ ہو جائیں" (کہ اب سختیوں کا وقت جاتا رہا۔ اور لاخوف علیھم ولاھم یحزنون کا زمانہ ہمیشہ ہمیش کے لیے آگیا۔ نہ انہیں کوئی خوف ہو اور نہ کچھ غم و للہ الحمد۔

البتہ شیخ اتصال، یعنی جس کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے انسان کا سلسلہ حضور پُر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک متصل ہو جائے، اس کے لیے چار شرطیں ہیں:۔

۱۔ شیخ کا سلسلہ باتصالِ صحیح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا ہو۔ بیچ میں منقطع نہ ہو کہ منقطع کے ذریعہ اتصال ناممکن۔ بعض لوگ بلا بیعت، بزعم وراثت، کہ ہم تو اُن کے وارث ہیں۔ اپنے باپ دادا کے سجادے پر بیٹھ جاتے ہیں۔ یا

۲۔ بیعت تو کی تھی، مگر خلافت نہ ملی تھی۔ بلا اذن مرید کرنا شروع کر دیتے ہیں یا

۳۔ سلسلہ ہی وہ کہ قطع کر دیا گیا۔ اُس میں فیض نہ رکھا گیا۔ لوگ براہِ ہوس اُس میں اذن و خلافت دیتے چلے آتے ہیں۔ یا

۴۔ سلسلہ فی نفسہٖ صحیح تھا، مگر بیچ میں کوئی ایسا شخص واقع ہوا، جو بعض شرائط کے انتفاء و عدم موجودگی کے باعث، قابلِ بیعت نہ تھا۔ اُس سے جو شاخ چلی

وہ بیچ میں سے منقطع ہے۔ ان تمام صورتوں میں اس بیعت سے ہرگز اتصال حاصل نہ ہوگا۔ بیل سے دودھ، یا بانجھ سے بچہ مانگنے کی مت جُدا ہے۔

۲- شیخ سُنّی صحیح العقیدہ ہو، بد مذہب گمراہ کا سلسلہ شیطان تک پہنچیگا نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک۔ آج کل بہت کھلے بد دینوں حتی کہ وہابیہ نے کہ سرے سے منکرِ فیضانِ اولیاء و دشمن اولیاء ہیں، بدکاری کے لیے، حرص و ہوا کا شکم بھرنے کے لیے، پیری مریدی کا جال پھیلا رکھا ہے۔ ہوشیار! خبردار! احتیاط احتیاط ؎

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست
پس بہر دستے نباید داد دست

۳- عالم ہو۔ اور علم فقہ اسی کی اپنی ضرورت کے قابل کافی جبکہ لازم ہے کہ وہ عقائد اہلسنّت سے پورا واقف اور کفر و اسلام و ضلالت و ہدایت کے فرق کا خوب عارف ہو۔ ورنہ آج بد مذہب نہیں، کل ہو جائے گا۔ صدہا کلمات و حرکات ہیں جن سے کفر لازم آتا ہے۔ اور جاہل براہِ جہالت اُن میں پڑ جاتے ہیں۔ اوّل تو باخبر ہی نہیں ہوتے کہ ان سے قول یا فعلِ کفر صادر ہوا۔ اور بے اطلاع توبہ ممکن۔ تو مبتلا کے مبتلا ہی رہے۔ اور اگر کوئی خبر دے تو ایک سلیم الطبع، نیک مزاج، جاہل ڈر بھی جائے، تو یہ توبہ بھی کرلے۔ مگر وہ سجادہ مشیخت پہ ہادی و مرشد حق، برحق، باحق بنے بیٹھے ہیں، ان کی عظمت کہ خود ان کے قلوب میں ہے، کب حق قبول کرنے دے۔ غرض یہ توبہ پہ تو کیا راضی ہوں گے کہ پھر مرید کرنا چھوڑ دیں، سلسلہ بند کریں، گوشۂ عافیت میں بیٹھ رہیں۔ یہ اُن کا نفس گوارا نہ کرے گا۔ لاجرم وہی سلسلہ کہ ٹوٹ چکا جاری رکھیں گے۔ خود تو ڈوبے ہی ہیں، اوروں کو بھی ساتھ لے ڈوبیں گے۔

۴- فاسقِ معلن نہ ہو - کہ نہ کسی کبیرہ کا ارتکاب کرے نہ صغیرہ پر اصرار - اور اس سے بدتر ہے وہ غافل، کہ علماء کی طرف رجوع ہی نہ لائے - اپنے یہاں کے باطل رواج پر اڑ جائے - (فتاویٰ رضویہ وغیرہ) محمد خلیل عفی عنہ

۱۷؎ تعیین و تخصیص پر، خود شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ کا کلام گزر چکا - اور یہ فقیرِ بے توقیر بھی، اقوالِ علمائے اعلام، اُن کی تائید میں پیش کر چکا - اب عام مسلمان بھائیوں کے افادہ کی خاطر، یہ بحث ہم بنوعِ دیگر کرتے ہیں وما توفیقی الا باللہ۔

۱- تعیین و تخصیص دو طرح کی ہوتی ہے - شرعی اور عادی - شرعی وہ کہ خود شرعِ مطہر نے کسی کام کے لیے، کسی وقت کو خاص کر دیا ہو کہ اُس کے سوا کسی دوسرے وقت میں نہ ہو سکے - جیسے ایامِ نحر (ذی الحجہ کی ۱۰-۱۱-۱۲) اضحیہ یعنی قربانی کے لیے کہ اس سے تقدیم و تاخیر، مقدم و مؤخر کرنا درست نہیں اور نہ شریعت میں اس کا اعتبار - نہ اس سے وجوبِ قربانی ساقط - یا اس قدر ثواب کہ اس وقت میں ہے دوسرے وقت نہیں - جیسے نمازِ عشاء کے لیے ثلثِ لیل - کہ ایک تہائی رات تک تاخیرِ عشاء مستحب ہے مگر اس کے لیے ترکِ جماعت جائز نہیں - اور تخصیص و تعیینِ عادی یہ کہ از جانب شرع اطلاق ہے یعنی حکم مطلق ہے - مُوقّت نہیں - جب چاہیں بجا لائیں - کسی وقت گناہ نہیں - ہر وقت جائز ہے - جیسے ایصالِ ثواب - کہ روزِ ولادت و روزِ وفات و رحلت، یا جس دن کرے، ہر روز درست ہے - مگر جب خارج میں اُس کا وجود ہو گا، کسی زمانے میں، کسی ہیئتِ خاص ہی کے ساتھ ہو گا - کہ مطلق من حیث ھُوَ ھُوَ، بلا تعیین و تخصیص، خارج میں موجود نہیں ہو سکتا - جس طرح وجودِ مطلق انسان، بضمنِ افراد ہوتا ہے - بغیر زید و بکر کے انسان کبھی نہیں ہو سکتا - اسی طرح بغیر کسی زمانہ، کسی ہیئت کے، زمانیات کا وجود ممکن نہیں - جب انسان ہو گا تو زید و عمرو وغیرہ ضرور ہوں گے - اسی طرح جب عرس ہو گا، کسی زمانہ، کسی تعیین و تخصیص ہی

کے ساتھ ہوگا کہ وجودِ نوع، بے وجودِ فرد ناممکن ہے۔

۲۔ عامۂ مسلمین بلکہ علمائے دین، بلکہ ائمۂ مجتہدین، بلکہ تابعین، بلکہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ بلکہ خود حضور اقدس طٰہٰ و یٰسین صلی اللہ علیہ وسلم، امورِ خیر کے لیے تعیین و تخصیصِ ایام و اوقات فرماتے آئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد قبا تشریف لے جانے کو یوم شنبہ معیّن فرمایا۔ (بخاری) روزۂ شکرِ ولادت و رسالت کو یوم دوشنبہ مقرر فرمایا (مسلم) سفرِ جہاد کے لیے روزِ پنج شنبہ کی تعیین فرمائی (بخاری)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وعظ و تذکیر کے لیے اُسی دن (پنجشنبہ) کو مقرر کیا (بخاری) علماء نے ہدایت و آغاز درس کے لیے روز چہار شنبہ کو خاص فرمایا۔ (تعلیم المتعلم) غرض یہ سب توقیتات (وقت و یوم کی تخصیصات) عادیہ سے ہے۔ جس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سوائے روز پنجشنبہ کے مسجد قبا جانا، سوائے روزِ دوشنبہ کے صوم شکرِ رسالت رکھنا۔ سوائے یوم پنجشنبہ کے سفرِ جہاد۔ یا پند و نصیحت کرنا۔ سوائے یوم چہار شنبہ کے کتاب شروع کرنا جائز ہی نہیں۔ یا اس قدر برکت و ثواب کہ اُس دن ہے، اور دن نہیں۔ اسی طرح عرس کے لیے تعیین یوم وفات کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اور دن ایصالِ ثواب نہ ہوگا۔ یا ثواب میں کمی آجائے گی۔

۳۔ اس میں کسی شک کی اصلا گنجائش نہیں کہ عرس و فاتحہ کو علماء و صلحاء، فقراء و اولیاء، مشائخ کرام، صوفیۂ عظام اور عامہ اہلِ اسلام، شرق تا غرب، عرب تا عجم، اسی تعیینِ تاریخ و تخصیص یوم و وقت کے ساتھ کرتے اور اُسے بہتر و مستحسن جانتے آئے۔ دُور کیوں جایئے، بغداد مقدس میں حضور پُر نور غوث الثقلین سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عرس شریف، نہم ربیع الآخر شریف کو ہوتا ہے۔ اور ادھر پاکستان میں پاک پٹن شریف میں پنجم محرم الحرام کو عرسِ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ اجمیر شریف میں ششم رجب المرجب

کو عرسِ خواجہ غریب نواز، معین الحق والملۃ والدین قدس سرہٗ، مارہرہ مطہرہ میں بست وہفتم محرم الحرام کو، عرسِ صاحب البرکات حضرت سیّد شاہ برکت اللہ صاحب قدس سرہٗ، ۱۸ ربیع الاوّل شریف کو عرس حضرت سیّد شاہ آل احمد اچھے میاں صاحب قدس سرہٗ ۱۸ ذی الحجۃ الحرام کو عرسِ حضرت سید شاہ آل رسول صاحب قدس سرہٗ العزیز۔ ۱۰-۱۱-۱۲ کو کلیر شریف میں دوازدہم (۱۲) ربیع الاوّل شریف کو عرس حضرت علاؤ الدین صابر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ردولی شریف میں۔ ۱۱ جمادی الآخرہ سے ۱۳ تک عرس حضرت شاہ عبد الحق صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دہلی اور بدایوں میں کتنوں کی تعداد بتائی جائے گنج اولیا ہے۔ شاید ہی کوئی تاریخ خالی جاتی ہو گی جو کسی کا عرس نہ ہوتا ہو۔ یوہیں مراد آباد۔ رامپور۔ بریلی۔ کانپور۔ گنج مراد آباد۔ لاہور۔ ملتان، سیوہن شریف۔ ٹھٹھہ۔ مکلی۔ کراچی۔ غرض پاک وہند میں وہ تمام بلاد ومقامات، بستیاں۔ آبادیاں، جہاں اولیائے کرام اپنے اپنے مبارک ومنوّر مرقدوں میں استراحت فرما ہیں، ان کے اعراس مبارکہ، ہمیشہ تاریخ وماہِ وفات کی تعیین کے ساتھ رائج و معمول ہیں۔ اور علماء وصلحاء فقراء واولیاء، مشائخ کرام وصوفیائے عظام کرتے چلے آئے ہیں۔ اور یہ بھی ایک دلیل ہے، عرس کے جواز اور استحسان کی۔ وہابیہ زمانہ اپنی بڑ کو، بڑ بڑ سے زیادہ نہ تصور فرمائیں۔

مہ فشاند نور، سگ عو عو کند
ہر کسے بر خلقتِ خود می تند

۴- اور یہ تو ہم بار بار بتلاتے سمجھاتے آرہے ہیں کہ قرونِ ثلٰثہ میں بہئیت کذائی (بصورت موجودہ) موجود نہ ہونے سے کوئی چیز ممنوع وناجائز نہیں ہو سکتی۔ علماء نے صدہا امور میں کہ قرونِ ثلٰثہ میں رائج نہ تھے، باوجود مُحدَث ونو پید ہونے کے، حکم جواز، بلکہ استحسان کا دیا۔ اور اُسے نہ صرف مباح وجائز بلکہ مستحب ومستحسن اور بہ نیتِ خیر، کارِ ثواب ٹھہرایا۔ مثلاً عامۂ کتب میں نماز میں"

تلفظِ نیّت (زبان سے کہہ لینا) مستحب فرمایا (تاکہ زبان وقلب کی مطابقت رہے)، باوجودیکہ نہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ امر ثابت۔ نہ خلفائے راشدین و ائمّہ مجتہدین سے۔ اسی طرح تثویبِ (نماز کے لیے اعلام بعد اعلام مکرّر اطلاع) کو، کہ خیر القرون میں اس کا رواج نہ تھا لیکن عامہ کتب، متون و شروح و فتاوی میں اسے جائز و مستحسن فرمایا۔
اسی طرح خطبہ میں ذکر خلفائے راشدین اور عمّین کریمین (حضرت امیر حمزہ و حضرت عباس) رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہے۔ اسی طرح اذان کے بعد صلوٰۃ و سلام پڑھنا کہ ربیع الآخر ۷۸۱ھ یا ۷۹۱ھ زمانہ سلطان ناصر صلاح الدین سے شروع ہوا۔ اور علماء نے اسے بدعتِ حسنہ فرمایا۔ اسی طرح مصافحہ بعد نماز عصر و فجر۔ اسی طرح قرآن شریف میں سورتوں کے نام اور آیتوں کی تعداد لکھنا۔ مسجدوں کے بُرج اور کنگرے بنانا کہ زمانۂ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم و خلفائے راشدین میں نہ تھے۔ بلکہ حدیث میں تو اس کی ممانعت آئی۔ منڈھی بنانے کا حکم ہوا۔ مگر تغیر زمانہ سے، جبکہ عوام المسلمین کے قلوب تعظیم باطن سے عاری ہوئے، اور آگاہی و تنبُّہ کے لیے تعظیم ظاہر کے محتاج ہو گئے، اس قسم کے امور کو علماؤ عامۂ مسلمین نے مستحسن رکھا۔ اسی طرح ختم تراویح کے دن، باجماعت دُعا کرنا، اخیر رکعت میں سورۂ اخلاص تین بار پڑھنا، مستحسن و بہ نیت حسن، کار خیر و موجب اجر و ثواب قرار دیا گیا۔ اسی طرح تقلیدِ شخصی کہ اب اہلسنّت و جماعت میں، ائمہ اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں منحصر و محدود ہے کہ جو ان سے باہر، وہ بدمذہب و بددین۔ حالانکہ خیر القرون میں ہرگز اس طرح تقلید نہ تھی۔ بلکہ دو صدی کے بعد شائع ہوئی۔ مگر علمائے کرام نے اسے نہ صرف جائز و مستحسن فرمایا بلکہ اس کے وجوب کا حکم دیا۔ اور جو ان چار مذہبوں سے خارج ہو اُسے بدعتی جہنمی فرمایا۔ طحطاویہ حاشیۂ درمختار میں ہے کہ "اہلسنّت کا گروہ ناجی اب چار مذہب میں مجتمع ہے حنفی مالکی شافعی حنبلی۔

اللہ تعالیٰ اُن سب پر رحم فرمائے۔ اب جو ان چار سے باہر ہے وہ بدعتی جہنمی ہے۔"

۵۔ آنکھوں کا مشاہدہ ہے کہ جس کام کے لیے دن تاریخ مقرر ہو۔ اُس پر دوام ہوتا ہے۔ جب وہ تاریخ آتی ہے خیال آجاتا ہے۔ ورنہ آج کل میں عمر تمام ہو جاتی ہے لیکن کام نہیں ہوتا۔ رب العزۃ جل جلالہ نے حج میں یہ تعیین ضروری نہ فرمائی کہ جس سال زادِ راہ کا آدمی مالک ہو۔ طاقت رکھے اُسی سال جائے۔ یا دُوسرے سال حج کرے۔ یا کب کرنا چاہیئے۔ یہ اُس کا کرم، اُس کی طرف سے رخصت بھی اور ہے۔ اور دیکھ لیجئے کہ بہتیرے لوگ جنہیں اللہ تعالےٰ نے ہر طرح قدرت دے رکھی ہے۔ امسال حج کریں گے آئندہ سال حج کو جائیں گے۔ تیسرے سال ضرور اس سعادت سے بہرہ مند ہوں گے۔" اسی لیت و لعل میں قصد ہی کرتے رہ گئے کہ حضرت عزرائیل علیہ السلام نے ان کا کام تمام کر دیا۔ فرضِ خدا کا بار، اُن کے سر رہا۔ اور مواخذۂ اُخروی میں گرفتار، دنیا جہاں سے گزر گئے۔ اسی غرض سے تاریخ مقرر کر کے ایصال ثواب، عوام و خواص کا معمول و مروّج ہوا تاکہ مداومت کے باعث، محبوب ترین اعمال میں اس کا شمار ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، محبوب ترین عمل، اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ہے جس پر عامل مداومت کرے اگرچہ تھوڑا ہو۔" (بخاری و مسلم) یعنی ہمیشہ بجا لاتا رہے۔ اُسے شروع کر کے ترک نہ کر بیٹھے۔

غرض عرس مجموعہ امورِ مستحسنہ کا ہے۔ اور مجموعہ امورِ مستحسنہ کا مستحسن ہوتا ہے۔ ان امور کے اجتماع سے کوئی نیا حکم کہ احاد و افراد کے منافی ہو، پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ کہنا چاہیئے کہ اس مجموعہ کا حسن، ہر واحد کے حسن سے زیادہ ہو جاتا ہے۔ جیسے بالوں کی رسّی کہ ہر بال سے زیادہ قوت رکھتی ہے۔ اور بڑی جماعت کی خبر، احاد کے ظنی ہونے کے باوجود، مفید یقین ہو جاتی ہے۔ اور حدیثِ ضعیف کہ متعدد طُرق سے مروی ہو، حسن ہو جاتی ہے۔ اور جب ان سب امورِ خیر کی طرف، حضور

اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت دی۔ ان کی ہدایت فرمائی۔ ان کی رغبت دلائی اور مزاراتِ شہدائے کرام پر ہر سال تشریف لیجاکر اس کی بنیاد رکھی اس کی تاسیس فرمائی تو اس کے بعد اور کس مؤسس و موجد کی ضرورت رہ جاتی ہے جسے وہابیہ زمانہ، قرونِ ثلٰثہ میں تلاش کرتے ہیں۔ کیا وہ اتنا بھی نہیں جانتے اور مانتے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال اُحد، شہدائے اُحد کی قبور پر تشریف لے جاتے اور جب گھاٹیاں سامنے آتیں، قبورِ شہداء کو سلام کرتے۔ سلامٌ علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار فرماتے۔ یعنی "سلامتی ہو تم پر، اس کے بدلے کہ تم نے صبر کیا۔ پس کیا اچھا وقت ہے عاقبت کا گھر"۔ اور خلفائے اربعہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم بھی ایسا ہی کرتے۔ اور اس سے تخصیص و تعیینِ تاریخ بھی ثابت، اور مزاراتِ شہداء پر تسلیم و تحیت بھی۔

۶۔ اور یہ جاننے کے باوجود کہ عرس کوئی فعل اضطراری نہیں کہ بلا ارادہ و بلا تخصیص و تعیین یوم و تاریخ مسلمان جمع ہو جائیں اور فاتحہ درود ہونے لگے۔ بلکہ یہ امر اختیاری ہے۔ حاضرین و منتظمین کے ارادہ و اختیار سے عمل میں آتا ہے۔ تو انتظام کے لیے تعیینِ یوم و تخصیصِ تاریخ ضروری ہے کہ اس کے بغیر کوئی کام سر انجام نہ پا سکے گا۔ اور اگر یوں کہیے کہ ایک مہینے پیشتر تعیین نہ کیجئے۔ ایک ہفتہ قبل بھی نہیں۔ تو ایک دن، ایک گھنٹہ یا پانچ دس منٹ پہلے، کیا تعیین، تعیین نہ ہوگی۔ ضرور ہوگی۔ تو مذہب وہابیت کے گلے پر چھری اب بھی چل گئی کہ وہاں تو بلا تعیین کی ٹھہری ہوئی ہے۔ اور تعیین بدعت، اور ہر بدعت ضلالت اور ہر ضلالت فی النار ہے۔

۷۔ منکرین تعیین و تخصیص ذرا اپنی بھی خبر لیں کہ جب تعیین و تخصیص بدعت ہے۔ اور ہر بدعت ضلالت ہے اور ہر ضلالت فی النار، تو آخر اپنے مدارس کے لیے، کوئی فتویٰ کیوں نہیں دیتے کہ طریقہ معینہ ان تمام مدارس کا طریقہ سنت کے خلاف ہے۔ لہٰذا بدعت ہوا الخ پھر بلا تعیینِ اوقاتِ مدرسہ، و افعالِ

مدرسین واحکام منتظمین، درست ہے یا اس کے لیے کوئی خاص حکم آیا ہے کہ

(ا) تقسیم اسناد کا جلسہ، سال بہ سال، وقت و تاریخ ویوم کی تخصیص و تعیین کے ساتھ، روسائے شہر وممبرانِ مدرسہ وبعض دیگر خیر خواہان مقامی ہوں خواہ بیرونی، ان کی موجودگی میں منعقد ہو۔

(ب) اخبارات وجرائد میں اسے مشتہر کیا جائے۔ اور "خیر خواہانِ ملت" کے نام دعوت نامے جاری کیے جائیں۔

(ج) ہر سہ ماہ کے بعد، ورنہ سال میں کم از کم ایک بار، عام ممبرانِ مدرسہ کا اجتماع، اسی یوم و تاریخ و وقت کی قیود کے ساتھ، ضرور ہو۔

(د) اہلِ مشورہ ایسے ہوں کہ اُن کو شریک ہونے کا حتی الوسع، انہیں تخصیصات کے ساتھ، التزام و اہتمام ہو۔

(س) وقتِ درس موسم سرما میں (۷) بجے سے (۱۱) بجے تک، اور (۲) سے (۴) بجے تک۔ اور موسم گرما میں (۶) بجے سے (۱۰) بجے تک۔ اور شام کو (۳) بجے سے (۵) بجے تک ہوں۔

(س) پابندئ وقتِ درس کی، جملہ طلبہ پر ضروری ہو۔

(ص) امتحان سالانہ کے لیے شعبان کی تعیین ہو۔

(ط) ۱۵ یا اس کے بعد شعبان کی کسی تاریخ سے شوال کی ۸۔۱۰ تک مدرسہ کی تعطیل ہو۔

(ع) عربی خواندگی کے لیے ۸ جماعتیں ہوں اور ہر سال مقررۂ مندرجہ نقشہ کی خواندگی، ضرور پوری ہو جائے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اور اگر نہیں تو اپنے لیے یہ تقییدات، یہ توقیتات، یہ تخصیصات، یہ تعیینات کہاں سے جائز کر لیں۔ اور اسے بدعت بلکہ اجتماع بدعات کیوں نہ ٹھہرایا۔ اور کل بدعۃ ضلالۃ اور کل ضلالۃ فی النار کا فتویٰ ان پر کیوں نہ لگایا۔ کیوں نہیں کھل کر کہہ دیا کہ ان بدعتوں کے مرتکب ناری جہنمی، مستحق عذاب الیم ہیں۔ اور اگر آپ کہیں کہ انتظام و انصرام کے لیے یہ تعیین وقت ویوم و تخصیص تاریخ و ماہ و سال ضروری ہے تو ہوش سے بیگانو!

ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ تعینات و تخصیصات بغرض تحفظ و یاد دہانی ہوتے ہیں۔ کہ امور اختیاریہ میں تعیین و تخصیص کے بغیر کام چل نہیں سکتا۔ مگر بات آپ جیسے منکرین کی سمجھ میں نہیں آتی۔ برادرانِ اسلام یہاں اتنی بات اور یاد رکھیں کہ اعراس کی تعیین میں ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ اولیائے کرام کی ارواحِ طیبہ کو ان کے وصال شریف کے دن، قبور کریمہ کی طرف توجہ زیادہ ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ وقت جو خاص وصال کا ہے، اخذ برکات کے لیے زیادہ مناسب ہے۔

(مواہبِ ارواح قدس مصدقہ الملفوظات ۱۲)

چونکہ بعض[۱] طریقوں میں سماع کی عادت ہے، اس لیے تجدید حال اور ازدیادِ ذوق و شوق کے لیے کچھ سماع بھی ہونے لگا۔ پس اصل اعراس کی اس قدر ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں معلوم ہوتا۔ بعض علما[۲] نے بعض حدیثوں سے بھی اس کا استنباط کیا ہے۔ رہ گیا[۳] شبہ حدیث "لا تتخذوا قبری عیدًا" کا، سو اس کے صحیح معنی یہ ہیں کہ قبر پر میلہ لگانا۔ اور خوشیاں کرنا، اور زینت و آراستگی، و دھوم دھام کا اہتمام، یہ ممنوع ہے۔ کیونکہ زیارات مقابر، واسطے عبرت اور تذکرۂ آخرت کے ہے۔ نہ غفلت اور زینت کے لیے۔ اور یہ معنی نہیں کہ کسی قبر پر جمع ہونا منع۔ ورنہ مدینہ[۴] طیبہ قافلوں کا جانا، واسطے زیارتِ روضۂ اقدس کے بھی منع ہوتا و ہذا باطل۔

[۱] شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے یہ الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ باجے گاجے کھیل تماشے کرنا، اور مزارات پر لوگوں کا مرتکب بدعات و لہو و لعب ہونا، کہ ضرور ممنوع وحرام ہیں، یہ درکنار، سماع بھی داخل ماہیتِ عرس نہیں۔ سماع کو اعراس کا جزِ لازمی اور ماہیتِ عرس میں داخل ماننا محض کم فہمی و عناد ہے۔ جس طرح اکثر اعراس مع سماع و

مزامیر ہوتے ہیں بہتیرے اعراس، اس سے خالی بھی پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ خود شاہ عبدالعزیز صاحب اپنے والد ماجد کا عرس برابر کرتے اور امورِ مذمومہ، وسماع و مزامیر اُس میں سے کچھ نہ ہوتا۔ تو ان وجوہ سے نفسِ عرس ہرگز ممنوع و ناجائز نہیں ہوسکتا۔ ممنوعاتِ شرعیہ کو منع کیجئے۔ کون اُن سے منع کرتا ہے۔ مگر یہ نفس وشیطان کی دھوکا دہی ہے کہ نہی عن المنکر (برائی سے روکنے) کے پردے میں مناعٍ للخیر (خیر سے روکنے والا) بن جایئے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ دیکھ لیجئے یہ دیو، کہیں آپ میں تو بند نہیں۔

۴۷ ابھی اُوپر گزرا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ہر سال اُحد تشریف لے جاتے۔ الحدیث۔ یہ ہر سرِ سال، شہدائے اُحد کی قبور پر تشریف لے جانا اور سلام علیکم بما صبرتُم فرمانا، تو زیارتِ قبور اور جوازِ اعراس پر دلالت کرتا ہے۔ پھر حدیث شریف میں لفظ کانَ اور علیٰ راسِ کُلِّ حولٍ (ہر سرِ سال) بھی موجود ہے۔ آخر یہ بھی کوئی معنی رکھتا ہے۔ یا یوہیں زائد، لغو و فضول ہے۔ زیارتِ قبور تو "یاتی قبور الشُہداءِ (قبور شہدائے اُحد پر تشریف لے جاتے) ہی سے مفہوم ہوتی ہے۔ ان دونوں لفظوں کا کیا فائدہ ہے۔ یہ آپ کے ذہن نارسا میں نہ آئے۔ تو ہم سے سنیئے۔ علیٰ راسِ کُلِّ حول تو یومِ وفات کی تعیین وتخصیص پر دلالت کرتا ہے۔ اور لفظ کانَ مداومت اور ہمیشگی پر۔ کہ یہ ہمیشہ معمول گرامی رہا۔ اور راسِ کُلِّ حَوْلٍ سے ابتدائے ماہِ محرم مراد لینا ہرگز قطعاً درست نہیں کہ تعیینِ سنہ ہجری اور ماہ محرم سے اس کی ابتداء، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں کب تھی۔ یہ تو زمانہ خلافتِ راشدہ امیر المومنین عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قرار پائی ہے۔ لہٰذا ہر سرِ سال سے مراد ہے، شہدائے اُحد کی تاریخ شہادت۔ اس لیے کہ حَول کے معنی ہیں دَورہ۔ محرم سے ابتداء کی جائے یا صفر سے۔ ذی قعدہ سے ہو یا ذی الحجہ سے۔ یکم ہو یا دسویں بیسویں یا بائیسویں۔ غرض جس جز سے ابتداء کی جائے اُس جز تک تاریخ و ماہ کے آجانے کا نام حَول ہے۔ چنانچہ فقہائے کرام جو فرضیتِ زکوٰۃ کے بارے میں حولانِ حول

دسال کا گزر جانا تحریر فرماتے ہیں۔ اس سے بھی مراد یہی ہے کہ جس یوم و تاریخ و ماہ کو آدمی مالک نصاب ہوا، اس کے ایک سال کے بعد زکوٰۃ واجب ہے۔ یعنی وہی عربی مہینہ وہی تاریخ، دوسرے سال کے آنے تک اُس کے پاس نصاب باقی رہی تو وہی تاریخ وہی مہینہ اس کے لیے زکوٰۃ کا سال ہے۔ نہ یہ کہ ماہ رمضان ہی کو ابتدائے اسلام قرار دے دیا جائے۔ غرض اس حدیث کو جوازِ عرس کے دلائل میں پیش کرنا بے سود نہیں۔ اور نہ تقررِ یوم و تاریخ کے لیے اس سے استدلال میں کوئی خرابی۔ ۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

۴۳ حدیث شریف لَا تَجْعَلُوْا قَبْرِی عِیْدًا (میری قبر انور کو تم عید نہ بنانا) میں ممانعت اس امر کی ہے کہ میری قبر کے پاس عید کے لہو و لعب کے ساتھ مجتمع نہ ہو۔ کہ موجبِ غفلت و قسوتِ قلب و سنگدلی ہے۔ قبر انور تو قبر انور ہے جہاں ستّر ہزار فرشتے ہر وقت حاضر رہ کر صلوٰۃ و سلام عرض کرتے رہتے ہیں۔ ستّر ہزار صبح آتے ہیں اور عصر تک رہتے ہیں۔ عصر کے وقت یہ بدل دیئے جاتے ہیں۔ ستّر ہزار دوسرے آتے ہیں، وہ صبح تک رہتے ہیں۔ یونہیں قیامت تک بدلی ہوگی۔ اور جو ایک بار آئے وہ دوبارہ نہ آئیں گے۔ کہ منظور سب ملائکہ کو یہاں کی حاضری سے مشرف فرمانا ہے۔ اگر یہ تبدیل نہ ہوتے تو کروڑوں محروم رہ جاتے۔ پھر روضۂ پُر نور تجلّیٔ الٰہی کا گھر، عطائے الٰہی کا دروازہ ہے کہ اللہ عزوجل کے ظلِ اوّل و اتم و اکمل، وظیفۂ مطلق و قاسمِ ہر نعمت صلی اللہ علیہ وسلم اس میں تشریف فرما ہیں۔ تو اس مبارک و منوّر مقدس و معطّر بُقعۂ زمین کے پاس، اس کے متصل یا اُس کے قرب و جوار میں، لہو و لعب کے لیے جمع ہونا، یقیناً ہزار در ہزار نعمتوں و برکتوں سے محروم ہونا اور قساوتِ قلبی کا موجب ہے۔ جبکہ علماء کرام نے فرمایا کہ عوام المسلمین کے قبرستان میں جائیں تب بھی موت اور احوال و اہوالِ قبر کو پیشِ نظر رکھیں کہ "آج یہ، کل ہماری باری ہے"۔ دنیا کی باتیں نہ کریں اور نہ ہنسی مذاق دل لگی میں پڑیں۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو جنازہ کے ساتھ ہنستے دیکھا تو فرمایا کہ "تو جنازہ میں ہنستا ہے۔ تجھ سے کبھی کلام نہ کرونگا"۔

اور دوسرے معنی علماء نے یہ بیان فرمائے کہ میری قبر کو تم عید نہ بنانا۔ یعنی جس طرح عید کے لیے سال میں صرف دو دن جمع ہوتے ہیں، میری زیارت کو صرف دو دن پر منحصر و مقصور، مقید و محدود نہ کر دینا۔ بلکہ اکثر حاضر ہوا کرو کہ مہبط ہے ہزاروں ہزار رحمت و برکت کا، اور ذریعہ ہے بیرون از شمار، انواعِ سعادت کے حصول کا۔
(مرقاۃ المفاتیح)

۲۴ خود عالم اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و اصحابہ و بارک وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ:

۱- جو میری قبر کی زیارت کرے، اس کے لیے میری شفاعت واجب (دار قطنی بیہقی وغیرہما)

۲- جس نے حج کیا اور میری وفات کے بعد، میری قبر کی زیارت کی، تو ایسا ہے جیسے میری حیات میں میری زیارت سے مشرف ہوا۔ (دار قطنی طبرانی)

۳- جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی، تو گویا اُس نے میری زندگی میں زیارت کی۔ اور جو حرمین میں مریگا، قیامت کے دن امن والوں میں اُٹھیگا (بیہقی)

۴- جو شخص میری زیارت کریگا، قیامت کے دن میں اُس کا شفیع یا شہید ہونگا۔ اور جو حرمین (حرم مکہ و حرمِ مدینہ) میں مریگا۔ اللہ تعالیٰ اُسے قیامت کے دن امن والوں میں اُٹھائے گا۔ (بیہقی)

۵- جس نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی، اُس نے مجھ پر جفا کی۔ (یعنی میرا حق ادا نہ کیا) (ابن عدی)

اور خود قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۔ (اگر وہ جو اپنی جانوں پر ظلم کریں، تیرے پاس حاضر ہو کر، خدا سے بخشش چاہیں، اور رسول ان کی مغفرت مانگے، تو ضرور خدا کو توبہ قبول کرنے والا، مہربان پائیں)۔

مسلمان بغور دیکھیں۔ آیت کریمہ صاف صریح ارشاد فرما رہی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نبئ توبہ ہیں۔ بندوں کو حکم ہے کہ ان کی بارگاہ، بیکس پناہ میں حاضر ہو کر توبہ و استغفار کریں، اپنی مغفرت و بخشش، بارگاہِ رب العزت سے چاہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ سمیع و خبیر ہے۔ ہر جگہ سُنتا ہے۔ ہر ایک کی سنتا ہے۔ ہر ایک کی جانتا ہے۔ اس کا علم، اس کا سمع، اُس کا شہود، سب جگہ یکساں ہے۔ مگر حکم یہی فرمایا کہ میری طرف توبہ چاہو۔ میری عطا و بخشش اور فضل و کرم کی توجّہ چاہو، تو میرے محبوب کے حضور، حاضر ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عالمِ حیاتِ ظاہری میں، تو یہ حضور، یہ حضوری، یہ حاضری، ظاہر تھی۔ اب روضۂ پُرانوار پر حاضری ہے۔ اور جہاں یہ بھی میسّر نہ ہو، تو دل سے حضُور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف توجّہ، حضور سے توسُّل، فریاد استغاثہ اور طلبِ شفاعت ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی ہر مسلمان کے گھر میں جلوہ فرما ہیں۔ (مولانا علی قاری)

اللہ اللہ قرآن فرمائے، میرے محبُوب کے روضۂ انور پر حاضری دو، حضُور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں، میرے مرقدِ اطہر کی زیارت کے لیے آؤ۔ اور منکرینِ زیارت اقدس لا تتخذوا قبری عیدًا کو مبنیٰ بنا کر مسلمانوں کو بہکائیں اور مزار پُر انوار پر حاضری سے ڈرائیں دھمکائیں ؂

بہ بین تفاوتِ راہ از کجاست تا بہ کجا

وہ مدینۂ طیبہ جس کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس سے ہو سکے کہ مدینہ میں مرے تو مدینہ ہی میں مرے کہ جو شخص مدینہ میں مرے گا میں اس کی شفاعت فرماؤنگا۔ (ترمذی ابن ماجہ وغیرہما) وہ مدینۂ طیبہ جس کے لیے ارشاد حقانی ہوا کہ "اللہ تو مدینہ کو ہمارا محبوب بنا دے جیسے ہمیں مکّہ محبوب ہے۔ بلکہ اس سے زیادہ۔ اور اس کی آب و ہوا کو ہمارے لیے درست فرما دے اور اُس کے صاع و مُد میں برکت عطا فرما۔ اور یہاں کے بخار کو منتقل کر کے حُجفہ میں بھیجدے" (صحیح مسلم) اور یہ مضمون کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینۂ طیبہ کے واسطے دُعا کی کہ مکّہ سے دو چند یہاں برکتیں ہوں۔ اور بھی احادیث میں وارد ہے۔ ہاں ہاں یہ بارگاہِ بیکس پناہ ہے۔ ان کی ایک نگاہِ کرم، کبائر کو حسنات سے، برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیتی ہے۔ جب تو ارحم الراحمین جل جلالہ نے گناہگاروں خطا واروں تباہ کاروں کو ان کا

دروازہ بتایا۔ والحمد للہ رب العلمین مگر منکرین کو یہ ایک آنکھ نہ بھایا۔ ۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

پس حق یہ ہے کہ زیارتِ مقابر، انفراداً و اجتماعاً، دونوں طرح جائز اور ایصال ثواب و طعام بھی جائز۔ اور تعیینِ تاریخ، مصلحتاً بھی جائز۔ توسب[۷۵] مل کر بھی جائز رہا۔ یہ شبہ[۷۶] کہ وہاں پکار کر سب قرآن شریف پڑھتے ہیں۔ اور آیۂ فَاسْتَمِعُوا لَہٗ وَاَنْصِتُوا کی مخالفت ہوتی ہے۔ سو اولاً تو علماء نے لکھا ہے کہ خارجِ نماز کے لیے یہ امر مستحبات کے لیے ہے ترکِ مستحب پر اتنا شور و غل نامناسب ہے۔ ورنہ لوگوں کا مکاتب میں پڑھنا ممنوع ہوگا۔ دوسرے اگر کسی کو یہی تحقیق ہو کہ یہ وجوب عام ہے تو اصل عمل کے منع کرنے سے یہ بہتر ہے کہ امر تعلیم کر دیا جائے۔ یہی جواب ہے سوم میں قرآن پکار کر پڑھنے کا۔

ف۷۵ نہایت سیدھے سادے الفاظ میں شاہ صاحب نے وہی بات ارشاد فرمائی جو علمائے کرام تحریر فرماتے آئے اور گزشتہ صفحات میں ہم نے نقل کیا کہ عرس مجموعہ ہے امورِ مستحسنہ کا۔ اور امور مستحسنہ کا مجموعہ بھی مستحسن ہوتا ہے توان امور کے اجتماع سے، کوئی ایسا نیا حکم جو احاد و افراد کے منافی ہو، پیدا نہیں ہوتا۔

(ملاحظہ ہو ف۵۵) ۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

ف۷۶ قاعدہ کلیہ اس باب میں وہ ہے جو ہمیں قرآن کریم نے عنایت فرمایا کہ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوا لَہٗ وَاَنْصِتُوا۔

"جب قرآن پڑھا جائے تو اُسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو"۔

ردالمحتار میں بحوالہ بحر فرمایا کہ وَالْحَاصِلُ اَنَّ الْمَطْلُوْبَ بِھَا اَمْرَانِ الْاِسْتِمَاعُ وَالسُّکُوْتُ فَیُعْمَلُ بِکُلٍّ مِنْھُمَا الخ یعنی ماحصل اس آیتِ کریمہ کا دو باتیں ہیں۔ کان[۱] لگا کر سننا۔ اور خاموش[۲] رہنا۔ لہٰذا دونوں پر عمل لازم ہے۔ البتہ پہلا حکم قرات جہریہ سے

مختص ہے اور دوسرا غیر مختص۔ لہذا اپنے اطلاق پر جاری ہوگا اور مطلقاً قرأت کے وقت خاموش رہنا واجب۔ (خواہ نماز میں ہو یا خارج نماز)

اسی میں ارشاد فرمایا کہ اگرچہ یہ آیت کریمہ نماز میں (مقتدی کے سننے اور خاموش رہنے کے باب میں) وارد ہے تاہم اعتبار عمومِ الفاظ کا ہے نہ کہ خصوصِ سبب کا۔" لہذا خارج نماز بھی قرآن کریم باآواز بلند پڑھا جائے تو اُس وقت اُسے کان لگا کر سُننے اور خاموش رہنے کا حکم ہے۔ رہی یہ بات کہ یہ امر وجوب کے لیے ہے یا استحباب کے لیے؟ تو اس باب میں علمائے کرام کے درمیان اختلاف ہے جس کے ذکر کا یہاں محل نہیں۔ صرف اتنا جان لینا کافی ہے کہ کچھ علماء کا قول یہ ہے کہ یہاں امر استحباب کے لیے ہے جیسا کہ بیضاوی میں ہے۔ اور شاہ صاحب موصوف کا اشارہ اسی طرف ہے۔

جبکہ عامہ علمائے کرام ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ حکم وجوب کے لیے ہے۔ اس پر عمل کرنا لازم۔ اور اس کا ترک مکروہ تحریمی۔ اس باب میں حضرات علمائے دین نے جو مسائل استنباط فرمائے۔ اُن میں سے چند یہ ہیں:۔

۱۔ جہاں لوگ اپنے کاموں میں مشغول ہوں اور قرآن کریم کے استماع کے لیے کوئی فارغ نہ ہو، وہاں جہراً تلاوت کرنے والے پر، قرآن عظیم کو بے حرمتی کے لیے پیش کرنے کا وبال ہے۔ (نمازوں میں لاؤڈ سپیکر کے استعمال کو جائز کہنے والے بھی اس پر غور کرلیں کہ کہیں وہ تو اس وبال میں شریک نہیں)

۲۔ جہاں کوئی شخص علمِ دین پڑھا رہا ہے۔ یا طالبِ علم، علم دین کی تکرار کر رہے ہیں یا مطالعہ میں مصروف ہیں یا دینی فقہی مسائل لکھنے میں مشغول ہیں کہ قرآن کریم بغور نہ سُن سکیں تو وہاں بھی بلند آواز سے پڑھنا منع ہے۔ پڑھنے والا گناہگار ہوگا۔

۳۔ مجمع میں سب لوگ بلند آواز سے پڑھیں، یہ حرام ہے۔ اکثر تیجوں یا قرآنی خوانی کی دُوسری محفلوں میں، تمام شرکاء بلند آواز سے پڑھتے ہیں کہ ایک کی آواز، دوسرے کی آواز سے ٹکراتی ہے، یہ حرام ہے۔ اگر چند اشخاص پڑھنے والے ہوں تو حکم ہے آہستہ پڑھیں۔

۴- بازاروں اور ایسے مقامات پر جہاں لوگ کام میں مشغول ہوں، بلند آواز سے پڑھنا جائز ہے۔ لوگ اگر نہ سنیں گے تو گناہ پڑھنے والے پر ہے جبکہ اُن لوگوں کے کام میں مشغول ہونے سے پہلے اس نے پڑھنا شروع کر دیا ہو۔ اور اگر وہ جگہ کام کرنے کے لیے مقرر نہ ہو تو اگر پہلے پڑھنا اس نے شروع کیا ہے۔ اور لوگ نہیں سنتے تو لوگوں پر گناہ۔ اور اگر کام شروع کرنے کے بعد اس نے پڑھنا شروع کیا تو یہ گناہگار۔

۵- آرام و استراحت کے وقت کہ لوگ سو رہے ہیں اور نیند کے مزے لُوٹ رہے ہیں اور کوئی شخص اپنے بالاخانہ پر جا کر قرآن عظیم کی تلاوت شروع کر دے تو یہ خود گناہگار ہوگا۔ اور وجہ وہی کہ اس کا پڑھنا، لوگوں کے اعراض اور قرآن کریم کو بے حرمتی کے لیے پیش کرنے کا باعث ہوگا۔ یا ان کی اذیّت کا سبب کہ بے وقت ان کی نیند خراب کر دی۔ اور دونوں صورتیں شریعت مطہرہ کو ناپسند۔

۶- جب بلند آواز سے قرآن پڑھا جائے تو تمام حاضرین پر سننا فرض ہے جبکہ وہ مجمع بغرض سننے کے حاضر ہو۔ ورنہ ایک کا سننا کافی ہے اگرچہ اور اپنے کام میں ہوں۔ اور وجہ اس کی یہ کہ بعض علماء کے نزدیک استماع قرآن فرضِ کفایہ ہے تو ایسی صورت میں ایک دو کا سن لینا، حقِ قرآن کی اقامت کا موجب ہوگا کہ اس کے استماع پر لوگوں نے توجہ تو دی۔ اُسے ضائع تو نہ ہونے دیا۔

۷- قرآن مجید سننا، خود تلاوت کرنے اور نفل پڑھنے سے افضل ہے۔ (در مختار۔ غنیہ۔ فتاویٰ رضویہ وغیرہ) ان تمام مسائل پر ناظرین غور کریں اور پھر دیکھیں کہ مانعین زیارت مقابر کی یہ دلیل کہ "وہاں سب پکار کر قرآن کریم پڑھتے ہیں اور آیۂ کریمہ کی مخالفت ہوتی ہے۔" کیا اپنے اندر کوئی وزن رکھتی ہے۔ اب بھی انہیں اصرار ہو تو شاہ صاحب کے ارشادات کا کیا جواب دیں گے۔

محمد خلیل عفی عنہ

البتہ جس مجلس میں امورِ منکرہ مثل رقصِ مروّج وسجدۂ قبور وغیرہ ہوں اس میں شریک نہ ہونا چاہیئے۔

؎ حکم شرعی صرف اتنا ہی نہیں کہ رقص و سرود اور دوسرے ناجائز وحرام امور پر مشتمل مجلسوں میں آدمی شرکت نہ کرے بلکہ جو لوگ اس کی ممانعت پر قدرت رکھتے ہیں انھیں منع کرنا لازم۔ مسلم شریف میں ہے: "جو تم میں سے کوئی برائی دیکھے تو چاہیئے کہ مٹا دے اپنے ہاتھ سے۔ اور جو اس پہ قدرت نہ رکھے تو زبان سے اس کی برائی بیان کردے۔ اور جو اس پر بھی قدرت نہ رکھے تو چاہیئے کہ دل سے برا جانے۔ اور یہ بہت ضعیف درجے کا ایمان ہے۔" صاف صریح مفاد اس حدیث پاک کا یہی ہے کہ جو لوگ ذی قوت اور اہل اختیارات ہیں کہ ان کے منع کرنے سے لوگ رک جائیں گے، ان پر فرض ہے کہ جس طرح ممکن ہو، لوگوں کو ایسی مجلس کے انعقاد اور ان امورِ منکرہ سے روک دیں۔ انھیں صرف قلب سے برا جاننا کافی نہ ہوگا۔ یعنی اگر وہ جانتے ہیں کہ ان کے امر بالمعروف کرنے کو لوگ قبول کریں گے۔ اور برائی سے باز آجائیں گے تو ان پر امر بالمعروف واجب ہے۔ اسے چھوڑ نہیں سکتے۔ شرح شفا ملا علی قاری میں ہے۔ "اَلْاِنْکَارُ الْقَلْبِیُّ لَایَکُوْنُ کَافِیًا اِلَّا لِلْعَاجِزِ عَنْ اِنْکَارِہٖ بِیَدِہٖ اَوْلِسَانِہٖ"۔ یعنی انکارِ قلبی اور صرف دل سے اسے برا جاننا کافی نہ ہوگا۔ مگر اس شخص کے لیے جو عاجز ہے انکار لسانی (زبان سے اس کی برائی بیان کرنے) سے، یا ہاتھ سے (اپنی قوت ورسوخ واختیار سے) منع کرنے سے۔ اور جو شخص اس پہ قدرت رکھتا ہے اور پھر باوصف قدرت اسے ترک کردے گا (اور اپنے اختیار ورسوخ کو کام میں نہ لائے گا) وہ ضرور گناہگار ہوگا۔"

مولائے کریم قولِ حق وقبولِ حق کی توفیق بخشے۔ آمین۔ الحاصل عرس اولیائے کرام کہ منکراتِ شرعیہ سے خالی ہو، جائز ومستحسن ہے اور رقص وسرود اور دوسری ایسی ہی غیر شرعی بلکہ شرعاً ممنوع وناجائز اور حرام باتوں کا خلط ملط، جس طرح جاہلوں میں معمول و

مروج ہے، اس پر اصرار فسق و جہالت۔ وہابیہ کہ مطلقاً اسے شرک و بدعت بتاتے اور زیارت قبور وغیرہ کو کھینچ تان کر ممنوع ٹھہراتے ہیں۔ یہ خود اپنی جہالت بلکہ ضلالت میں گرفتار ہیں۔ نسئال اللہ الثبات علی الصراط المستقیم۔ اور شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے جو سجدۂ قبور کا ذکر کیا، اس باب میں مسلمان صرف اتنا ہی سمجھ لیں تو ان کے لیے کافی کہ سجدہ حضرت عزت عز جلالہ کے سوا، کسی کے لیے نہیں۔ اُس کے غیر کو سجدۂ عبادت تو یقیناً اجماعاً شرک و کفر ہے جیسے کافروں کا معمول ہے کہ وہ صنم وصلیب اور شمس و قمر کو سجدہ کرتے ہیں۔ یہ یقیناً کفر و شرک ہے اور سجدۂ تحیت و تسلیم وہ مطلقاً حرام و گناہِ کبیرہ ہے۔ جیسا کہ جاہلوں غافلوں میں رائج ہے کہ وہ "مشائخ نما" پیروں کو یا مزارات کو سجدہ کرتے ہیں۔ سجدہ تحیت کو کفر و شرک ٹھہرانا جیسا کہ وہابیہ نجدیہ کا مذہب ہے جہل صریح اور ضلال مبین ہے۔

ابطالِ شرک کے لیے حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ۔ اور جمہور اہل اسلام کے قول پر حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ ہی کافی ہے۔ محال ہے کہ مولیٰ عزوجل کبھی کسی مخلوق کو، اپنا شریک کرنے کا حکم دے۔ اگرچہ پھر اُسے بھی منسوخ فرما دے۔ اور محال ہے کہ ملئکہ و انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں سے کوئی کسی کو، ایک آن کے لیے شریکِ خدا بتائے یا اُسے روا ٹھہرائے۔ وہابیہ نے اس سجدۂ تسلیم و تحیت پر، شرکِ نامغفور کا حکم لگا کر، آدم و یعقوب و یوسف و ملئکہ علیہم الصلوٰۃ والسلام سب کو معاذ اللہ مشرک بنا دیا۔ اور رب عزوجل کو (خاک بدہن گستاخ) شرک کا حکم دینے والا اور جائز رکھنے والا ٹھہرا دیا۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

مختصر یہ کہ وہ جو بہت جاہل ظالم، پیروں کو سجدہ کرتے ہیں، یہ ہر حال میں حرام قطعی ہے۔ چاہے قبلہ کی جانب ہو یا اور طرف۔ اور علماء و مشائخ کے سامنے زمین بوسی جو لوگ کرتے ہیں وہ بھی حرام ہے۔ اور کرنے والا اور اس پر راضی ہونے والا دونوں گناہگار کہ وہ بت پرستی کے مشابہ ہے۔ اور قبر کو سجدہ بلکہ قبر کی طرف سجدہ، دونوں حرام۔ اور ان کا مرتکب، گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہے۔ مولیٰ عزوجل ہر فتنہ و شر و جہالت و ضلالت

سے امان بخشے۔ آمین۔ ۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

رہا مسئلہ سماع کا۔ یہ بحث از بس طویل ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ مسئلہ[۷۸] اختلافی ہے۔ سماعِ محض میں بھی اختلاف ہے۔ جس میں محققین کا یہ قول ہے کہ اگر شرائطِ جواز مجتمع ہوں اور عوارضِ مانع مرتفع ہوں تو جائز ہے ورنہ ناجائز۔ کما فصّلہ الامام الغزالی رحمہ اللہ۔ اور سماع بالآلات میں بھی اختلاف ہے۔ بعض لوگوں نے احادیثِ منع کی تاویلیں کی ہیں اور نظائرِ فقہیّہ پیش کیے ہیں۔ چنانچہ قاضی ثناء اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے رسالۂ سماع میں اس کا ذکر فرمایا ہے۔ مگر آدابِ شرائط کا ہونا باجماع ضروری ہے۔ جو اس وقت اکثر مجالس میں مفقود ہے۔ تاہم ؎ خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد۔

۷۸ مسئلہ سماع میں یہ فقیر بے توقیر اپنے علم و دانش اور فہم و دانست کی روشنی میں سماع کے شائقین کو تین جماعتوں میں تقسیم کرتا، اور ہر ایک سے متعلق چند بنیادی امور کے بیان پہ اکتفا کرتا ہے۔ ناظرین اگر اسے حق و صواب پر مشتمل پائیں تو اپنی نیک دعاؤں سے محروم نہ کریں۔ اور قصور و کوتاہی کو حق و صواب میں خلل انداز دیکھیں تو اسے فقیر کی ہیچدانی و کم علمی پر محمول فرمائیں اور فقیر کی اصلاح کو اپنا معمول بنائیں۔

اقول و باللہ التوفیق سماع جن حضرات کا معمول رہا جن کی جانب منتسب ہے ان میں سرفہرست اُن عارفانِ باخدا، اور پاک نفسانِ باصفا کا گروہ حق پژوہ ہے جن کے متعلق صوفیانِ حق آگاہ نے فرمایا کہ

کسانیکہ یزداں پرستی کنند
بآوازِ دولاب مستی کنند

ہر وہ نغمہ اور ہر وہ آواز جو اُن کے کانوں سے ٹکراتی ہے، وہ اُن کے لیے عالمِ بالا سے ایک نیا پیام لاتی اور انہیں عالمِ وجد میں لاکر، بے خود و مدہوش بنا دیتی ہے تو ان کا سماع محض حروف والفاظ اور نغمۂ وآواز کا سننا نہیں ہوتا بلکہ اُس کے ہر پردہ میں عالمِ غیب کے انوار، ان پر متجلی اور اسرار و رموزِ غیبیہ اُن پر منکشف ہوتے ہیں۔ اب نہ نفسِ سرکش کی مونھ زوریاں، ان کی راہ روکتی ہیں اور نہ نفسانی خواہشات اُن کے لیے سدِّ راہ بنتی ہیں۔ یہ حضرات ہر این وآں سے بے نیاز، اپنے ربِ بے نیاز کی بارگاہ میں سربسجود رہتے ہیں۔ ایسے محبوبانِ بارگاہِ الٰہی اور مقرّبانِ جلالت پناہی کا وجد وسماع، اگر بطریقِ شرعی بھی، مزامیر کے ساتھ پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے، تب بھی ان کی بارگاہوں میں زبانِ اعتراض، دراز کرنا ادب واحتیاط سے گزر کر، سوءِ ادبی ومحرومی کے وبال میں گر جانا ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

دوسرا گروہ سماع میں مشغول رہنے والوں کا ان تباہ حال، گریبان چاک، دامن آلودہ، دردمندانِ نامراد، گناہگارانِ ناشاد کا ہے جن کا دامن توشۂ آخرت سے خالی، اور جن کا نامۂ اعمال، اعمالِ صالحہ سے عاری ہے۔ تہی دست، آلودہ دامن، نفسِ امارہ کے ہاتھوں مجبوراً اور بادۂ غفلت سے مخمور۔ ناگاہ کسی ساز یا کسی خوش آواز یا کسی نغمۂ جاں گداز کے سنتے ہی، اُسے اپنی بدکاریوں، اور خدا و رسول کے احکام کی خلاف ورزیوں کا خیال آجاتا ہے تو بے اختیار، آہ وفریاد کرنے اور عبرت کی آنکھوں سے ندامت کے آنسو بہانے، کفِ افسوس ملنے اور بیقرار و بے چین ہو کر پچھاڑیں کھانے لگتا ہے۔ رحمتِ الٰہی کی آس باندھے، مغفرت وبخشش کی بھیک مانگتا آگے بڑھتا اور بابِ کریم کھٹکھٹاتا ہے۔ تو وہ نغمہ وساز، اور وہ دل میں اتر جانیوالی آواز، اس کے حق میں مہمیز و ذریعہ ہے رشد وہدایت کا، اور وسیلہ وواسطہ ہے اس کی بخشش و مغفرت کا۔ کہ اُسی آوازِ جاں نواز کی جاروب کے ذریعے وہ گناہوں کی خس وخاشاک سے اپنا سینہ شفاف، اور اپنے دل کا صحن، پاک وصاف کرتا اور تقرّب حاصل کرتا ہے تو جس کی یہ کیفیت ہو وہ بھی سماع سے معذور سمجھا جانا چاہیئے۔ کیا عجب کہ سماع سے

پیدا ہونے والی اس کی یہ کیفیت، اُسے مقربانِ بارگاہ تک پہنچا دے اور اُس پر محبوبیت کا پرتو پڑ جائے۔ گناہگاروں کی آنکھوں سے ندامت و شرمندگی کا ایک ایک آنسو بارگاہِ رحمت میں بڑی وقعت رکھتا ہے۔ احادیث میں وارد کہ رحمتِ الٰہی شکستہ دلوں سے بہت قریب ہے اور یہ شرم و ندامت، باعث ہے دل شکستگی کا۔ اور اس حالتِ دل شکستگی میں جو دُعا بندہ کے موںھ سے نکلتی ہے، اس پر اجابتِ دُعا کے دروازے کھُل جاتے ہیں اور رحمتِ الٰہی اس کی دستگیری فرماتی ہے۔ تو زبانِ طعن اُس پر بھی دراز نہ کریں اور نہ دل میں بدگمانی کو جگہ دیں کہ گناہ و حرام ہے۔ اے عزیز! تجھے کسی کے دل پر کیا اطلاع۔ قلب کے عیوب پر، عالم الغیوب ہی کی نظر ہے۔ اور وہ رب کریم ستار و خطاپوش۔ تُو تُو زبانِ اعتراض کھولنے والا کون۔ اگرچہ ایسے اشخاص اور ان صفات کی اہلیت رکھنے والے افراد، نادر الوجود اور کمیاب سہی۔ مگر تو کیا جانے کہ جو بندۂ خدا ان کیفیات سے گزر رہا ہے وہ دریائے رحمت کا شناور ہے یا شیطان کا مسخرہ، جسے شیطان کچے دھاگے کی لگام ڈالے کھینچ رہا ہے۔

الحاصل ایسا سماع جو ایسے نتائج لائے، ایک غفلت شعار، معصیت کوش کو، دروازۂ رحمت تک پہنچائے اور ایک سیاہ کار کو اس کے معاصی پر آگاہ کر کے اُسے توبہ و ندامت پر اُکسائے، اس پر انکار سے زبان روکنا ہی مقتضائے احتیاط ہے خصوصًا عوام الناس کے روبرو۔ کہ وہ اس رد و انکار کو افسانے کا رنگ دیں گے اور بڑوں پر زبانِ طعن کھولیں گے۔ اور ان دونوں کے عین مقابل، اُن کے احوال و کیفیات سے سے نرا جاہل، شائقینِ سماع کا تیسرا گروہ ہے جس کے افعال و اعمال، حالات و احوال ہر ذی عقل، صاحب الرائے پر روشن۔ سماع کا جلسہ ہے۔ حاضرین میں نام نہاد صوفیوں، علانیہ فسق و فجور کا ارتکاب کرنے والے جاہلوں، بلکہ ناخدا ترس گھرانوں کی عورتوں، بے ریش امردوں، نوجوان و نوعمر خوبرویوں، بلکہ کوئی بُرا نہ مانے تو کہدوں کہ شراب نوشوں، حرام خوروں، رسوائے زمانہ بے شرموں بدلحاظوں کی اکثریت ہے خود صدر نشینِ محفلِ سماع، عمومًا علمِ شریعت و آدابِ طریقت سے خالی، علوم باطن و

اسرارِ تصوّف تو ان بے دولتوں کے نصیب میں کہاں ، بزرگانِ دین کے اوراد و وظائف اپنے مشائخ بیعت و ارادت کے خاندانی ریاض و مجاہدہ سے بھی کالے کوسوں دور، احکامِ شرع متین سے عملاً نفور، بلکہ بعض تو نمازِ پنجگانہ سے بھی لاتعلق و بیگانہ ہوتے ہیں۔ اور جو ان میں نمازی کہلاتے ہیں وہ آداب و مستحبات درکنار، فرائض و واجبات، مفسدات و مکروہاتِ نماز سے ناواقف محض ہیں۔ مگر جاہل عوام میں اپنی جھوٹی کھوٹی مشیخت کا بازار گرم رکھنے اور اُن سے نذرانے کے نام پر ٹکے سیدھے کرنے کے لیے مجلس سماع کے انعقاد اور اس میں شرکت کو لازم و فرضِ عین جانیں۔ اور پھر اس محفل کی رنگ رلیوں میں اشتغال و انہماک کا یہ عالم کہ نہ اذانوں کی پروا۔ نہ جماعتوں کا لحاظ۔ نہ مسجدوں کی حرمتوں پر نگاہ، نہ نمازوں کا پاس۔ فرائض چھوٹیں، واجبات فوت ہوں۔ نمازیں جائیں۔ جماعتیں ہاتھ نہ آئیں مگر مسرور ہیں کہ لذّتِ سماع تو ہاتھ لگی۔ گناہِ بے لذت کے طعن سے تو جان چھوٹی۔ ولا حول و قوّۃ اِلّا باللّٰہ العلی العظیم۔

پھر ذرا ایک نظر اُن قوّالوں پر بھی ڈال لیجئے جو قوّالی کی ایسی محفلوں کی جان ہوتے ہیں۔ داڑھیاں مونڈائے، مونچھیں بڑھائے، رندوں کے انداز میں، فسق و فجور میں سراپا ڈوبے ہوئے ہیں۔ مگر خوش آواز ہیں تو سب کچھ گوارا۔ بلکہ شرابی کبابی ہوں۔ (جیسا کہ بعض قوالوں کے متعلق سُنا جاتا ہے کہ وہ نشہ میں دُھت، قوالیاں سناتے ہیں) مگر ہیں خوش الحان، تال سُر سے گانیوالے، تو حاضرینِ محفل ان کے دیدار کے لیے بے تاب۔ اور کہیں اگر اُن کے ساتھ کوئی نوخیز، خوش آواز امرد ہو تو ان کے نزدیک سونے پر سہاگہ۔ ہر طرف اُس کے ایک ہی نغمہ پر واہ وا کا شور، اور اس شور میں ناچنے والوں کا زور۔ اور ایسے کہ اچھّے سے اچھّے قاری کی قرأتِ قرآن پر، اور بہتر سے بہتر نعت خواں کی نعت خوانی پر کبھی ان کے دل نہ پسیجے۔ مگر اس محفل میں، "اُن نازک کے پالوں" پر ایسے ریجھے کہ آواز کان میں پڑی اور لگے ناچنے کودنے تھرکنے اور چیخ و پکار، اس پر مستزاد۔ یہ گویا عالمِ وجد میں ہیں۔ کیفیت ان پر طاری ہے اور یہ

یادِ جاناں میں منہمک ہیں۔ اور انہماک و استغراق بھی کیسا کہ قوالوں کے مونھ سے نکلنے والے اشعار و ابیات، جتنے زیادہ قیدِ شرع سے آزاد، اور جس قدر بے قیدی و آزادروی پر مشتمل ہوں، اتنے ہی زیادہ ان کے حق میں شور و غوغا کے باعث۔ علمائے دین کہ اساطینِ شرع و ملت ہیں، اُن کی توہین و صریح اہانت، یا کم از کم کنایۃً و اشارۃً، جن اشعار و ابیات سے ہویدا ہو، اُن کی تکرار عبث، ان کے ذوقِ بد ذوقی کی موجب۔ تو کیا ایسے نفس پرستوں کے، ایسے مجموعہ فسق و فجور، اور بیہودگیوں، ناخدا ترسیوں پر مشتمل، ایسی قوالیوں کی، ایسی محفلوں کو جائز قرار دیا جا سکتا ہے۔ حاشا ہرگز نہیں۔

خدارا! دل صاحبِ انصاف سے "انصاف طلب ہے"۔ کیا قوالیوں کی ایسی آلودہ محفلوں کو، اُن پاک بازانِ عشق کی مجالسِ سماع سے کوئی بھی نسبت متصور ہو سکتی ہے اور کیا ان نفس پروروں کی ایسی محفلوں کو، اُن پاک نفسانِ باصفا کی مجالس سماع پر قیاس کا تصور بھی کیا جا سکتا ہے۔

امام اہلسنت امام احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے ارشاد فرمایا کہ "ایسی قوالی حرام ہے حاضرین سب گناہگار ہیں۔ اور ان سب کا گناہ، ایسا عرس کرنے والوں اور قوالوں پر ہے۔ اور قوالوں کا بھی گناہ، اُس عرس کرنے والے پر، بغیر اس کے کہ عرس کرنے والوں کے ماتھے، قوالوں کا گناہ جانے سے، قوالوں پر سے گناہ کی کچھ کمی آئے۔ یا اس کے اور قوالوں کے ذمے، حاضرین کا وبال پڑنے سے، حاضرین کے گناہ میں کچھ تخفیف ہو۔ نہیں بلکہ حاضرین میں سے ہر ایک پر اپنا پورا گناہ۔ اور قوالوں پر اپنا گناہ الگ۔ اور سب حاضرین کے برابر جدا۔ اور ایسا عرس کرنے والے پر اپنا گناہ الگ اور قوالوں کے برابر جُدا، اور سب حاضرین کے برابر علیحدہ۔

وجہ یہ کہ حاضرین کو عرس کرنے والے نے بلایا۔ ان کے لیے اس گناہ کا سامان پھیلایا۔ اور قوالوں نے انہیں سنایا۔ اگر وہ سامان نہ کرتا۔ یہ ڈھول سارنگی نہ سناتے (طبلہ ہارمونیم اور دوسرے مزامیر و آلاتِ لہو و لعب کا دام نہ بچھاتے) تو حاضرین اُس گناہ میں کیوں پڑتے۔ اس لیے ان سب کا گناہ، اُن دونوں پر ہوا۔ پھر قوالوں کے اس گناہ

کا باعث، وہ عرس کرنے والا ہوا۔ وہ نہ کرتا، نہ بلاتا، تو یہ کیونکر آتے بجاتے۔ لہٰذا قوالوں کا بھی گناہ اُس بلانے والے پر ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "جو کسی امرِ ہدایت کی طرف بُلائے، جتنے اُس کا اتباع کریں، اُن سب کے برابر ثواب پائے۔ اور اس سے ان کے ثوابوں میں کچھ کمی نہ آئے۔ اور جو کسی امرِ ضلالت کی طرف بُلائے جتنے اُس کے بُلانے پر چلیں، اُن سب کے برابر اُس پر گناہ ہو۔ اور اس سے اُن کے گناہوں میں کچھ تخفیف راہ نہ پائے۔ (مسلم شریف وغیرہ)

باجوں کی حرمت میں احادیثِ کثیرہ وارد ہیں۔ از انجملہ اجل و اعلیٰ حدیث صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "ضرور میری امت میں وہ لوگ ہونے والے ہیں جو حلال ٹھہرائیں گے عورتوں کی شرمگاہوں کو یعنی زنا کو، اور ریشمی کپڑوں اور شراب اور باجوں کو۔" بعض جُہّالِ بدمست، یا نیم مُلّا، شہوت پرست، یا بھولے صوفی بادیدۂ مست، کہ احادیثِ صحاح، مرفوعہ محکمہ کے مقابل، بعض ضعیف قصّے یا محتملہ واقعہ یا متشابہ پیش کرتے ہیں، اُنھیں اتنی عقل نہیں، یا قصداً بے عقل بنتے ہیں کہ صحیح کے سامنے ضعیف، متیقّن (بالیقین اپنے معنی پر متعیّن) کے آگے محتمل (کہ شاید یہ معنی ہوں، شاید وہ مراد ہوں) مُحکَم (جس میں کوئی اشتباہ نہیں) کے حضور متشابہ (جس کی قطعی مراد، پر وقوف نہیں) واجب الترک ہے (و لہٰذا حدیثِ صحیح کے ہوتے حدیثِ ضعیف پر عمل غیر مقبول۔ جس کی مراد بالقطع والیقین معلوم اس کے سامنے محتمل پر حمل، غیر معتبر۔ یونہیں محکم کی موجودگی میں متشابہ کو سند بنانا، غیر مستند۔ لازم ہے کہ ان پر عمل نہ کیا جائے) پھر کہاں قول، کہاں حکایتِ فعل۔ پھر کجا مُحرِم (وہ دلیل جس سے کسی فعل کی حرمت ثابت ہو) کجا مُبیح (کہ جواز و اباحت کا نتیجہ لاتا ہے) ہر طرح یہی واجب العمل۔ اسی کو ترجیح۔ (یہی سند، یہی قابل استناد) مگر ہوس پرستوں کا علاج کس کے پاس ہے۔ کاش گناہ کرتے اور گناہ جانتے۔ اقرار لاتے۔ یہ ڈھٹائی اور بھی سخت ہے کہ ہوس بھی پالیں اور الزام بھی ٹالیں۔ اپنے لیے حرام کو حلال بنالیں۔

پھر اسی پر بس نہیں، بلکہ معاذاللہ، اس کی تہمت محبوبانِ خدا، اکابرِ سلسلۂ عالیہ چشت قدست اسرارہم کے سر دھرتے ہیں۔ نہ خدا سے خوف، نہ بندوں سے شرم کرتے ہیں۔ حالانکہ خود محبوبِ الٰہی سیدی ومولائی نظام الحق والدین، سلطان الاولیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعنہم وعنا بھم، فوائد الفواد شریف میں فرماتے ہیں۔ مزامیر حرام ست۔

مولانا فخر الدین زرادی، خلیفۂ حضور سیدنا محبوب الٰہی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضور کے زمانۂ مبارکہ میں، خود حضور کے حکمِ احکم سے مسئلہ سماع میں رسالہ کشف القناع عن اصول السماع تحریر فرمایا۔ اُس میں صاف ارشاد فرمایا کہ " اما سماع مشائخنا رضی اللہ تعالیٰ عنہم فبریٔ عن ھذہ التہمۃ وھو مجرد صوت القوال مع الاشعار المشعرۃ من کمال صنعۃ اللہ تعالیٰ۔" ہمارے مشائخ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا سماع اس مزامیر کے بہتان سے بری ہے۔ وہ تو صرف قوال کی آواز ہے، اُن اشعار کے ساتھ جو کمالِ صنعتِ الٰہی سے خبر دیتے ہیں۔"

للہ انصاف! اس امام جلیل خاندان عالی چشت کا یہ ارشاد مقبول ہوگا۔ یا آج کل کے مدعیان خامکار کی تہمتِ بے بنیاد، ظاہرۃ الفساد، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

سیدی مولانا محمد مبارک بن محمد علوی کرمانی، مرید حضور پُرنور شیخ العالم فرید الحق والدین گنجشکر، خلیفۂ حضور سیدنا محبوب الٰہی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کتاب مستطاب سیر الاولیاء میں فرماتے ہیں۔" حضرت سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز می فرمود کہ چندیں چیز باید تا سماع مباح شود، مُسمِع ومُستمِع ومسموع وآلہ اسماع۔ مُسمِع یعنی گوئندہ مرد تمام باشد۔ کودک نہ باشد وعورت نہ باشد۔ ومُستمِع آنکہ می شنود، از یاد حق خالی نباشد۔ ومسموع آنچہ می گویند، فحش ومسخرگی نباشد۔ وآلہ سماع مزامیر ست۔ چوں چنگ ورُباب ومثلِ آں۔ می باید کہ درمیان نباشد۔ ایں چنیں سماع حلال ست۔"

(یعنی سماع مباح وروا ہونے کے لیے چند چیزیں ضروری ہیں۔ مُسمِع۔ مُستمِع۔ مسموع اور آلہ سماع۔ مُسمِع یعنی سنانے والا پورا مرد ہو، نوخیز لڑکا اور عورت نہ ہو۔

مُستمِعؔ یعنی سننے والا اس کے لیے ضروری ہے کہ یادِ حق سے خالی نہ ہو۔ مسموعؔ جو کلام سنایا جائے اس میں فحش ذکر قابلِ مواخذۂ شرعی ہوا اور مسخرہ پن نہ ہو۔ اور آلہ سماعؔ مزامیر ہیں مثلاً طبلہ، سارنگی، ستار وغیرہ، ان میں سے کچھ موجود نہ ہو۔ ان شرائط کو ملحوظ رکھکر سماع حلال ہے۔ محمد خلیل عفی عنہ

مسلمانو! یہ فتویٰ ہے سرور و سردار سلسلۂ عَلیّہ چشت سلطان الاولیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا۔ کیا اس کے بعد بھی مفتریوں کو مونھ دکھانے کی گنجائش ہے۔ نیز سیر الاولیاء شریف میں ہے کہ یکے بخدمت حضرت سلطان المشائخ عرضداشت کہ دریں روزہا بعضے از درویشانِ آستانہ دار، در مجمعے کہ چنگ و رباب و مزامیر بود، رقص کردند۔ فرمود نیکو نکردہ اند۔ انچہ نامشروع ست ناپسندیدہ است۔ بعد ازاں یکے گفت، چوں ایں طائفہ ازاں مقام بیروں آمدند۔ با ایشاں گفتند کہ شما چہ کردید۔ دراں مجمع مزامیر بود۔ سماع چگونہ شنیدید و رقص کردید۔ ایشاں جواب دادند کہ ما چناں مستغرقِ سماع بودیم کہ ندانستیم کہ ایں جا مزامیر ست یا نہ۔ حضرت سلطان المشائخ فرمود، ایں جواب ہم چیزے نیست۔ ایں سخن در ہمہ معصیت ہا بیاید"۔

یعنی ایک بار حضرت محبوب الٰہی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے عرض کی آجکل بعض خانقاہ دار، درویشوں نے ایسی محفل میں جہاں طبلہ سارنگی ستار وغیرہ تھے رقص کیا۔ ارشاد فرمایا۔" ان لوگوں نے یہ اچھا نہ کیا۔ جو بات شرعاً ناروا ہے وہ کسی طرح پسندیدہ نہیں "۔

کسی نے عرض کیا، جب وہ لوگ اُس محفل سے اُٹھ کر آئے تو دوسرے لوگوں نے ان سے کہا کہ تم نے یہ کیا کیا۔ وہاں تو مزامیر تھے۔ تم نے وہاں قوالی کیسے سُنی، پھر رقص بھی کیا"۔ وہ بولے ہم ایسے مستغرق تھے کہ ہمیں مزامیر کی خبر ہی نہ ہُوئی۔

حضرت شیخ المشائخ نظام الحق والدین نے فرمایا" یہ جواب تو شرعاً کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتا۔ یہ حیلہ تو تمام گناہوں کے لیے سند بنایا جا سکتا ہے۔"

محمد خلیل عفی عنہ

مسلمانو! کیسا صاف ارشاد ہے کہ مزامیر ناجائز ہے۔ اور اس عذر کا کہ ہمیں استغراق کے باعث، مزامیر کی خبر نہ ہوئی، کیسا مسکت جواب عطا فرمایا کہ ایسا حیلہ تو ہر گناہ میں چل سکتا ہے۔ شراب پئے اور کہدے شدّتِ استغراق کے باعث ہمیں خبر نہ ہوئی کہ شراب ہے یا پانی۔ زنا کرے اور کہدے، غلبۂ حال کے سبب ہمیں تمیز نہ ہوئی کہ جُرو ا (بیوی) ہے یا بیگانی۔

اللہ تعالیٰ اتباعِ شیطان سے بچائے اور اُن سچے محبوبانِ خدا کا سچّا اتباع عطا فرمائے آمین الٰہ الحق آمین بجاہھم عندک آمین والحمد للہ رب العلمین۔ کلام یہاں طویل ہے۔ اور انصاف دوست کو اسی قدر کافی واللہ الہادی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(احکام شریعت حصّہ اول ملخصاً)

سیدی و مرشدی سیّد شاہ اولادِ رسول محمد میاں قادری برکاتی مارہری قدس سرہٗ نے اسی مسئلہ سماع کی بحث میں اصح التواریخ جلد اوّل صفحہ ۱۳۷ پر تحریر فرمایا کہ" "حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی، جو اجلّہ خلفائے حضرت سلطان المشائخ اکابر مرشدانِ عالی شانِ چشت سے ہیں قدست اسرارہم، اُن کی نسبت حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی، مجموعہ مکتوبات موسومہ "المکاتیب والرسائل الیٰ ارباب الکمال والفضائل" میں ہے۔ "منتسبان سلسلۂ مخدوم شیخ نصیر الدین محمود قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ غایتِ اجتناب و احتراز از شنیدنِ مزامیر دارند۔ و ایشاں می گویند کہ شیخ فرمودند کہ ہر کہ سماعِ مزامیر کند از عقد بیعت و مریدی ما برآید"۔

حضرت مخدوم شیخ نصیر الدین محمود قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ کے سلسلہ والے، نہایت احتراز اور پرہیز، مزامیر کا گانا سننے سے رکھتے اور کہتے ہیں کہ ہمارے شیخ نے فرمایا ہے جو کوئی مزامیر کا گانا سنے گا وہ ہماری بیعت و مریدی سے نکل جائے گا"۔

نیز حضرت شیخ محقق اسی مجموعۂ مکاتیب میں فرماتے ہیں" از سید الطائفہ جنید بغدادی قدس سرہ می آرند کہ در مبادی حال سماع کردے و با اہل سماع نشستے و در آخر ترک کرد۔ گفتند چرا سماع نہ کنی و نشنوی۔ فرمود از کہ بشنوم و با کہ بشنوم"۔ اشارت کرد۔ بفقد اخوان و یاراں،

کہ از انہا می شنید و باآنہا می نشست۔ زیرا کہ سماع ایشاں از اہل بود و با اہل بود، چہ اختیار مشائخ سماع را، درجائیگہ کردہ اند بشروط و آداب بود کہ در کتب ایشاں مذکور و مسطور ست۔ وگاہ گاہے بود، نہ بر طریق استمرار و عادت۔ وچوں جنید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ترک سماع، در زمان خود، بجہت فقد اخوان و شرائط کرد، دیگر چہ تواں گفت"۔

یعنی حضرت سید الطائفہ سرگروہ سلاسل صوفیہ صافیہ حضرت سیدنا جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابتدائے حال میں سماع سنتے اور اہل سماع کے ساتھ بیٹھتے۔ آخر میں چھوڑ دیا۔ لوگوں نے عرض کیا، آپ کیوں سماع نہیں سنتے۔ حضرت نے جواب دیا، کس سے سنوں اور کس کے ساتھ سنوں۔"

شیخ محقق فرماتے ہیں کہ اس میں حضرت نے اپنے دوستان طریق، اہل سماع کے جاتے رہنے کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ جن سے آپ سماع سنتے اور جن کے ساتھ بیٹھ کر سنتے تھے۔ اس لیے کہ ان حضرات کا سماع سنانے والے بھی اہل ہوتے تھے۔ اور اہل ہی کے ساتھ بیٹھ کر ہوتا تھا۔ کہ مشائخ کرام نے جہاں بھی سماع سنا ہے۔ وہ اس کی شرطوں اور آداب ہی کے ساتھ سُنا ہے۔ جو اُن کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ اور کبھی کبھی سنا ہے نہ ہمیشہ اور عادت کے طور پر"۔

شیخ محقق فرماتے ہیں کہ جب حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہد مبارک میں (حضرت کا وصال شریف ۲۹۷ھ میں ہوا کما فی الرسالۃ القشیریۃ) سماع کے اہل لوگوں کے جاتے رہنے، اور اُس کے شرائط نہ پائے جانے کی وجہ سے چھوڑ دیا تھا تو دوسرے لوگ بعد والے کیا کہہ سکتے ہیں"۔

فقیر (محمد میاں قادری) کہتا ہے غفر اللہ تعالیٰ لہ، خصوصاً اس چودھویں صدی میں جبکہ فسق و فجور کی یہ کثرت اور زور ہے، اور خود سماع سننے اور سنانے والے، سب کی وہ حالت ہے جس کا مختصر بیان گزرا، کون عاقل ایمان دار، اس میں ایک لمحے کے لیے تامّل کر سکتا ہے۔ کہ یہ سماع قطعاً سخت اشد حرام اور یہ لوگ سماع کے قطعاً نااہل ہیں" انتہی

اور یہ فقیر قادری برکاتی عرض کرتا ہے کہ اکابر کرام کی ان تصریحات کے بعد بھی عرس زیارتِ قبور سے عوام وخواص کو روکنے کے لیے، اس سماع کو حیلہ بنانا محض ضد ونفسانیت پر مبنی ہے کہ جہال عوام کے افعال کو سند بنانا، کسی سفیہ غیر فقیہہ کا کام ہے۔ مگر وہابیہ کو اسی کا التزام ہے۔ ۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

بہر حال وہ حدیث خبر واحد ہے اور محتملِ تاویل۔ گویا تاویل بعید ہے۔ اور غلبۂ حال کا بھی احتمال موجود۔ ایسی حالت میں کسی پر اعتراض کرنا از بس دشوار ہے[۷۹]۔ مشرب فقیر کا اس امر میں یہ ہے کہ ہر سال اپنے پیر و مرشد کی روح مبارک کو ایصالِ ثواب کرتا ہوں۔ اوّل قرآن خوانی ہوتی ہے۔ اور گاہ گاہ اگر وقت میں وسعت ہوئی، تو مولود پڑھا جاتا ہے۔ پھر ما حضر کھانا کھلایا جاتا ہے۔ اور اس کا ثواب بخشدیا جاتا ہے۔ اور زوائد امور[۸۰]، فقیر کی عادت نہیں۔ نہ کبھی سماع کا اتفاق ہوا۔ نہ خالی۔ نہ باآلات۔ مگر دل سے اہلِ حال پر کبھی اعتراض نہیں کیا۔ ہاں جو محض ریاکار مدعی ہو وہ بُرا۔ مگر یقین اس کا کہ وہ ریاکار ہے۔ بلا حجتِ شرعیہ نادرست ہے۔ اس میں بھی عمل درآمد، فریقین کا یہی ہونا چاہیئے۔ جو اوپر مذکور ہوا۔ کہ جو لوگ نہ کریں، ان کو کمالِ اتباعِ سنّت کا شائق سمجھیں۔ جو کریں اُن کو اہل محبت میں سے جانیں۔ اور ایک دوسرے پر انکار نہ کریں۔ اور جو عوام کے غلو ہوں ان کا لطف و نرمی سے انسداد کریں۔

[۷۹] امام اہلسنّت امام احمد رضا خانصاحب قدس سرہ العزیز نے فرمایا کہ اگر وہ وجد صادق ہے اور حال غالب، عقل مستور اور اس عالم سے دور، تو اُس پر تو قلم ہی جاری نہیں۔ ع

"کہ سلطاں نہ گیرد خراج از خراب"۔

اور اگر بہ تکلف وجد کرتا ہے۔ تو چکے توڑے کے ساتھ حرام ہے۔ اور بغیر اس کے اگر ریا و اظہار کے لیے ہے تو جہنم کا مستحق ہے۔ اور اگر صادقین کے ساتھ تشبّہ بہ نیتِ خالصہ مقصود ہے کہ بنتے بنتے کبھی حقیقت بن جاتی ہے تو حسن و محمود ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں" من تشبّہ بقوم فھو منھم جو کسی قوم کا مشابہ بنے وہ انہیں میں سے ہے۔ انتہی بلفظہ تو بلا دلیل شرعی اُس پر زبانِ اعتراض نہ کھولنا ہی موجب خیر و صلاح ہے۔ ۱۲ محمد خلیل عفی عنہ۔

۸۰ ؎ صاف ظاہر ہوا کہ عرس اولیائے کرام کے لیے محفل سماع کا اہتمام و انصرام، نہ عرس کی حقیقت میں داخل ہے۔ نہ اس کے انعقاد کے لیے شرط و لازم۔ ہاں قرآن خوانی و فاتحہ خوانی و نعت خوانی و وعظ و ایصال ثواب و اطعامِ طعام، اور تقسیم تبرک، جیسے امور مستحسنہ کا مجموعہ ضرور ہے اور مجموعہ، امور مستحسنہ کا، مستحسن ہوتا ہے اور ان کے اجتماع سے کوئی ایسا نیا حکم پیدا نہیں ہوتا، جو احاد کے احکام کے منافی ہو، بلکہ حق یہ ہے کہ اُس کا حُسن، ہر واحد سے زیادہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ گزرا کہ جیسے بالوں کی رسّی۔ ہر بال سے زیادہ قوت رکھتی ہے۔ اور بڑی جماعت کی خبر، احاد کے ظنی رہنے کے باوجود، مفید یقین کی ہو جاتی ہے۔ اور حدیثِ ضعیف کہ متعدد طُرق سے مروی ہو حسَن ہو جاتی ہے۔ کما فی اشعۃ اللمعات وغیرھا من الاسفار۔

الغرض نفس عرس و فاتحہ کا جائز و مستحب، محبوب و مستحسَن ہونا۔ حضرات علماء کرام اہلسُنّت نے اس طرح ثابت کر دیا کہ کسی عاقل کو سوائے تسلیم کے چارہ نہیں جس کا نفیس خلاصہ، اس فقیر بے توقیر نے اس مختصر رسالہ میں کر دیا اور جس کا فیصلہ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے اپنے فیصلہ ہفت مسئلہ میں کر دیا۔ باقی رہا اعراس میں امورِ غیر شرعیہ کا کہیں کہیں جاہلوں ناواقفوں کی جانب سے پایا جانا تو اوّلاً یہ حرکات ناواقف عوام الناس کی ہیں اور عوام کالانعام مشہور۔ تو ان کے کسی فعل کو درمیان میں لاکر، عرس کے بدعت ہونے کا ایک عام حکم لگا دینا، دیانت و حق پرستی کے خلاف ہے۔ ہاں صائب الرائے جانتا ہے کہ اگر کہیں کسی وقت، کوئی غیر شرعی امر لاحق و عارض ہو جائے تو اس سے نفس شئی مستحسَن، قبیح نہیں ہو سکتی۔ ۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

چند اصولِ شرعیہ

ایصالِ ثواب وغیرہ کی مختلف صورتوں کے احکام انہیں اصول پر مبنی ہیں

۱- اعمال کا مدار نیت پر ہے - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اِنما الاعمال بالنیّاتِ - اعمال پر ثواب، آدمی کی نیّت کے مطابق مترتّب ہوتا ہے اور ہر شخص کے لیے وہ ہے جو اس نے نیّت کی - نیز ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے اموال کی طرف نظر نہیں فرماتا - وہ تمہارے دل اور تمہارے اعمال کی طرف نظر رکھتا ہے۔" (بخاری و مسلم)

۲- جو کام دینی فائدے اور دنیاوی جائز نفع سے خالی ہو وہ عبث ہے - اور عبث خود مکروہ ہے - اور اس میں مال صرف کرنا اسراف ہے اور اسراف حرام۔
قال اللہ تعالیٰ ولا تسرِفوا اِنَّ اللہ لا یحِبُّ المسرِفِین۔

۳- مسلمانوں کو نفع پہنچانا بلا شُبہ محبوبِ شارع اور مطلوبِ شرع ہے - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔" تم میں سے جس سے ہو سکے کہ اپنے بھائی مسلمان کو نفع پہنچائے تو پہنچائے - (مسلم شریف)

۴- معظمانِ دینی اور الٰہی حرمتوں، نشانیوں کی تعظیم قطعاً مطلوب ہے - قال اللہ تعالیٰ ومن یعظِّم شعائر اللہِ فانہا مِن تقوی القلوب - جو خُدا کے شعاروں کی تعظیم کرے وہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے - وقال تعالیٰ ومن یُّعظِّم حُرُمٰتِ اللہِ فذلك خیر لہ عِند ربہٖ - جو اللہ کی حرمتوں کی تعظیم کرے تو یہ اُس کے لیے بہتر ہے اس کے رب کے پاس"

۵- قبورِ اولیائے کرام و عباد اللہ الصالحین، بلکہ عام مقابرِ مومنین، ضرور مستحقِ ادب تکریم ہیں - ولہذا اُن پر بیٹھنا ممنوع - پاؤں رکھنا ممنوع - یہاں تک کہ اُن سے

تکیہ لگانا ممنوع۔ عمارہ بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بسند حسن مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک قبر پر بیٹھے دیکھا۔ فرمایا۔ او قبر والے، قبر پر سے اتر۔ نہ تو صاحب قبر کو ایذا دے۔ نہ وہ تجھے۔ (احمد و حاکم) اور ابن ماجہ نے عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "میں آگ، یا تلوار پر چلوں، یا اپنا جوتا اپنے پاؤں سے گانٹھوں (اور ہاتھ سے مدد نہ لوں) مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ کسی مسلمان کی قبر پر چلوں۔"

زیارت قبور سے متعلق چند مسائل

۱۔ قبر پر چراغ جلانا اگر اس کے حقیقی معنی مراد لیے جائیں یعنی خاص قبر پر چراغ رکھنا، تو یہ مطلقاً ممنوع ہے۔ اور اولیائے کرام کے مزارات میں، اور زیادہ ناجائز۔ کہ اس میں بے ادبی و گستاخی اور حق میت میں تصرف و دست اندازی ہے، اور اگر قبر سے جدا روشن کریں۔ اور وہاں نہ کوئی مسجد ہے۔ نہ کوئی شخص قرآن مجید کی تلاوت وغیرہ کے لیے بیٹھا ہے۔ نہ وہ قبر سرِ راہ واقع ہے۔ نہ کسی معظم ولی اللہ یا عالمِ دین کا مزار ہے۔ غرض کسی منفعت و مصلحت کی امید نہیں تو ایسا چراغ جلانا ممنوع ہے کہ جب مطلقاً فائدے سے خالی ہوا، اسراف ہوا، اور بحکم اصلِ دوم ناجائز ٹھہرا۔ خصوصاً جبکہ اس کے ساتھ یہ جاہلانہ زعم ہو کہ میت کو اس چراغ سے روشنی پہنچے گی۔ ورنہ اندھیرے میں رہے گا۔ کہ اب اسراف کے ساتھ اعتقاد بھی فاسد ہوا۔ والعیاذ باللہ۔

اور اگر وہاں[۱] مسجد ہے۔ یا تالیان[۲] قرآن (تلاوتِ قرآن کرنے والے) یا ذاکرانِ[۳] رحمٰن کے لیے روشن کریں۔ یا قبر سرِ[۴] راہ ہو اور نیت یہ کی جائے کہ گزرنے والے

دیکھیں اور اسلام و ایصالِ ثواب سے خود بھی نفع پائیں اور میّت کو بھی فائدہ پہنچائیں۔ یا مزارِ ولی یا عالمِ دین کا ہے روشنی سے نگاہِ عوام میں اس کا ادب و اجلال پیدا کرنا مقصود ہے تو ہرگز ممنوع نہیں بلکہ بحکم چار اصولِ باقیۂ مذکورہ مستحب و مندوب ہے بشرطیکہ حدِ افراط پر نہ ہو۔

امام عارف باللہ سیدی عبد الغنی نابلسی قدسنا اللہ بسرّہ القدسی، حدیقۂ ندیہ، شرحِ طریقۂ محمدیہ میں فرماتے ہیں کہ " قبور میں شمعیں روشن کرنے کی ممانعت صرف اُس حالت میں ہے کہ نفع سے بالکل خالی ہو۔ ورنہ اگر موضع قبور میں مسجد ہو (کہ روشنی سے نمازی کو آرام ملے گا اور مسجد میں بھی روشنی ہوگی) یا قبر سرِ راہ ہے (کہ روشنی سے راہگیروں کو بھی نفع پہنچے گا اور اموات کو بھی۔ کہ قبرِ مسلم دیکھ کر سلام کریں گے فاتحہ پڑھیں گے۔ دُعا کریں گے۔ ثواب پہنچائیں گے۔ گزرنے والوں کی قوت زائد ہے تو اموات برکت لیں گے۔ میت کی قوت زیادہ ہے تو گزرنے والے فیض حاصل کریں گے۔) یا وہاں کوئی بیٹھا ہے (کہ زیارت یا ایصالِ ثواب، یا افادہ، یا استفادہ، کے لیے آیا ہے روشنی سے اُسے آرام ملے گا۔ قرآنِ عظیم دیکھ کر پڑھنا چاہے تو پڑھ سکے گا) یا مزار کسی ولی اللہ، یا محقق عالمِ دین کا ہے۔ وہاں ان کی روحِ مبارک کی تعظیم کے لیے روشنی کریں، جو اپنے بدن کی مٹی پر ایسی تجلّی ڈال رہی ہے جیسے آفتاب زمین پر۔ تاکہ اس روشنی سے لوگ جانیں کہ یہ ولی کا مزار پاک ہے تو اس سے تبرک کریں۔ اور وہاں اللہ عزوجلّ سے دُعا مانگیں کہ اُن کی دُعا قبول ہو، تو یہ جائز امر ہے۔ اس سے اصلا ممانعت نہیں اور اعمال کا مدار نیّتوں پر ہے۔ انتہی

۲۔ عود لوبان وغیرہ سُلگانا۔ کوئی چیز نفسِ قبر پر رکھ کر جلانے سے احتراز کرنا چاہیے۔ اگرچہ کسی برتن میں ہو۔ اس لیے کہ قبر کے اوپر سے دھواں اُٹھنے میں بدفالی ہے۔ اللہ کی پناہ۔ اور قبر کے قریب سُلگانا، اگر کسی تلاوت کنندہ، یا ذاکر یا زائر، حاضر خواہ عنقریب آنے والے کے واسطے نہ ہو، بلکہ یوں کہ صرف قبر کے لیے جلا کر،

چلا آئے تو ظاہر منع ہے کہ اسراف و اضاعت (بربادی) مال ہے۔ میّتِ صالح و نکوکار اُس غرفے (کھڑکی) کے سبب، جو اس کی قبر میں، جنّت سے کھولا جاتا ہے اور بہشتی نسیمیں (نرم ہوائیں) بہشتی پھولوں کی خوشبوئیں لاتی ہیں، دنیا کے اگر عود ولوبان سے غنی و بے نیاز ہے۔ اور معاذ اللہ جو دوسری حالت میں ہو، اُسے اس سے انتفاع نہیں۔ تو جب تک سندِ مقبول سے نفع معقول نہ ثابت ہے، سبیل احتراز واجتناب اور پرہیز ہے۔ اور اس پر قیاس نہ ہوگا کہ قبروں پر گلاب اور پھول رکھنا متعدد کتابوں کی تصریح سے مستحب ہے۔ اس لیے کہ وہاں علماء نے علت یہ بیان کی ہے کہ پھول جب تک تر رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں تو اس سے میت کا دل بہلتا ہے۔ خوشبو اس کی وجہ نہ بتائی۔

اور اگر موجودین یا آنے والے زائرین کے لیے خصوصاً وقتِ فاتحہ خوانی، یا تلاوتِ قرآنِ عظیم و ذکرِ الٰہی سُلگائیں تو بہتر و مستحب ہے۔ اور قدیم سے آج تک اُس سے تلاوت و ذکر کی تعظیم اور مجلسِ مسلمانان کا اُس سے خوشبو کرنا معہود و معمول ہے۔ جو اسے فسق و بدعت بتائے، محض جاہلانہ جرات کرتا، یا وہابیت کے اصول مردودہ پر مرتا ہے۔ بہرحال یہ شرعِ مطہر پر افتراء ہے۔ اس کا جواب انہیں دو آیتوں کا پڑھنا ہے کہ ھاتوا برھانکم ان کنتم صٰدقین (تم کہو لاؤ اپنی دلیل اگر سچے ہو) قل آللّٰہُ اَذِنَ لکم ام علی اللہ تفترون (تم کہو کیا اللہ نے تمہیں یہ اذن دیا یا اللہ پر بہتان دھرتے ہو۔

۳۔ تربتِ اولیائے کرام پر غلاف ڈالنا۔

مذکورہ بالا انہیں اصول سے مزاراتِ اولیائے کرام پر چادر ڈالنے کا بھی جواز ثابت ہوا کہ اس سے نگاہِ عوام میں تعظیم اولیاء پیدا کرنا مقصود ہے کہ صاحب مزار کی تحقیر نہ کریں۔ اور اس لیے کہ اہل غفلت جب زیارت کو آئیں تو اُن کے دل جھکیں اور ادب کریں کہ ویسے وہ زیارت میں اولیائے کرام کا ادب نہیں کرتے۔ حالانکہ ان کی روحِ مبارک،

ان کے مزارات کے پاس حاضر ہے تو اس غرض سے مزارات پر غلاف ڈالنا جائز ہے۔ اس سے ممانعت نہ چاہیئے کہ اعمال کا مدار نیت پر ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ عوام میں قبور مسلمین کی حرمت باقی نہ رہی۔ قبروں کے ساتھ عوام کیا کچھ نہیں کرتے۔ پاؤں رکھ کر اُن پر چلیں۔ باتیں وہ بیٹھ کر ان پر مٹکائیں۔ واہیات باتوں میں ان پر جم کر وقت وہ گنوائیں۔ ناپاک جوتے پہنے، قبور مسلمین پر دوڑتے وہ پھریں۔ اور جو زیادہ ڈھیٹ اور گستاخ و بے باک ہیں، وہ چوسر و شطرنج اور تاش و جوا اُن پر بیٹھکر کھیلیں۔ کبھی اُن کے دل میں یہ خیال نہیں آتا کہ یہ کسی عزیز کی، خاک عزیز، زیر پا ہے۔ یا کبھی ہمیں بھی یوہیں خاک میں سونا ہے۔ اور بارہا دیکھا کہ جہاں قبروں پر بیٹھ کر جوا کھیلتے، فحش بکتے، قہقہے لگاتے ہیں، وہاں بعض کی یہ جرأت کہ معاذ اللہ، مسلمانوں کی قبر پر پیشاب کرنے میں باک نہیں رکھتے۔ انا لِلّٰہِ و انا الیہ راجعون۔ لہذا دردمندانِ دین نے اِدھر مزاراتِ اولیائے کرام کو ان ناحفاظتیوں اور ان جرأتوں سے محفوظ رکھنے، اور اُدھر جاہلوں کو ان کے ساتھ گستاخی کی آفتِ عظیم سے بچانے کے لیے مصلحت و حاجتِ شرعیہ یہ سمجھی کہ اولیائے کرام کے مزاراتِ طیبہ، عام قبور سے ممتاز رہیں۔ تاکہ عوام کی نظر میں ہیبت و عظمت پیدا ہو۔ اور بیباکانہ برتاؤ کر کے ہلاک میں پڑنے سے باز رہیں۔ لہذا پہچان کے لیے غلاف درکار ہوئے۔

اس سے کم حاجت کے باعث علماء نے مصحف شریف کو سونے وغیرہ سے مزیّن کرنا، مستحسن سمجھا ہے کہ ظاہر بین اسی ظاہری زینت سے جھکتے ہیں۔ اور غور کیجیے تو پوششِ کعبہ معظمہ میں بھی ایک بڑی حکمت یہی ہے۔ تو یہاں کہ نہ فقط قلتِ تعظیم، بلکہ معاذ اللہ ان شدید بے حرمتیوں کا اندیشہ تھا۔ چادر ڈالنے، روشنی کرنے، امتیاز دینے، اور قلوب عوام میں وقعت لانے کی سخت حاجت ہوئی۔ اب اس سے منع کرنے والے یا تو سخت کج فہم و جاہل اور حالتِ زمانہ سے نرے غافل ہیں۔ یا وہی بے ادب محروم جن کے قلوب میں عظمتِ اولیاء سے خار اور تعظیم معظمانِ دینی سے بخار ہے۔ والعیاذ باللہ آخر نہ دیکھا کہ بہت چیزوں کا حکم، زمانہ اور مکان کے بدلنے سے بدل جاتا ہے۔ اسی قبیل

سے ہے مسجدوں کے کنگرے اور برج بنانا، کہ زمانۂ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم و خلفائے راشدین میں نہ تھے۔ بلکہ حدیث میں تو اس کی ممانعت آئی۔ منڈی بنانے کا حکم ہوا کہ فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم "مسجدیں بناؤ اور انھیں بے کنگرہ رکھو (بیہقی وغیرہ) مگر تغیّر زمانہ سے جبکہ قلوبِ عوام، تعظیم باطن پر تنبّہ کے لیے تعظیم ظاہر کے محتاج ہو گئے تو اس قسم کے امور کو علماء و عامۂ مسلمین نے مستحسن رکھا۔ یونہیں مساجد کی آرائش ان کی دیواروں پر سونے چاندی کے نقش ونگار۔ کہ صدرِ اول میں نہ تھے۔ مگر اب ظاہری تزک واحتشام ہی قلوبِ عامہ پر اثر تعظیم پیدا کرتا ہے۔ لہٰذا ائمہ دین نے حکم جواز دیا۔

مزارات اولیاء اللہ پر حاضر ہو کر سلام عرض کرنا، فاتحہ پڑھنا، ان پر چادریں چڑھانا، غلاف ڈالنا، ان امور میں سے ہیں جنہیں ساداتِ صلحاء و اکابر علماء، بلانکیر، بلکہ ہجوم کثیرہ کے ساتھ، جمّ غفیر عامہ مسلمین کے مجمع میں، شرقاً غرباً کرتے چلے آئے ہیں تو ہرگز ہرگز نہ یہ گناہ و بدعت ہے اور نہ ہرگز ہرگز گمراہی و ضلالت۔

اور چادروں کے سبز و سرخ ہونے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ بلکہ ریشمی ہونا بھی روا کہ وہ عبث نہیں۔ البتہ باجے ناجائز ہیں۔ اور جب چادر موجود ہو اور وہ ہنوز پرانی، یا خراب نہ ہوئی ہو کہ بدلنے کی حاجت ہو تو بیکار چادر چڑھانا فضول ہے۔ بلکہ جو دام اس پر صرف کریں، ولی اللہ کی روح مبارک کو ایصالِ ثواب کے لیے محتاج کو دیدیں۔ ہاں جہاں معمول ہو کہ چڑھائی ہوئی چادر، جب حاجت سے زیادہ ہو، خدام و مساکین و حاجت مند لے لیتے ہیں اور اسی نیت سے ڈالے تو مضائقہ نہیں کہ یہ تصدق بھی ہو گیا۔ ہاں چادر چڑھانے کے لیے بعض لوگ تاشے باجے کے ساتھ جاتے ہیں، یہ ناجائز ہے۔

۴۔ پھولوں کی چادر قبور پر ڈالنا

اس میں بھی کوئی حرج نہیں بلکہ نیت حسن سے حسن ہے۔ جیسے بالائے کفن ڈالنا، کہ وہ جب تک تر ہیں تسبیح کرتے ہیں، اس سے میت کا دل بہلتا ہے اور رحمت اترتی ہے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں پر گزرے، فرمایا کہ "ان دونوں میتوں کو عذاب ہو رہا ہے اور کسی بڑی بات میں عذاب نہیں ہے، بلکہ ان میں کا ایک چغل خور تھا اور دوسرا پیشاب سے بچتا نہیں تھا۔" اس کے بعد کھجور کی ایک تر شاخ کے دو ٹکڑے کیے اور ایک ایک ٹکڑا دونوں قبروں پر نصب فرمایا اور یہ فرمایا اِنّی لَاَرْجُو اَنْ یُّخَفَّفَ عَنْھُمَا مَالَمْ یَیْبَسَا۔ مجھے امید ہے کہ جب تک یہ خشک نہ ہوں، ان پر عذاب میں تخفیف ہوگی، اسی حدیث کی وجہ سے بعض ائمہ متاخرین نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ پھولوں اور تر شاخوں کو قبروں پر رکھنے کی جو عادت ہے وہ سُنّت ہے۔" اسی لیے علمائے کرام نے فرمایا کہ قبروں پر سے سبزہ اور تر گھاس کا کاٹنا مکروہ ہے۔ (ردالمحتار) اور وجہ اس کی وہی کہ جب تک وہ تر رہے گی تسبیح کرے گی جس سے میت کو اُنس حاصل ہوگا۔ اس لیے کہ تر کی تسبیح، خشک کی تسبیح سے بڑھ کر ہے۔ کہ تر میں ایک قسم کی حیات ہے۔

۵۔ اولیائے کرام کے مزارات پر سفر کر کے جانا۔

اولیاء کرام کہ محبوبانِ خدا اور آیۂ رحمت ہیں، وہ اپنا نام لینے والے کو اپنا کر لیتے اور اس پر نظر رحمت رکھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ان کا رب عزّوجلّ فرماتا ہے:

ھُمُ الْقَوْمُ لَا یَشْقٰی بِھِمْ جَلِیْسُھُمْ وہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بھی بدبخت و نامراد نہیں رہتا۔" تو دُور و نزدیک سے سفر کر کے، خاص ان کے مزاراتِ طیبہ پر حاضری کی نیّت سے، ان مقاماتِ مقدّسہ پر حاضر ہونا، سمجھ میں نہیں آتا کہ منکرین، کیوں اسے ناجائز و ناروا اور بدعتِ سیّئہ ٹھہراتے ہیں۔ آخر نہ دیکھا کہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین ہر سال کے سرے پر شہدائے اُحد کی قبور پر تشریف لے جاتے اور سَلَامٌ عَلَیْکُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَی الدَّارِ۔ فرماتے (سلامتی ہو تم پر اُس کے بدلے کہ تم نے صبر کیا۔ پس کیا اچھّا ہے عاقبت کا گھر۔)

تو اس امرِ خیر یعنی مزاراتِ طیبہ پر حاضری کی طرف، خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت و ہدایت فرمائی اور مزاراتِ شہدائے کرام پر ہر سال تشریف لے جاکر اُس کی بنیاد رکھی۔ اس کے بعد اور کس موجد کی ضرورت ہے۔ یہ مبحث بالتفصیل گذر چکا۔

اولیائے کرام کے مشاہد و مقابر و مزاراتِ طیبہ کی طرف سفر کرنے کو ناجائز قرار دینے والے، آنکھ میچ کر، حدیث شریف لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی ثَلٰثَۃِ مَسَاجِدَ اَلْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی وَمَسْجِدِیْ ھٰذَا (بخاری و مسلم) یعنی کجاوے نہ کسے جائیں مگر تین مسجدوں کی طرف۔ مسجدِ حرام۔ مسجدِ اقصٰی اور یہ میری مسجد طیبہ"۔ کو اپنے دعویٰ پر بطور دلیل پیش کر دیتے ہیں۔ اور بحمد اللہ تعالیٰ اس حدیث شریف میں اُس کے دعویٰ کے ثبوت کی بو بھی نہیں۔ کہ حدیث مبارکہ کے الفاظِ کریمہ، ببانگ دُہل بہ اعلان فرما رہے ہیں کہ مساجدِ ثلٰثہ کے علاوہ، دنیا کی کسی اور مسجد کی طرف، فزونی و کثرتِ ثواب کی نیّت سے سفر کرنا نہ چاہیئے۔ وجہ اس کی ظاہر کہ ان تین مسجدوں میں ادائیگی نماز کا ثواب بے شک فزوں و متضاعف ہے۔ اس لیے کہ ان تینوں مسجدوں کو، ساری دنیا کی مسجدوں پر فضیلت حاصل ہے جبکہ دوسری مسجدیں، درجہ میں متساوی ہیں۔ کسی مسجد کو کسی دوسری مسجد پر، کثرتِ ثواب کی حیثیت سے کوئی فضیلت نہیں۔ اور باعتبار فضیلت، ان میں باہم کوئی تفاوت نہیں۔ تو ان کی جانب محض زیارتِ ثواب کے حصول کی نیّت سے سفر کرنا، خواہ مخواہ اپنے آپ کو تعب و مشقت میں ڈالنا ہے۔ حاشیہ مشکوٰۃ میں اسی حدیث شریف کے تحت ارشاد فرمایا کہ بعض علماء نے اس حدیث کو بنیاد بنا کر مشاہد قبورِ علماء و صالحین کی جانب سفر سے ممانعت کی ہے۔ حالانکہ بات ایسی نہیں۔ زیارتِ قبور کا حکم تو خود حدیث شریف میں آیا ہے۔ لہٰذا اس حدیث میں ممانعت اس بات کی ہے کہ ان تین مسجدوں کے علاوہ، کسی شہر کی کسی مسجد میں پہنچ کر نماز پڑھنے کی نیّت سے سفر کرنے کی ممانعت ہے۔ کہ ساری مسجدیں، اُن تین مسجدوں کے علاوہ، یکساں

اور متماثل ہیں۔ جبکہ اولیاء وصالحین وعلمائے کاملین باہم متساوی نہیں۔ بلکہ ان کی زیارت کی برکات، عنداللہ اُن کے مراتبِ رفیعہ کے مطابق ہیں۔ پھر کیا اس حدیث شریف کی بنیاد پر انبیائے کرام ومرسلین عظام کے مزاراتِ طیبہ پر حاضری پر بھی یہی حکم دیا جائیگا۔ یہ حکم تو منکرین بھی نہیں لگا سکتے۔ اور جب یہ جائز ہے تو اس کے جواز میں کیا قباحت ہے۔ انتہی۔

الغرض مقابر ومشاہد ومزارات اولیائے کرام کی زیارت کے لیے سفر کرنا، موجبِ خیر وبرکت، اور عنداللہ جائز ومشروع ومستحب ہے۔ حدیث بالا کی نہی کے تحت داخل نہیں اور وہابیہ کا اس پر اعتراض، وہ ان کی جبلت کے عین مطابق ہے۔ ۱۲

وہابیہ کے مورثِ اعلیٰ ابن تیمیہؒ

نے یہ ظلم کیا کہ کھُلے الفاظ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ انور کی زیارت کے قصد ونیت سے سفر کو گناہ ومعصیت ٹھہرا کر، امتِ مسلمہ میں نیا فتنہ کھڑا کر دیا۔ نتیجۃً اسے شعبان ۷۲۶ھ میں دمشق کے قلعہ میں قید کر دیا گیا۔ اور قید ہی کی حالت میں ۲۰ ذی قعدہ ۷۲۸ھ کو اس دُنیا سے سدھارا۔ اس کی نسبت خاتم المحدثین علامہ شیخ احمد شہاب الدین بن حجر ہیثمی مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فتاویٰ حدیثیہ میں بہت کچھ تحریر فرمایا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ابن تیمیہ ایک بندہ ہے جسے خدا نے رُسوا کیا۔ گمراہ کیا۔ اندھا کیا۔ بہرا کیا اور ذلیل کیا۔ ائمہ دین نے اس کی تصریح کی۔ اس کے بارے میں یہ اعتقاد رکھنا چاہیئے کہ وہ بدعتی گمراہ، گمراہ کن، اور غالی قسم کا جاہل ہے۔ اللہ اس کے ساتھ اپنے عدل سے معاملہ کرے اور ہمیں اُس جیسے اور دوسروں کے عقیدے، طریقے اور عمل سے بچائے۔ آمین"۔

وہابیہ ان مسائل میں اُسی کے خوشہ چین اور اُسی کے ریزہ خوار ہیں۔ جو اُس نے اُگلا۔ ان لوگوں نے اُسے تبرک بطور نگلا۔ مسلمانوں اور سُنی مسلمانوں کے عقیدوں کو اُس اُوبیش سے ملوث کرنے کے لیے کہیں آنکھوں دیکھے، اور کہیں پس پردہ، اُن کے دلوں میں بسی ہُوئی بازبانوں پہ آجاتی ہے۔ مسلمان ہوشیار رہیں۔ ہرگز ہرگز اُس نام سے دھوکا نہ کھائیں۔ جو اُس کا نام، یا اس کی کتاب و تحریر کا حوالہ دے، ہرگز اُس کی بات پہ کان نہ لگائیں۔ خبردار خبردار ہوشیار ہوشیار۔ احتیاط، احتیاط۔ اسی میں مسلمانوں کا بھلا ہے۔ وما علینا الا البلاغ۔

۶۔ مزاراتِ طیبہ کے قریب مسجد بنانا

اولیائے کرام کی ارواحِ مقدسہ اپنے مزاراتِ طیبہ کے پاس تشریف فرما رہتی اور حاضرین کو اپنے فیضان سے نوازتی ہیں۔ اس لیے کنارِ قبر میں مسجد بنانا ہرگز ممنوع نہیں۔ بلکہ مزارِ بندۂ صالح سے تبرک مقصود ہو تو محمود ہے۔ مجمع بحار الانوار میں ہے کہ "جو کسی نیک بندے کے قرب مزار میں مسجد بنائے۔ یا مقبرہ میں اس ارادہ سے نماز پڑھے کہ میّت کی روح سے استمداد کرے۔ (اُس کے فیضان سے اپنا دامنِ مراد بھرے) یا اپنی عبادت کا اثرِ برکات اُس تک پہنچانا چاہے۔ (یعنی جبکہ اس کی قوت، اموات سے زائد ہے) نہ یہ کہ نماز میں اس کی طرف مونہ کرے۔ نہ نماز سے اس کی تعظیم کا قصد رکھے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔ کیا نہیں دیکھتے کہ اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مزار مبارک خود مسجد الحرام شریف میں حطیم مبارک میں ہے۔ پھر اس میں نماز تمام مساجد سے افضل ہے۔" اور خود قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا۔ (اصحاب کہف کی وفات کے بعد اُن کے گرد عمارت بنانے میں) وہ لوگ جو اس کام میں غالب رہے تھے (یعنی بیدروس بادشاہ اور اُس کے ساتھی) بولے قسم ہے ہم تو ان پر مسجد بنائیں گے (جس میں مسلمان نماز پڑھیں اور ان کے قرب سے برکت حاصل کریں۔ مدارک) اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کے مزارات کے قریب، مسجدیں بنانا،

اہل ایمان کا قدیم طریقہ ہے۔ اور قرآن کریم میں اس کا ذکر فرمانا، اور اس سے منع نہ کرنا، اس فعل کے درست ہونے کی قوی ترین دلیل ہے۔

۷۔ اولیاء وصلحاء کے لیے منت ماننا

یاد رکھنا چاہیئے کہ غیر خدا کے لیے نذرِ فقہی کی ممانعت ہے۔ اولیائے کرام کے لیے ان کی حیاتِ ظاہری، خواہ باطنی میں جو نذریں کہی جاتی ہیں یہ نذرِ فقہی نہیں۔ عام محاورہ ہے کہ اکابر کے حضور جو ہدیہ پیش کریں اُسے نذر کہتے ہیں۔ بادشاہ نے دربار کیا اُسے نذریں گزریں، اسی محاورہ میں ہے۔ شاہ رفیع الدین صاحب برادر مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدثِ دہلوی رسالہ نذور میں لکھتے ہیں۔ "نذر یکہ اینجا مستعمل می شود نہ بر معنی شرعی ست۔ چہ عرف آنست کہ انچہ پیشِ بزرگان می برند، نذر و نیاز می نامند۔"

امام اجل سیدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی حدیقہ ندیہ میں فرماتے ہیں

"ومن ھذا القبیل زیارۃ القبور والتبرک بضرائح الاولیاء والصالحین والنذر لھم، بتعلیق ذلک علی حصول شفاءٍ وقدوم غائب۔ فانہ مجاز عن الصدقۃ علی الخادمین بقبورھم کما قال الفقہاء فیمن دفع الزکٰوۃ بفقیرٍ وسماھا قرضاً، صحّ لان العبرۃ بالمعنی لا باللفظ۔"

یعنی اسی قبیل سے ہے زیارتِ قبور، اور مزاراتِ اولیاء وصلحا سے برکت لینا۔ اور بیمار کی شفا، یا مسافر کے آنے پر، اولیائے گزشتہ کے لیے منت ماننا۔ کہ وہ اُن کے خادمانِ قبور پر تصدق سے مجاز ہے (کہ اگرچہ نام ہے نذر و منت کا، مگر اس سے مراد اُن کی معنی مجازی ہیں۔ یعنی خدامِ درگاہ پر تصدق) جیسے فقہاء نے فرمایا ہے کہ فقیر کو زکوٰۃ دے (دل میں یہی نیت رکھے) اور زبان سے قرض کا نام لے تو صحیح ہو جائے گی کہ اعتبار معنی مراد کا ہے نہ کہ لفظ کا۔"

ظاہر ہے کہ یہ نذرِ فقہی ہوتی تو احیاء (زندوں) کے لیے بھی نہ ہو سکتی۔ حالانکہ دونوں حالتوں میں یہ عرف و عمل، قدیم سے اکابرِ دین میں معمول و مقبول ہے۔

بہجۃ الاسرار شریف میں محدثانہ اسانید صحیحہ معتبرہ سے اس باب میں نفیس اقوال اور کرامات واحوال منقول ۔ جن سے ثابت کہ حضرات اولیائے کاملین کی زیارت کے لیے دوسرے اولیاء و علماء اور عامۃ المسلمین ، حاضر آتے تو اُن کی خدمات میں نذریں لاتے ۔ بلکہ واقعات سے آپ نے ثابت کیا کہ حضور پُر نور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نذریں قبول فرماتے اور اُن میں سے بذاتِ اقدس بھی تناول فرماتے ۔ اگر یہ نذر فقہی ہوتی تو حضور کہ اجلّہ ، سادات عظام سے ہیں ۔ اس سے تناول فرمانا کیوں کر ممکن تھا ۔ اور یہیں سے ظاہر ہو گیا کہ نذر اولیاء کو ما اُہل بہ لغیر اللہ میں داخل کرنا باطل ہے ۔ ایسا ہوتا تو ائمہ دین کیونکر اُسے قبول فرماتے اور کھاتے کھلاتے ۔ ۱۲

انتباہ ضروری

مسجد میں چراغ جلانے ، یا طاق بھرنے ، یا کسی بزرگ کے مزار پر چادر چڑھانے ، یا گیارہویں کی نیاز دلانے ، یا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا توشہ یا شاہ عبدالحق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا توشہ کرنے ، یا حضرت جلال بخاری کا کونڈا بھرنے ، یا محرم کی نیاز یا شربت یا سبیل لگانے ، یا میلاد کرنے کی منت مانی ، جیسا کہ عموماً عورتوں میں مروّج و معمول ہے ، یہ منت ، شرعی منت یا نذر فقہی نہیں ۔ نہ ایسی منتوں کا خصوصاً اُسی صورت معینہ میں پورا کرنا لازم وواجب ۔ مگر یہ کام بذاتِ خود ممنوع بھی نہیں ۔ کرے تو اچھا ہے ۔ بلکہ اسی میں بہتری و بھلائی ۔ مبادا کہ کوئی حالتِ مکروہہ ناپسندیدہ بقضائے الٰہی در پیش آجائے اور لوگ کہیں کہ فلاں کام ہم نے نہیں کیا ، اس لیے یہ سزا پائی اور یہ صورت ناپسندیدہ سامنے آئی ۔ حالانکہ سب کچھ بتقدیر الٰہی ہوتا ہے اور ہوتا رہے گا ۔

ہاں البتہ اس کا خیال رکھیں کہ کوئی بات، خلاف شرع اُس کے ساتھ نہ ملائیں۔ مثلاً طاق بھرنے میں رَت جگا ہوتا ہے جس میں کنبہ کی اور رشتہ دار عورتیں جمع ہو کر ڈھول پیٹتی، ھاو ہو کی محفل جماتی اور گاتی بجاتی ہیں کہ یہ حرام ہے۔ یا چادر چڑھانے کے لیے بعض لوگ تاشے باجے کے ساتھ جاتے ہیں یہ بھی ناجائز ہے۔ یا مسجد میں چراغ جلانے میں بعض لوگ آٹے کا چراغ جلاتے ہیں۔ یہ خواہ مخواہ مال ضائع کرنا ہے۔ اور ناجائز ہے۔ مٹی کا چراغ کافی ہے۔ اور گھی کی بھی ضرورت نہیں۔ مقصود روشنی ہے۔ وہ تیل سے حاصل۔ یونہیں میلاد شریف میں عورتیں باواز بلند نعت خوانی کرتی ہیں اور اُن کی آوازیں، گھر سے باہر غیروں کے کانوں میں پڑتی ہیں۔ اس کی بھی مناسب طریقے پر روک تھام کی جائے۔ الغرض ان جائز کاموں میں، ناجائز کاموں کو خلط ملط کر کے انہیں ناپسندیدہ و ناجائز امور کا ملغوبہ نہ بنائیں کہ بجائے ثواب، اُلٹے گناہ میں ملوث ہو جائیں۔ (بہار شریعت وغیرہ)

۸۔ مزاراتِ اولیائے کرام پر عمارات کی بناو تعمیر

علماء وسادات کی قبور پر قبہ وغیرہ بنانا بھی اسی قبیل سے ہے کہ یہ دلیل ونشان تعظیم ہے۔ اور اہلِ اللہ کی تعظیم، دلیل ایمان و موجب رضائے رحمٰن ہے جیساکہ اوپر گذرا۔ نظیر اس کی مسجدوں کی عالی شان عمارتیں بنانا اور اُن کی زیبائش و آرائش ہے۔ حالانکہ احادیث سے مستنبط کہ مسجدوں کی آرائش مکروہ ہے کہ نمازی کا خیال بٹے گا۔ یا اس لیے کہ مال بیجا خرچ ہوگا۔ یونہیں مساجد کے لیے کنگرے بنانا کہ مساجد کے امتیاز اور دور سے ان پر اطلاع کا سبب ہیں اگرچہ صدر اوّل میں نہ تھے۔ مگر لوگوں میں جیسے جیسے نئی نئی باتیں پیدا ہوتی گئیں ویسے ہی ان کے لیے فتوے نئے ہوئے۔ کہ اب مسلمانوں کافروں، سب نے اپنے گھروں کی گچ کاری اور آرائش اور بلند سے بلند تر تعمیریں شروع کر دیں، اگر ہم اُن بلند بلند عمارتوں کے درمیان، جو مسلمین تو مسلمین کافروں کی بھی ہوں گی۔ کچّی اینٹ اور نیچی دیواروں کی مسجدیں بنائیں، یا انہیں مُنڈی بنائیں،

ان میں کنگرے نہ رکھیں، یا اونچے مینار نہ اُٹھائیں تو غیر مسلموں کی نظروں میں خصوصاً ان کی بے وقعتی ہوگی۔ اور مسجدوں کی بے وقعتی، اسلام و مسلمین کی بے وقعتی، بے قدری کے مترادف ہے اور یہ شرع مطہرہ کو ہرگز پسند نہیں۔"

مزاراتِ اولیاکرام و علمائے عظام قدست اسرارہم پر عمارات کی بناو تعمیر حالانکہ حدیث صحیح میں صراحتاً اس کی ممانعت ارشاد ہوئی، مگر اسی دلیلِ تعظیم اور نشانِ ادب کے پیش نظر سلفاً و خلفاً ائمہ کرام و علمائے اعلام نے جائز رکھی اور اب بلا نکیر مسلمانوں میں رائج ہے اور "ما راٰہُ المسلمون حسَنًا فھو عند اللہ حسَن" میں داخل مجمع بحار الانوار جلد ثالث میں ہے۔ قد اباح السلفُ البناءَ علی قبور الفضلاء الاولیاء والعلماءِ لِیزُورَھم النّاسُ وَیستریحُون فیہِ۔ یعنی بے شک ائمہ سلفِ صالحین نے اہلِ فضل اولیاء و علماء کے مزارات پر عمارات بنانا مباح فرمادیا۔ کہ لوگ ان کی زیارت کریں۔ اور اس میں راحت پائیں۔ جواہر اغلاطی میں ہے ھُوَ وان کانَ احداثا فھو بدعۃ حسنۃ وکم من شیءٍ کان احداثا وھو بدعۃ حَسَنَۃ وکم من شیءٍ یختلف باختلاف الزّمانِ والمکانِ۔ یعنی یہ اگرچہ نو پیدا ہے پھر بھی بدعتِ حسنہ ہے اور بہت سی چیزیں ہیں کہ نئی پیدا ہوئیں اور ہیں اچھی بدعت۔ اور بہت احکام ہیں کہ زمانہ یا مقام کی تبدیلی سے بدل جاتے ہیں۔" یعنی ایسی جگہ احکامِ سابقہ سے سند لانا حماقت ہے۔ جو حاجت اب واقع ہوئی، اگر زمانۂ سلف میں واقع ہوتی تو وہ بھی یہی حکم کرتے جو ہم کرتے ہیں اس وقت۔ جیسے ام المومنین صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملاحظہ فرماتے، جو باتیں عورتوں نے اب نکالی ہیں تو انہیں مسجدوں سے منع فرمادیتے۔ جیسے بنی اسرائیل کی عورتیں منع کی گئیں۔" اور آخر ائمہ دین نے عورتوں کو مسجدوں سے منع فرما ہی دیا۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ اللہ کی باندیوں کو، مسجدوں سے منع نہ کرو (مسلم) کیا ائمہ دین نے نظر بہ حالِ زمانہ، جو حکم فرمایا، اُسے حدیث کی مخالفت کہا جائے گا۔

حاشَ للہ ایسا نہ کہے گا۔ مگر احمق کم فہم۔ کج رائے کج رو۔

یونہیں یہ تازہ تعظیموں کے احکام ہیں۔ سلف صالح کے قلوب تعظیم شعائر اللہ سے مملو ولبریز تھے۔ ظاہری تزک و احتشام کے محتاج نہ تھے۔ تو اُن کے وقت میں یہ باتیں عبث و بے فائدہ تھیں۔ اور ہر عبث مکروہ۔ اور اس میں مال صرف کرنا ممنوع۔ اب کہ بے تزک و احتشامِ ظاہری قلوب عوام میں وقعت نہیں آتی۔ ان باتوں کی حاجت ہوئی۔ مصحف شریف پر سونا چڑھانے کی اجازت ہوئی۔ مسجدوں میں سونے کے کلس، سونے چاندی کے نقش ونگار کی اجازت ہوئی۔ مزاراتِ اولیاء پر چادر چڑھانے، غلاف ڈالنے، روشنی کرنے کی اجازت ہوئی۔ اور اسی بنیاد پر ان کے مزاراتِ طیبہ پر قبہ بنانے کی اجازت ہوئی۔ ان تمام افعال پر بھی احادیث و احکام سابقہ نہ پیش کرے گا مگر سفیہ نافہم۔

پھر ان عمارات کی تعمیر سے مقصود، خشت وگِل (اینٹوں اور مٹی) کی تعظیم حاشا وکلّا ہرگز نہیں۔ بلکہ روح محبوب کی تعظیم مقصود ہے جو بلاشبہ محمود ہے اور اعمال کا مدار نیت پر ہے۔

امام علامہ عارف باللہ سیدی عبد الغنی نابلسی قدّسنا اللہ بسرّہ القدسی اپنی بے نظیر کتاب مستطاب حدیقۂ ندیّہ شرح طریقۂ محمدیہ جلد دوم میں صاف ارشاد فرما چکے تعظیماً لروحہ المشرقۃ علی تراب جسدہ الخ یعنی مزاراتِ اولیاء کرام پر شمعیں روشن کرنا، اُن کی روحِ مبارک کی تعظیم کے لیے ہے جو اپنے بدن کی خاک پر ایسی تجلی ڈال رہی ہیں جیسے آفتاب زمین پر۔ تاکہ اس روشنی کرنے سے لوگ جانیں کہ یہ ولی کا مزار ہے تو اس سے تبرک کریں اور وہاں اللہ عزّوجلّ سے دُعا مانگیں کہ ان کی دُعا مقبول ہو۔"

گویا آپ نے اپنے نورِ باطن سے ادراک فرما لیا تھا کہ بعض کم فہموں کو یہ شبہات عارض ہوں گے۔ سب کا جواب ان دو لفظوں میں دے دیا کہ تعظیماً لروحہ۔ کہ مقصود روحِ محبوب کی تعظیم ہے نہ کہ خشت وگِل کی۔ اور اس تعظیم کو عبادت قرار دینا اور ہر تقرب کو

تعبُّد و بندگی ٹھہرانا، ہزارہا بندگانِ صالحین و اہل اللہ کو شرک و کفر سے ملوث کرنا، اور مسلمانوں پر صریح ظلم، سخت بدگمانی اور شدید افتراء ہے۔ اور ایسی سخت بدگمانی پھر اُس پر جزم و یقین، یہ خاصہ ہے وہابیہ کا۔ مولیٰ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے۔ ۱۲

۹ - زیارتِ تبرکات

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آثار و تبرکات شریفہ کی تعظیم، دینِ مسلمان کا فرضِ عظیم ہے۔ اور تواتر سے ثابت کہ جس چیز کو کسی طرح، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے، کوئی عُلاقہ، بدنِ اقدس سے چھونے کا ہوتا، صحابہ و تابعین و ائمہ دین، ہمیشہ اُس کی تعظیم و حرمت اور اُس سے طلب برکت فرماتے آئے۔ اور دینِ حق کے معظم اماموں نے تصریح فرمائی۔ کہ اس کے لیے کسی سند کی بھی حاجت نہیں۔ بلکہ جو چیز حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نامِ پاک سے مشہور ہو، اُس کی تعظیم شعائرِ دین سے ہے۔ اور اس تعظیم کے لیے نہ یقین درکار ہے۔ نہ کوئی خاص سند۔ بلکہ صرف نام پاک سے اُس شے کا مشہور و مشتہر ہونا کافی ہے۔ ایسی جگہ، کسی یقین و سند کے ادراک کے بغیر، تعظیم سے باز نہ رہے گا، مگر بیمار دل، پُر آزار دل، جس میں نہ عظمتِ شانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بروجہ کافی موجود۔ نہ اُس کا ایمان کامل۔ اور جہاں سند و یقین موجود ہو، پھر تو تعظیم و اعزاز و تکریم سے باز نہیں رہ سکتا، مگر کوئی کھُلا کافر۔ یا چھپا منافق۔

یہی وجہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تبرک اور حصولِ برکات، زمانہ اقدس حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے آج تک بلانکیر رائج و معمول اور باجماع مسلمین مندوب و محبوب ہے۔ اور یہ ظاہر کہ اولیاء کرام و علمائے اعلام، حضور کے ورثا ہیں تو ان کے آثار میں برکت کیوں نہ ہوگی۔ کہ آخر وارثِ برکات بھی ہیں اور وارثِ ایراثِ برکات بھی۔ کہ ان کے طفیل، ان کے صدقہ برکات آتی اور بلیّات جاتی ہیں۔

تابوتِ سکینہ کا ذکر قرآن عظیم میں ہے۔ جس سے روشن ہے کہ بزرگان کے

تبرکات کا اعزاز و احترام لازم ہے۔ ان کی برکت سے دُعائیں قبول اور حاجتیں روا ہوتی ہیں۔ اور تبرکات کی بے حرمتی گمراہوں کا طریقہ اور بربادی کا موجب ہے۔
(بدرالانوار وغیرہ) ۱۲

۱۰۔ غُسل مزارات

غُسلِ مزارات کے جواز کے لیے اتنی ہی سند کافی کہ خانہ کعبہ کا غُسل آج بھی ان ہاتھوں کے ذریعے جائز ہے جنہیں شعائر اللہ کی تعظیم، خصوصًا اولیاء اللہ کی تکریم، محبوبانِ حق کی توقیر سے چِڑ ہے۔ ۱۲

تنبیہہ جلیل

وہابیہ کی نگاہ میں قبورِ مسلمین، بلکہ خاص مزاراتِ اولیائے کرام علیہم الرضوان ہی کی کچھ قدر نہیں۔ بلکہ حتی الوسع ان کی توہین چاہتے ہیں۔ اور جس حیلے سے قابو چلے، انھیں نیست و نابود و پامال کرانے کی فکر میں رہتے ہیں۔ اُن کے نزدیک انسان مرا اور پتھر ہوا۔ جیسے وہ خود اپنی حیات میں ہیں کہ لا یسمعُ ولا یبصُر ولا یُغنِی عنك شیئًا۔ حالانکہ شرع مطہرّ میں مزارات اولیاء تو مزارات اولیاء عام قبورِ مسلمین مستحق تکریم و ممتنع التوہین ہیں۔ یہاں تک کہ علماء فرماتے ہیں کہ قبر پر پاؤں رکھنا گناہ ہے کہ سقفِ قبر بھی حقِ میّت ہے۔ قُنیہ میں امام علائے ترجمانی سے ہے یَأثمُ بوطِ القبورِ لأنّ سَقفَ القَبرِ حَقّ المیّتِ۔

حتیٰ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، جن کے نعلینِ پاک کی خاک، اگر مسلمان کی قبر پر پڑ جائے، تمام قبر، جنّت کے مشک و عنبر سے مہک اُٹھے۔ اگر مسلمان کے سینے اور مونھ اور سر اور آنکھوں پر، اپنا قدم اکرم رکھدیں، اس کی لذت و نعمت و

راحت و برکت میں ابدالآباد تک سرشار و سرفراز رہے، وہ فرماتے ہیں کہ "بے شک چنگاری یا تلوار پر چلنا، یا جوتا پاؤں سے گانٹھنا، مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ کسی مسلمان کی قبر پر چلوں"۔ (ابن ماجہ) اور وہابیہ کو اس کی فکر ہے کہ کسی طرح مسلمانوں کی قبروں پر مکان بنیں۔ لوگ چلیں پھریں۔ قضلے حاجت کریں۔ بھنگی اپنے ٹوکرے لے کر چلیں ؎

اگر ایں ست پسندِ تو، نصیبت بادا۔

علمائے کرام کا اتفاق ہے کہ مسلمان کی عزت، مردہ زندہ برابر ہے۔ (فتح القدیر) نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مُردے کی ہڈی توڑنا، اور اُسے ایذا پہنچانا، ایسا ہے جیسے زندہ کی ہڈی توڑنا۔ (ابوداؤد ابن ماجہ)

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: "مسلمان مُردے کو ایذا دینا، ایسا ہے جیسے زندہ کو۔ (ابوبکر بن ابی شیبہ)

علماء فرماتے ہیں:" جس بات سے زندوں کو ایذا پہنچتی ہے، مُردے بھی اس سے تکلیف پاتے ہیں۔" یہانتک کہ ہمارے علماء نے تصریح فرمائی کہ قبرستان میں جو نیا راستہ نکالا گیا ہو، اُس میں آدمیوں کو چلنا حرام ہے (ردالمحتار وغیرہ) اور فرماتے ہیں" مقبرے کی سبز گھاس کاٹنا مکروہ ہے۔ کہ جب تک وہ تر رہتی ہے، اللہ کی تسبیح کرتی ہے۔ اس سے اموات کا دل بہلتا ہے اور ان پر رحمتِ الٰہی کا نزول ہوتا ہے۔ ہاں خشک گھاس کاٹنا جائز ہے۔ مگر وہاں سے تراش کر، جانوروں کے پاس لے جائیں یہ ممنوع ہے۔ کہ انھیں گورستان میں چرنے چھوڑ دیں۔ (ردالمحتار عالمگیری)

انہیں سے اور انہیں جیسی دوسری احادیث سے ہمارے علماء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم نے بے ضرورت قبر پر چلنے، اور اُس پر بیٹھنے اور پاؤں رکھنے سے منع فرمایا۔ کہ یہ سب حرمتِ مومن کے خلاف ہے اور ترک ادب و گستاخی ہے۔ اور ضرورت کی صورت یہ ہے کہ مثلاً قبرستان میں، میت کے لیے قبر کھودنے، یا دفن کرنے جانا چاہتے ہیں۔ بیچ میں قبریں حائل ہیں۔ اس حاجت کے لیے اجازت ہے۔ پھر بھی جہاں تک

بن پڑے بچتے ہوئے جائیں۔ اور ننگے پاؤں ہوں اور اموات کے لیے دُعاو استغفار کرتے جائیں۔

امام علامہ محقق علی الاطلاق، اُن لوگوں پر اعتراض فرماتے ہیں، جن کے اعزّہ و اقارب کے گرد مخلوق دفن ہے اور وہ اُن کی قبروں کو روندتے ہوئے، اپنے عزیزوں کی گور تک جاتے ہیں۔ انہیں چاہیئے کہ کنارۂ گورستان سے زیارت اور دُعا کرلیں۔ اور ان کی قبروں کے قریب نہ جائیں۔ (فتح القدیر)

غرض علمائے کرام کی تصریحات سے یہ مسئلہ مثلِ آفتاب روشن ہے۔ کہ قبور مومنین اہلسنّت کو توڑ کر، بلکہ ان کو کھود کر، اُن پر اپنی رہائش و آسائش کے مکان بناکر، ان میں لذاتِ دنیا میں مشغول و منہمک ہونا، قطعاً یقیناً اصحابِ قبور کو ایذا دینا، اور اُن کی اہانت و توہین کرنا ہے۔ جو کسی طرح جائز نہیں۔ اہلسنّت کے نزدیک انبیاء و شہداء و اولیاء علیہم التحیۃ والثناء، اپنے ابدان شریفہ سے زندہ ہیں۔ بلکہ انبیاء علیہم السلام کے ابدان لطیفہ، زمین پر حرام کیے گئے ہیں کہ وہ اُن کو کھاوے۔ اسی طرح شہداء و اولیاء علیہم الرحمۃ والثناء کے ابدان و کفن بھی قبور میں صحیح و سلامت رہتے ہیں۔ وہ حضرات روزی و رزق دئے جاتے ہیں۔

اور بعض عامۂ مومنین اور بقیہ اموات کے ابدان، گو سلامت نہ رہتے ہوں، تاہم ان کی قبور پر بیٹھنے، بلکہ ان پر تکیہ لگانے اور قبرستان میں جوتوں کی آواز کرنے سے اُن کو ایذا ہوتی ہے۔ جیساکہ قدرے ابھی مذکور ہوا۔ اور اظہر من الشمس ہے کہ قبور کو کھود کر، اُن پر رہنے کا مکان بنانا، تو چلنا پھرنا بیٹھنا لیٹنا، قبور کو پاؤں سے روندنا، اُن پر پاخانہ پیشاب جماع سب ہی کچھ ہوگا اور کوئی دقیقہ بے حیائی اور امواتِ مسلمین کی ایذا رسانی کا باقی نہ رہے گا۔ والعیاذ باللہ رب العلمین۔

علماء فرماتے ہیں جہاں چالیس مسلمان جمع ہوتے ہیں ان میں ایک ولی اللہ ضرور ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ مقابر مسلمین میں صدہا مسلمانوں کی قبریں ہوتی ہیں تو بالضرورۃ ان میں بندگانِ مقبول بھی ہوں گے تو مقابرِ مسلمین کھود کر اُن پر رہائش

کی گستاخیاں عوام مومنین کے ساتھ ہی نہیں بلکہ حضرات اولیاء کرام کے ساتھ بھی ہونگی۔ اور اشد و اعظم مصیبت اُس کی جو اولیاء کی جناب میں گستاخ ہو۔ حدیث قدسی میں ہے کہ جو میرے کسی ولی سے دشمنی باندھے تو بے شک میں نے اُس سے لڑائی کا اعلان کر دیا۔

(ان جملہ مسائل کی تفصیل کے لیے دیکھیں احکام شریعت اور دوسرے رسائل امام اہلسنت قدس سرہٗ) ۱۲ محمد خلیل عفی عنہ



چوتھا مسئلہ ○ ندائے غیر اللہ

اس میں تحقیق یہ ہے کہ ندا سے مقاصد و اغراض مختلف ہوتے ہیں۔ کبھی محض اظہار شوق، کبھی تحسّر، کبھی منادیٰ کو منانا، کبھی اس کو پیغام پہنچانا۔ سو مخلوقِ غائب کو پکارنا اگر محض واسطے تذکرہ اور شوقِ وصال اور حسرتِ فراق کے ہے جیسے عاشق اپنے محبوب کا نام لیا کرتے ہیں۔ اور اپنے دل کو تسلی دیا کرتے ہیں۔ اس میں تو کوئی گناہ نہیں مجنوں کا قصہ، مثنوی میں مذکور ہے۔ اشعار:-

دید مجنوں را کسے صحرا نورد — در بیابانِ غمش بنشستہ فرد
ریگ کاغذ بود، انگشتاں قلم — می نمودے بہر کس، نامہ رقم
گفت اے مجنونِ شیدا چیست ایں — می نویسی نامہ بہر کیست ایں
گفت مشقِ نامِ لیلیٰ می کنم — خاطرِ خود را تسلی می دہم

ایسی ندا صحابہؓ[۸۱] سے بکثرت روایات میں منقول ہیں۔ کما لا یخفی علی المتبحر المتسع النظر۔

۸۱؎ یہاں فقیر بقدر ضرورت چند احادیثِ کریمہ کے ذکر پر اکتفا کرتا ہے۔

(۱) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نابینا کو دعا تعلیم فرمائی کہ بعد نمازیوں کہے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَیْكَ بِنَبِیِّكَ مُحَمَّدٍ نَّبِیِّ الرَّحْمَةِ ط یا مُحَمَّدُ اِنِّی تَوَجَّهْتُ بِكَ اِلٰی رَبِّی فِی حَاجَتِی هٰذِهٖ لِتَقْضِیَ لِی۔ اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِیَّ۔ الٰہی میں تجھ سے مانگتا اور تیری طرف توجہ کرتا ہوں۔ بوسیلہ تیرے نبی محمد صلی اللہ

علیہ وسلم کے ۔ کہ مہربانی کے نبی ہیں۔ یارسول اللہ! میں حضور کے وسیلے سے، اپنے رب کی طرف، اس حاجت میں توجہ کرتا ہوں کہ میری حاجت روا ہو۔ الٰہی ان کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔ (نسائی، ترمذی، ابن ماجہ وغیرھم)

اور اگر صحابۂ کرام کا شوقِ وصال، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نامِ نامی، اسمِ گرامی کی چاشنی کی لذتوں میں ان کا استغراق، اور اُس شیریں دہن، شیریں بیان، شیریں سخن، شیریں زبان کے تصوّر میں، اُن جاں نثار عُشاق کے انہماک کا نظارہ کرنا ہو تو دیکھیے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا پاؤں سو گیا۔ کسی نے کہا انہیں یاد کیجئے۔ جو آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ حضرت نے بآوازِ بلند کہا یا محمّداہ۔ فوراً پاؤں کھل گیا۔ (بخاری فی الادب المفرد۔ وغیرہ)۔

امام نووی شارح صحیح مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الأذکار میں اس کا مثل حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل فرمایا کہ ان کا بھی پاؤں سویا تو یا محمّداہ کہا۔ اچھا ہو گیا۔" اور یہ امر ان دو صحابیوں کے سوا، اوروں سے بھی مروی ہوا۔

یہی وجہ ہے کہ اہل مدینہ میں قدیم سے اس یا محمداہ کہنے کی عادت چلی آتی ہے۔

امام مجتہد فقیہ اجل عبدالرحمن ہذلی کوفی مسعودی کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے اور اجلّہ تبع تابعینؒ و اکابر ائمہ مجتہدین سے ہیں۔ سر پر بلند ٹوپی رکھتے جس پر لکھا تھا۔ محمّد یا منصور۔ اور ظاہر ہے کہ اَلقلمُ احدی اللِّسانَین (قلم بھی ایک زبان ہے۔)

فائدۂ نفیسہ

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ندا کرنے کے عمدہ دلائل سے اَلتَّحِیَّات ہے جسے ہر نمازی نماز کی دو رکعت میں پڑھتا ہے اور اپنے نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم سے عرض کرتا ہے۔ اَلسَّلامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَکَاتُهٗ۔ سلام

حضور پر اے نبی - اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں۔" اگر ندا معاذ اللہ شرک ہے تو یہ عجب شرک ہے کہ عین نماز میں شریک و داخل ہے۔ وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا باللہ العلی العظیم۔

اور یہ جاہلانہ خیال محض باطل کہ التحیات زمانۂ اقدس سے ویسی ہی چلی آتی ہے تو مقصود ان لفظوں کی ادا ہے۔ نہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ندا۔ حاشا وکلا شریعۃ مطہرہ نے نماز میں کوئی ذکر ایسا نہیں رکھا ہے جس میں صرف زبان سے لفظ نکالے جائیں اور معنی مراد نہ ہوں۔ نہیں نہیں بلکہ قطعاً یہی درکار ہے کہ اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰهِ وَالصلوات وَالطَّیِّبَاتُ سے حمد الٰہی کا قصد رکھے۔ اور اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُہٗ سے یہ ارادہ کرے کہ اس وقت میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کرتا اور حضور سے بالقصد عرض کر رہا ہوں کہ سلام حضور پر اے نبی۔ اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں۔

فتاویٰ عالمگیری میں شرح قدوری سے ہے لَابُدَّ اَنْ یَّقْصُدَ بالفاظِ التَّشَهُّدِ مَعَانِیَهَا التی وضعت لِهَا مِنْ عندہٖ كَاَنَّهٗ یُحَیِّی اللہَ تعالیٰ ویسلم علی النبیِّ صلی اللہ علیہ وسلم وعلیٰ نفسہٖ وعلیٰ اولیاء اللہ تعالیٰ۔ اسی طرح تنویر الابصار اور اس کی شرح درمختار میں ہے۔ اسی طرح علامہ حسن شرنبلالی مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں، اور بہت علمائے اپنی اپنی تصانیف میں اس مضمون کی تصریح فرمائی۔ اور جب کلمات تشہد سے ان کے معنی کا قصد اور انشاء ضروری ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ندا کرنا ایسا جائز ثابت ہوا کہ نماز میں واجب ہے۔

مسلمانو! اب ان سے کہو کہ اپنے شریکوں کو جمع کریں اور قہر والے عرش کے مالک سے لڑائی لیں کہ تو نے کیوں ایسی شریعت بھیجی جس نے نماز کی ہر دو رکعت پر التحیات واجب کی۔ اور اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام عرض کرنا واجب کیا۔

(انوار الانتباہ) ۱۲

محمد خلیل عفی عنہ

اور اگر مخاطب کو اسماع (سُنانا) مقصود ہے تو اگر تصفیۂ باطن سے منادیٰ کا مشاہدہ کر رہا ہے تو بھی جائز، اور اگر مشاہدہ نہیں کرتا لیکن سمجھتا ہے کہ فلاں ذریعہ سے اُس کو خبر پہنچ جائے گی اور وہ ذریعہ ثابت بالدلیل ہو، تب بھی جائز ہے۔ مثلاً ملٰئکہ علیہم السلام کا درود شریف حضور اقدس میں پہنچانا، احادیث سے ثابت ہے۔ اس اعتقاد سے کوئی شخص الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کہے، کچھ مضائقہ نہیں۔

۸۲ھ اور یہ عذر یہاں نہ گڑھنا چاہیئے کہ صلوٰۃ وسلام پہنچانے پر ملٰئکہ مقرر ہیں تو ان میں ندا جائز۔ اور ان کے ماوراء میں ناجائز۔ یہ جہالت ہے اور بڑی بدمزہ جہالت۔ مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ صرف درود وسلام ہی نہیں بلکہ امت کے تمام اقوال وافعال واعمال واحوال، روزانہ دو وقت سرکار عرش وقار حضور سید الابرار صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کیے جاتے ہیں۔ احادیث کثیرہ میں تصریح ہے کہ نہ صرف برزخ میں، پیش از قیامت، بلکہ دنیا ہی میں، امتیوں کے تمام اعمال، حسنہ ہوں یا سیئہ، اچھے ہوں یا بُرے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں تین بار عرض کیے جاتے ہیں، ہر رات کے عمل صبح کو، اور ہر دن کے شام کو، پھر جمعرات سے اتوار تک کے اعمال پیر کو، اور پیر سے بدھ تک کے جمعرات کو۔ پھر ہفتہ بھر کے اعمال جمعہ کو۔ اور یونہی تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور والدین واعزّہ و اقارب، سب پر اعمال پیش ہوتے ہیں۔ سند کے لیے اتنا ہی کافی کہ امام اجل عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حضرت سعید بن المسیّب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی کہ کوئی دن ایسا نہیں جس میں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر اعمال اُمت، ہر صبح وشام، پیش نہ کئے جاتے ہوں۔ تو حضور کا اپنے اُمتیوں کو پہچاننا، اُن کی علامت اور اُن کے اعمال دونوں وجہ سے ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم وعلیٰ آلہٖ وصحابہٖ وشرّفَ وکرّمَ۔

اور ملائکہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک اُمتی کا درود وسلام پہنچانا، بہت

احادیثِ کریمہ سے ثابت۔ ازاں جملہ آنکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کے کچھ فارغ فرشتے ہیں، جو زمین میں سیر کرتے رہتے ہیں، میری امت کا سلام، مجھ تک پہنچاتے ہیں۔ (النسائی دارمی)

۲۔ جو میری قبرالنور کے پاس، مجھ پر درود بھیجے، میں بہ نفسِ نفیس اُسے سُنتا ہوں۔اور جو مجھ سے دور ہو اور درود بھیجے۔ وہ مجھ تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف)

۳۔ اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کی (باتیں سننے اور) سنا دینے کی طاقت عطا فرمائی ہے۔ وہ میرے روضۂ النور کا مجاور ہے۔ تو جب میرا کوئی اُمتی مجھ پر درود بھیجتا ہے تو وہ اُس کا اور اُس کے باپ کا نام لے کر عرض کرتا ہے کہ یا نبی اللہ فلاں بن فلاں نے آپ پر درود بھیجا ہے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ اُسپر دُرُود بھیجتا ہے۔ ایک کے بدلے دس درود۔ (طبرانی نزہۃ المجالس)

مسلمانو! ہزار جانِ گرامی، ایسے وسیلے پر قربان جس کے باعث، جس کے طفیل، ہم سے روسیاہ، ہم سے سیہ کار، ہم سے آلودۂ گناہ، ہم سے گناہگار، پاک نبی کے پاک دربارِ دُرر بار میں ذکر کیے جائیں ؎

کیوں نہ مرجانے کی حسرت، جانِ بسمل میں رہے
میں نہ ہوں اور ذکر میرا، تیری محفل میں رہے

غرض یہ سمجھنا اور عوام کو سمجھانا کہ صلوٰۃ وسلام میں ندا جائز ہے کہ فرشتے اس کے حضور اقدس میں پہنچانے پر مامور ہیں، اور صلوٰۃ وسلام کے علاوہ دوسرے مواقع پر جائز نہیں کہ بلا دلیل ہے۔"

ہم بتا چکے کہ یہ محض جہالت اور بدمزہ جہالت ہے بلکہ کہنا چاہیئے کہ تجاہل عارفانہ ہے۔ جان بوجھ کر حق سے مُکرنا، حق سے مونھ پھیرنا اور حق سے کتراتا ہے۔

ابھی اوپر ایک حدیث گذری کہ خود حضور پرنور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نابینا کو قضائے حاجت کے لیے بعد فراغ نماز چند دعائیہ کلمات تعلیم فرمائے کہ بعد

نماز کہے۔ اور ان کلمات کو صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے زمانۂ اقدس میں۔ اور حضور کے بعد، زمانۂ امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں، حاجت روائی کا ذریعہ بنایا۔ اُس میں کیا تھا؟ یہی ناکہ یارسول اللہ میں حضور کے وسیلے سے اپنے رب کی طرف توجہ کرتا ہوں کہ میری حاجت روا فرمائے۔" اس حدیث میں کہیں درود و سلام کا ذکر نہیں بلکہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے استعانت جائزۂ محمودہ کا اس میں ثبوت ہے۔

اور یہ وہ حدیث شریف ہے۔ کہ صحاح ستہ سے تین صحاح، جامع ترمذی، سنن النسائی، اور ابن ماجہ میں مروی ہے۔ اور اکابر محدثین مثل امام طبرانی و امام بیہقی و ابو عبداللہ حاکم وغیرھم اُسے صحیح فرماتے آئے۔ اور صحابہ و تابعین میں مقبول اور ان کا معمول یہ رہی۔ اب بھی اگر کوئی عالم نما جاہل، نجدیت و وہابیت کے نشہ کی ترنگ میں، حیا کا پانی سر سے گزار کر، بیدھڑک یہ کہدے کہ یہ حدیث قابلِ حجت نہیں تو یہی کہا جائے گا کہ اس کی مت ماری گئی ہے۔ کہ اُسے نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا پاس ہے، نہ صحابہ و تابعین کے تعلیم و عمل کا لحاظ۔ اور نہ اکابرِ حفاظِ حدیث کی تصحیح کا خیال۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

اور یہ جو ہم نے بیان کیا کہ یہ حدیث شریف صحابہ و تابعین کی معمولہ و مقبولہ صحیح حدیث ہے امام طبرانی کی معجم میں یوں ہے کہ "ایک حاجت مند اپنی حاجت کے لیے امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں آتا جاتا۔ امیر المومنین نہ اس کی طرف التفات فرماتے نہ اس کی حاجت پر نظر فرماتے۔ اُس نے عثمان بن حنیف سے رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس امر کی شکایت کی۔ انہوں نے فرمایا" وضو کرکے دو رکعت نماز پڑھ۔ پھر دُعا مانگ۔ کہ الٰہی میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف اپنے نبی، نبئ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے توجہ کرتا ہوں۔ یا رسول اللہ میں حضور کے توسُّل سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں کہ میری حاجت روا فرمائے۔" اور اپنی حاجت ذکر کر۔ پھر شام کو میرے پاس آنا کہ میں بھی تیرے ساتھ چلوں۔ حاجتمند نے (کہ وہ بھی صحابی یا لااقل کم از کم، کبارِ تابعین سے تھے) یوہیں کیا۔ پھر آستانِ خلافت پر حاضر ہوئے۔

دربان آیا۔ اور ہاتھ پکڑ کر امیر المومنین کے حضور لے گیا۔ امیر المومنین نے اپنے ساتھ مسند پر بٹھالیا۔ مطلب پوچھا۔ عرض کیا۔ فوراً روا فرمایا۔ اور ارشاد فرمایا اتنے دنوں میں اس وقت تم نے اپنا مطلب بیان کیا۔ پھر فرمایا جو حاجت تمہیں پیش آیا کرے، ہمارے پاس چلے آیا کرو" یہ صاحب وہاں سے چل کر عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملے اور کہا اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر دے۔ امیر المومنین، میری حاجت پر نظر، اور میری طرف توجہ نہ فرماتے تھے، یہاں تک کہ آپ نے اُن سے میری شفاعت کی۔ عثمٰن بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا خدا کی قسم، میں نے تو تمہارے معاملہ میں امیر المومنین سے کچھ نہ کہا۔ مگر ہوا یہ کہ میں نے سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا حضور کی خدمتِ اقدس میں ایک نابینا حاضر ہوا اور نابینائی کی شکایت کی۔ حضور نے یوں ہی اُس سے ارشاد فرمایا کہ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھے۔ پھر یہ دُعا کرے"۔ خدا کی قسم ہم اُٹھنے بھی نہ پائے تھے باتیں ہی کر رہے تھے کہ وہ ہمارے پاس آیا۔ گویا کبھی اندھا نہ تھا"

اب مشرک کہنے والوں سے صاف صاف پوچھنا چاہیئے کہ عثمٰن بن حنیف و عبداللہ بن عباس و عبداللہ بن عمر، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے لے کر، شاہ ولی اللہ وشاہ عبدالعزیز صاحب اور اُن کے اساتذہ و مشائخ تک کہ ندا و استعانت کرتے اور اس کی اجازتیں دیتے آئے۔ سب کو کافر و مشرک کہتے ہو یا نہیں۔ اگر انکار کریں۔ تو الحمدللہ ہدایت پائی اور حق واضح ہو گیا۔ اور بے دھڑک ان سب پر کفر و شرک کا فتویٰ جاری کریں تو اُن سے اتنا کہئے کہ اللہ تمہیں ہدایت کرے۔ ذرا آنکھیں کھول کر دیکھو تو، کسے کہا اور کیا کچھ کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور دل میں جان لیجئے کہ جس مذہب کی بنا پر، صحابہ سے لے کر، اب تک کے اکابر، سب معاذ اللہ مشرک و کافر ٹھہریں وہ مذہب خدا و رسول کو کس قدر دشمن ہوگا۔ صحیح حدیثوں میں آیا کہ جو کسی مسلمان کو کافر کہے خود کافر ہے۔ اور بہت ائمہ دین نے مطلقاً اس پر فتویٰ دیا جس کی تفصیل امام اہلسنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز نے النہی الاکید میں ذکر کی اور فرمایا ہم اگرچہ

بحکمِ احتیاط تکفیر نہ کریں، تاہم اس قدر میں کلام نہیں کہ ایک گروہِ ائمہ کے نزدیک یہ حضرات کہ یارسول اللہ و یاعلی و یاحسین و یاغوث الثقلین کہنے والے مسلمانوں کو کافر و مشرک کہتے ہیں، خود کافر ہیں تو ان پہ لازم کہ نئے سرے سے کلمۂ اسلام پڑھیں اور اپنی عورتوں سے نکاح جدید کریں۔ در مختار میں ہے۔ ما فیہ خلاف یؤمر بالاستغفار والتوبۃ و تجدید النکاح ۔۱۲ (انوار الانتباہ وغیرہ)

اور اگر نہ مشہود ہو، نہ پیغام پہنچانا مقصود ہو، نہ پہنچانے کا کوئی ذریعہ دلیل سے موجود ہو، وہ ندا ممنوع ہے۔ مثلاً کسی ولی کو دور سے ندا کرنا، اس طرح کہ اُسے سُنانا منظور ہے۔ اور روبرو نہیں۔ نہ ابھی تک اس شخص کو یہ ثابت ہوا کہ اُن کو کسی ذریعہ سے خبر پہنچے گی، یا ذریعہ متعین کیا۔ مگر اس[۸۳] پر کوئی دلیل شرعی قائم نہیں۔ یہ اعتقاد افتراء علی اللہ اور دعویٰ علمِ غیب ہے۔ بلکہ مشابہ شرک کے ہے۔ مگر بے دھڑک اس کو شرک و کفر کہہ دینا، جرأت ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اگر اس بزرگ کو خبر پہنچا دے ممکن ہے۔ اور ممکن کا اعتقاد شرک نہیں۔ مگر چونکہ امکان کو وقوع لازم نہیں، اس لیے ایسی ندائے[۸۴] لایعنی کی اجازت نہیں ہے۔ البتہ[۸۵] جو ندا نصّ میں وارد ہے مثلاً یا عِبادَ اللہِ اَعِینُونِی، وہ بالاتفاق جائز ہے۔ اور یہ تفصیل حق عوام میں ہے۔

۸۳ھ اور ہم بحمدہ تعالیٰ یہ ثابت کریں گے کہ عامۃ المسلمین، جن کا طبقۂ علماء میں شمار نہیں، مگر علمائے اہلسنّت کی صحبت سے شرفیاب، ان کے فیضان سے مستفیض اور مسائل علمیہ سے ذوق رکھتے ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ اولیائے کرام کو اللہ عزّوجلّ نے بہت بڑی قوّت دی ہے۔ ان میں جو اصحابِ خدمت ہیں،

ان کو تصرف کا اختیار دیا جاتا ہے۔ سیاہ و سپید کے مختار بنا دیئے جاتے ہیں۔ ان کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت میں تصرفات و اختیارات ملتے ہیں۔ تمام خوارقِ عادات اُن سے ممکن ہیں۔ طے ارض یعنی مشرق سے مغرب تک ساری زمین ایک قدم میں طے کر جانا، اُن کے لیے کچھ دشوار نہیں۔ وہ اپنی قبور میں حیاتِ ابدی کے ساتھ زندہ ہیں۔ اور ان کے علم و ادراک و سمع و بصر پہلے کی بہ نسبت بہت زیادہ قوی ہیں۔ اُن کے افعال و ادراکات جیسے دیکھنا سُننا بولنا سمجھنا آنا جانا چلنا پھرنا، سب بدستور رہتے ہیں بلکہ اُن کی قوتیں بعد مرگ اور صاف اور تیز ہو جاتی ہیں۔ حالتِ حیات میں جو کام ان آلاتِ خاکی یعنی آنکھ کان ہاتھ پاؤں زبان سے لیتے تھے، اب بغیر ان کے، ان کی ارواح کرتی ہیں اگرچہ جسم مثالی کی یاوری سہی۔ شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں۔ روح را قُرب و بُعدِ مکانی یکساں است۔

توجب اولیاء اللہ کے لیے کسی مقام و مکان کا قریب و بعید ہونا یکساں، اور ان کے آلاتِ خاکی، پہلے کی بہ نسبت بہت زیادہ قوی، اور کوئی بندۂ مومن، اپنی کسی مشکل میں انہیں ندا کرتا ہے تو کون سا مانع، کون سا حائل ہے جو اس کی آواز، ان تک نہ پہنچنے دے، یا ان کی مدد و نصرت کو، اُس تک نہ آنے دے۔ کیا اس پر کوئی دلیل قطعی شرعی قائم ہے یا یہ عقلاً یا عادۃً محال ہے۔ یا شرع مطہرہ نے فرما دیا ہے کہ اب وہ نہ سن سکیں گے۔ اب کسی کے کام نہ آسکیں گے۔ کسی کی مشکل کشائی نہ فرما سکیں گے۔ اور قبر کی مٹی ان کے اور اس کے درمیان ایسی حائل ہے کہ اب اُن کے لیے اس کی آواز سُننی، صورت دیکھنی محال ٹھہری۔ تو کیا اِنَّ اللہ علیٰ کُلِّ شیئٍ قدیر۔ پر بھی ایمان نہیں۔

اور ہاں خطا معاف! یہ کہاں سے ثابت کہ آدمی اسی کام کو اپنے لیے حلال جانے، جس کے بکار آمد ہونے پہ یقین رکھتا ہو۔ باقی کو حرام سمجھے، پھر تو واجب کہ نماز، روزہ اور تمام اعمال حسنہ کو حرام جانے کہ وہ جب تک قبول نہ ہوں، کار آمد نہیں۔ اور اس کا یقین حاصل نہیں ہو سکتا کہ ہمارے تمام اعمال، بارگاہ الٰہی میں شرفِ

قبولیت سے مشرف ہو چکے ہیں۔ لامحالہ کہنا پڑے گا کہ امید ہی کافی ہے اور امید ہی وہ چراغ ہے جس سے منزل کا سراغ ہاتھ آتا ہے۔ تو ندا کرنے والے کو کرمِ الٰہی سے ہر وقت یہ توقع و امید رہتی ہے کہ باذن اللہ تعالیٰ یہ حضرات اولیائے الٰہی کہ محبوبانِ خدا ہیں، اور ان کے ہاتھوں، قدرتِ الٰہی کا ظہور ہوتا ہے، توجہ خاص فرمائیں گے اور ہماری فریاد سُن لیں گے۔

واللہ وہ سُن لیں گے، فریاد کو پہنچیں گے
اتنا تو ہو کوئی جو آہ کرے دل سے!

اور اگر کہیے کہ اولیائے کرام کے ادراکات کا، بعد وصال، اور زیادہ قوی ہو جانا تو ہمیں مسلّم۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اس ندا کرنے والے کی سین لیں۔ یونہیں ان کے افعال کا قوی تر ہو جانا ہمیں تسلیم، لیکن یہ کہاں سے ثابت کہ وہ اس حالت میں خاص اس ندا کرنے والے کی آواز بھی توجہ سے سُن رہے ہیں اور اس کی حاجت روائی فرمائیں گے"۔ تو جواباً یہی کہا جائے گا کہ اگرچہ ان کا سُننا اور اُس کی فریاد رسی کرنا، اُن کے ادراکات کے زائد و قوی ہو جانے کو لازم نہیں، مگر یہ بھی تو لازم نہیں کہ وہ نہ سنیں اور اس کی حاجت روائی نہ فرمائیں۔ تو دونوں ہی صورتیں محتمل رہیں۔ پھر آپ نے ایک امر محتمل پر، کفر و شرک کا جزمی حکم کیونکر لگا دیا۔ کیا قرآن حکیم کی کسی آیۂ کریمہ سے مستفاد ہوا۔ یا حدیث شریف میں یہ حکم حتمی آیا۔ جب کہ شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر عزیزی میں دفن کو نعمتِ الٰہی ٹھہرا کر، اُس کے منافع و فوائد میں لکھتے ہیں کہ

"از اولیائے مدفونین انتفاع و استفادہ جاری ست۔"

یعنی اولیائے کرام جو زیر زمین دفن ہیں اُن سے انتفاع اور استفادہ جاری ہے۔ یہاں لفظ "جاری ست" پر نظر رکھیں کہ اس سے مراد نہیں مگر مسلمانوں میں جاری ہونا۔ اور جو مسلمانوں میں جاری ہو، ہرگز شرک نہیں۔ کہ جن میں شرک جاری ہو، ہرگز مُسلمان نہیں۔

الغرض اولیائے کرام کی کرامتیں، اپنے متوسلین پر اُن کی مرحمتیں، اور اُن کے

تصرفات و برکات بعد وصال بھی بدستور باقی رہتے ہیں۔ برزخ میں بھی اُن کے فیوض جاری، اور غلاموں کے ساتھ وہی شان امداد و یاری، باقی رہتا ہے۔ اولیائے کرام سے استمداد و التجا، اور اپنے مطالب میں طلب دعا، اور حاجت کے وقت اُن کی ندا، جائز و روا ہونے کے باب میں فقیر اتنی بات اور عرض کرتا ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کے " انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ " سے روشن کہ شاہ صاحب والا مناقب اور ان کے اساتذہ، جواہر خمسہ تصنیف حضرت شاہ محمد غوث گوالیاری علیہ رحمۃ الباری اور خاص دعائے سیفی کی اجازتیں لیتے اور اپنے مریدین کو اجازت دیتے آئے۔ اسی جواہر خمسہ کی سیفی میں وہ جواہر دار سیف خونخوار موجود ہے جسے دیکھ کر وہابیت بیچاری" سخت مصیبت میں گرفتار اور اپنا خون دینے پر تیار ہے۔ وہ کیا۔ نادِ علی۔ جواہر خمسہ میں ترکیب دعائے سیفی میں فرمایا:۔

" نادِ علی ہفت بار یا سہ بار، یا یک بار بخواند و آں اینست

نادِ علیاً مظہر العجائب تجدہ عوناً فی النوائب

کل ھمٍ وغمٍ سینجلی بولایتک یا علی یا علی یا علی

یعنی پکار علی المرتضیٰ کو کہ مظہر عجائب ہیں۔ تو اُنہیں اپنا مددگار پائے گا مصیبتوں میں۔ سب پریشانی و غم اب دور ہوئے جاتے ہیں۔ حضور کی ولایت سے۔ یا علی یا علی یا علی" اگر مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو مشکل کشا ماننا، مصیبت کے وقت مددگار جاننا، ہنگام غم و تکلیف اس جناب کو ندا کرنا۔ یا علی یا علی یا علی کا دم بھرنا، شرک ہو تو معاذ اللہ، منکروں کے نزدیک، حضرات مذکورین سب کفار و مشرکین ٹھہریں۔ اور سب سے بڑھ کر بھاری مُشرک، کٹر کافر، عیاذاً باللہ، شاہ ولی اللہ صاحب ہوں۔ جو مشرکوں کو اولیاء اللہ جانتے۔ اپنا شیخ و مرشد و مرجع سلسلہ مانتے۔ احادیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سندیں اُن سے لیتے، مدتوں ان کی خدمت گاری و کفش برداری کی داد دیتے۔ انھیں شیخ ثقہ عادل بتاتے اور ان کی ملاقات کو بلفظ دست بوسی تعبیر فرماتے ہیں تو محدثی کا تمغہ، حدیث کی سندیں، یوں ہی برباد ہوئیں کہ اتنے مشرکین

اُن میں داخل ہیں۔ والعیاذ باللہ رب العلمین ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔
مسلمان دیکھیں کہ اولیاء اللہ کو ندا کرنے، یا علی یا علی یا علی کہنے کو شرک ٹھہرانے کی، ان منکروں کو کیا سزا ملی۔ نہ ناحق مسلمانوں کو مشرک کہتے۔ نہ اگلوں پچھلوں کے مشرک بننے کی یہ مصیبت سہتے۔ اس سے یہی بہتر کہ راہِ راست پر آئیں سچے مسلمانوں کو مشرک نہ بنائیں، ورنہ اپنوں کے ایمان کی فکر فرمائیں۔

دیدی کہ خونِ ناحق پروانہ، شمع را
چنداں اماں نہ داد کہ شب را سحر کند

نَسْأَلُ اللّٰہَ الْعَافِیَۃَ وَحُسْنَ العاقبۃِ آمین۔

ہاں ہمارا مقصود اس کلام سے عوام اہلسنّت کو بیدار کرنا ہے کہ بھائیو اب بھی وضوحِ حق میں کچھ کسر باقی ہے۔ جس نامہذّب مذہب، ناپاک مشرب کی رُو سے صحابہ و تابعین و ائمہ مجتہدین و علمائے دین و اولیائے کاملین، قرونِ ثلثہ سے لے کر آج تک، سب کے سب معاذ اللہ مشرک کافر، بدعتی خاسر ٹھہریں، ظاہر ہے کہ وہ طائفہ کیسا ہوگا۔ اور اُسے سُنت و جماعت سے کتنا علاقہ ہوگا۔ سبحان اللہ سُنت جماعت کو شرک بتائیں۔ جماعتِ سنت کو مشرک ٹھہرائیں، پھر سُنّی ہونے کا گیت گائیں۔ خود کو سوادِ اعظم اہلسُنّت کہیں اور کہلائیں اور اپنی گمراہی کو یوں چھپائیں گویا بلی کا .....

۸۴ھ ہم قارئین پر واضح کر چکے یہ بات کہ عامۃ المسلمین کی ندا بھی عبث کی حاصل و بے مقصد نہیں ہوتی۔ کم از کم ہر ندا کرنے والے کے دل میں امید و توقع کا دِیا تو روشن ہوتا ہے کہ ہماری فریاد باذنہٖ تعالیٰ ان تک پہنچے گی۔ اور بعونہٖ تعالیٰ جلد یا بدیر وہ ہماری حاجت روائی، مشکل کشائی فرمائیں گے۔ اس کی ظاہر مثال یہ ہے کہ عام سائل گداگر جن دروازوں پر جا کر سوال کرتے ہیں، وہ ہر وقت فراخ دست، آمادۂ سخا، اور منتظرِ سوال و ندا نہیں ہوتے کہ کوئی دستِ سوال دراز کرے اور یہ عطا کریں، کوئی دامن پھیلائے اور یہ اُس کا دامن گوہرِ مراد سے بھریں۔ یہ وہ حقیقت ہے جس سے خود سائل

بھی واقف ہوتے ہیں۔ پھر کون سی چیز ہے جو انہیں کشاں کشاں، محلہ محلہ، گھر گھر لے جاتی اور آمادۂ سوال کرتی رہتی ہے۔ بلکہ سچ پوچھئے تو تزکیۂ نفس کی خاطر، بہت اکابر اولیاء نے وقتِ حاجت اس پر اقدام فرمایا ہے۔ اور کتب فقہیہ شاہد عادل ہیں کہ بعض صورتوں میں علمائے کرام نے سوال، فرض فرمایا ہے۔ غرض کہنا یہ ہے کہ اس یقین کے باوجود کہ ہمیں ہر گھر سے بقدرِ حاجت مل جانا یقینی نہیں، صرف ایک امید اور ایک توقع ہوتی ہے۔ جو انہیں اس اقدام پر آمادہ کرتی اور سوال پر ابھارتی ہے۔ یوں ہی ایک عام مسلمان بوقتِ حاجت، کسی ولی کامل کو پکارتا ہے تو اس امید و توقع پر، کہ اگر خود سن کر توجہ فرمائی۔ یا کارکنانِ قدرت نے ان تک میری فریاد پہنچائی، تو کیا عجب کہ التفاتِ خاص فرمائیں اور دستگیری فرما کر ساحلِ مراد تک پہنچائیں۔ یہی ماحصل ہے اُس مشہور شعر کا کہ

آنانکہ خاک را بہ نظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشۂ چشمے بہ ما کنند

تو اب اس "لایعنی" ندا کی نسبت اگر ہو سکتی ہے تو صرف ایسے مسلمانوں کی نہ طبقۂ علماء میں شمار ہوتے ہیں نہ مسائل علمیہ کا ذوق رکھتے ہیں۔ نہ علماء کی صحبت و خدمت گزاری سے شرفیاب ہیں۔ نہ حلال و حرام، جائز و ناجائز کی تفصیل سے آگاہ ہیں اور نہ فرائض و ارکان اسلام سے واقف۔ صرف اجمالاً یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اسلام میں جو کچھ ہے سب حق ہے۔ اور ایسے مسلمان نہیں مگر وہی جو کوردہ اور جنگل اور دور دراز پہاڑوں کے رہنے والے ہوں جو کلمہ بھی صحیح نہیں پڑھ سکتے۔ تو ایسے مسلمانوں کے کسی فعل کو بنیاد بنا کر عامۃ المسلمین کی جانب، کسی فعل کی نسبت کیونکر جائز قرار دی جا سکتی ہے چہ جائیکہ اُنہیں کفر و شرک کی آلائشوں میں ملوث کرنے کے لیے ہر حیلے بہانے اپنی کوششوں میں مصروف رہنا۔ اسی لیے شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے اسے "لایعنی ندا" فرمایا۔ اور اسے کفر و شرک کہہ دینے کو جرأت و بیباکی فرمایا۔ ۱۲

۸۵ــ فرماتے ہیں حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کہ "جب تم میں سے کسی

کی کوئی چیز گم ہو جائے یا راہ بھولے اور مدد چاہے اور ایسی جگہ ہو جہاں کوئی ہم دم نہیں، تو اُسے چاہیئے کہ یوں پکارے یا عبادَ اللهِ اَعِینُونِی۔ اے اللہ کے بندو میری مدد کرو۔ اے اللہ کے بندو میری مدد کرو۔ اے اللہ کے بندو میری مدد کرو۔ کہ اللہ کے کچھ بندے ہیں جنہیں یہ نہیں دیکھتا وُہ اس کی مدد کریں گے"۔ (رواہ الطبرانی)

دوسری حدیث میں ہے کہ فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم جب جنگل میں جانور چھوٹ جائے تو یوں ندا کرے "اے اللہ کے بندو! روک دو۔ (ابن السنی)

اور ایک اور حدیث میں ہے کہ فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، یوں ندا کرے مدد کرو اے اللہ کے بندو۔ (ابن ابی شیبۃ) یہ حدیثیں کہ تین صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے روایت فرمائیں، قدیم سے اکابر علمائے دین رحمہم اللہ تعالیٰ کی مقبول و معمول و مجرّب ہیں۔ اور ایسے ہی مضامین پر مشتمل بہت احادیث مروی ہیں مثلاً حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "فضل میرے رحم دل امتیوں کے پاس طلب کرو کہ اُن کے سایے میں چین کرو گے کہ ان میں میری رحمت ہے۔ (ابن حبان)

نیز حضور والا ارشاد فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم "میرے نرم دل امتیوں سے نیکی واحسان مانگو۔ اُن کے ظلِّ عنایت میں آرام کرو گے (حاکم)

انصاف کی آنکھیں کہاں ہیں۔ ذرا ایمان کی نگاہ سے دیکھیں کہ احادیث کریمہ کیسا صاف صاف واشگاف بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نیک امتیوں سے استعانت کرنے، اُن سے حاجتیں مانگنے، اُن سے خیر واحسان طلب کرنے کا حکم دیا کہ وہ تمہاری حاجتیں بکشادہ پیشانی روا کریں گے۔ ان سے مانگو تو رزق پاؤ گے مرادیں پاؤ گے، اُن کے دامن حمایت میں چین کرو گے۔ ان کے سایہ عنایت میں عیش اُٹھاؤ گے"۔ یارب مگر استعانت اور کس چیز کا نام ہے۔ اور اس سے بڑھ کر اور کیا صورتِ استعانت ہوگی۔ پھر حضرات اولیاء سے زیادہ کون سا امتی نیک و رحم دل ہوگا۔ کہ ان سے استعانت شرک ٹھہرا کر، اُن سے حاجتیں مانگنے کا حکم دیا جائیگا۔ مزید کلام آگے آتا ہے۔

الحمدللہ حق کا آفتاب بے پردۂ وحجاب، روشن ہوا۔ مگر وہابیہ کا مونھ، خدا نے مارا ہے انھیں اس عیش چین، آرام، خیر و برکت، سایہ رحمت، دامن رافت میں حصّہ کہاں جس کی طرف مہربان خدا کا مہربان رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے امتیوں کو بلا رہا ہے۔

ہاں مسلمانانِ اہلسنّت، مقلدانِ ائمہ ملّت کو خوشی وشادمانی کہ انہیں محبوبانِ خدا کے سایۂ مرحمت اور دامن خیر و برکت میں، عیش و آرام کا حصّہ وافر ملا۔ اور ان کے مخالفوں کو حسرت و پشیمانی کہ محرومیوں نے اُن پر ڈیرا ڈالا۔ وہ اس قابل کہاں کہ ارواح اولیائے کرام ان پر نظر کرم فرمائیں۔ سُنّت الٰہیہ ہے کو منکر کو محروم رکھتے ہیں۔ حدیث قدسی میں ہے انا عند ظن عبدی بی (میں بندہ سے وہ کرتا ہوں جو بندہ مجھ سے گمان رکھتا ہے۔ جب ان کے گمان میں امداد محال تو ان کے حق میں ایسا ہی ہوگا۔

ع گر بر تو حرامست، حرامت بادا

۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

اور جو اہل خصوصیت ہیں ان کا حال جُدا ہے اور حکم بھی جُدا۔ کہ ان کے حق میں یہ فعل عبادت ہو جاتا ہے۔ جو خواص میں ہوگا۔ خود سمجھ لے گا۔ بیان کی حاجت نہیں۔ یہاں سے معلوم ہو گیا ہے حکم وظیفۂ[۸۶] "یا شیخ عبدالقادر شیئاً للہ" کا۔ لیکن اگر شیخ کو متصرف حقیقی سمجھے تو مُنجر الی الشرک ہے۔ ہاں اگر وسیلہ[۸۷] و ذریعہ جانے، یا ان الفاظ[۸۸] کو بابرکت سمجھ کر خالی الذہن ہو کر پڑھے۔ کچھ حرج نہیں۔ یہی تحقیق ہے اس مسئلہ میں۔

ف۸۶ اور وہ حکم شرعی کیا ہے؟ یہی کہ ان سے توسُّل کرنا، شرعاً جائز و مرغوب و محبوب ہے کہ وہ بارگاہ الٰہی میں ہمارا وسیلہ، ذریعہ اور قضائے حاجات کا ذریعہ

قویہ ہیں۔ امام شیخ الاسلام شہاب رملی انصاری کے فتاوی میں ہے" سُئِلَ عمایقع مِنَ العامۃ مِنْ قولہم عِندَ الشدائد یا شیخ فلان ونحوذلکَ مِنَ الاستغاثۃ الخ یعنی ان سے استفتاء ہوا کہ عام لوگ جو سختیوں کے وقت، انبیاء و مرسلین واولیاء صالحین سے فریاد کرتے اور یارسول اللہ! یا علی! یا شیخ عبدالقادر الجیلانی اور ان کے مثل کلمات کہتے ہیں، یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور اولیاء بعد انتقال بھی مدد فرماتے ہیں یا نہیں؟۔ انہوں نے جواب دیا کہ بے شک انبیاء و مرسلین واولیاء و علما سے مدد مانگنی جائز ہے اور وہ بعد انتقال بھی مدد فرماتے ہیں"۔

علامہ خیرالدین رملی، استاذ صاحب درمختار فتاوائے خیریہ میں فرماتے ہیں قولہم یا شیخ عبدالقادر نداء فما الموجب الحرمۃ۔ لوگوں کا کہنا کہ یا شیخ عبدالقادر، یہ ایک ندا ہے، پھر اس کی حرمت کا سبب کیا ہے۔ سیدی جمال بن عبداللہ بن عمر مکی اپنے فتاوے میں فرماتے ہیں سُئلتُ عمّن یقولُ فی حالِ الشدائد یارسول اللہ، اویا علی اویا شیخ عبدالقادر مثلاً الخ یعنی مجھ سے سوال ہوا اُس شخص کے بارے میں، جو مصیبت کے وقت میں کہتا ہے یارسول اللہ! یا علی! یا شیخ عبدالقادر مثلاً آیا یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ میں نے جواب دیا" ہاں اولیاء سے مدد مانگنی اور انہیں پکارنا، اور ان کے ساتھ توسل کرنا، شرع میں جائز اور پسندیدہ چیز ہے۔ جس کا انکار کرے گا، مگر ہٹ دھرم یا صاحب عناد۔ اور بے شک وہ اولیائے کرام کی برکت سے محروم ہے"۔

خود حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ" جو کسی تکلیف میں مجھ سے فریاد کرے وہ تکلیف رفع ہو۔ اور جو کسی سختی میں میرا نام لے کر ندا کرے وہ سختی دور ہو۔ اور جو کسی حاجت میں، اللہ کی طرف مجھ سے توسل کرے وہ حاجت بر آئے۔ اور جو دو رکعت نماز ادا کرے ہر رکعت میں بعد فاتحہ کے سورۂ اخلاص گیارہ بار پڑھے۔ پھر سلام پھیر کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجے پھر عراق شریف کی طرف گیارہ قدم چلے۔ ان میں میرا نام لیتا جائے اور اپنی حاجت یاد کرے، اُس کی وہ

حاجت روا ہو"۔

اکابر اولیاء کرام و علمائے عظام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اپنی تصانیف جلیلہ میں یہ کلمات رحمت آیات، حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل و روایت فرماتے آئے ہیں۔

وقضائے حاجت کے لیے یہ ایک مجرّب نماز ہے جو علماء و صوفیہ و اولیاء ہمیشہ پڑھتے آئے ہیں اس نماز کا نام صلوٰۃ الاسرار ہے۔ جو امام ابوالحسن نورالدین علی بن جریر لخمی شطنوفی مصنف بہجۃ الاسرار شریف (کہ اعاظم علماء و ائمۂ قرات واکابر اولیاء و سادات طریقت سے ہیں اور حضور غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک صرف دو واسطے رکھتے ہیں) اپنی کتاب بہجۃ الاسرار میں، اور ملا علی قاری و شیخ عبدالحق محدث دہلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہم، حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرتے ہیں۔ اس کی ترکیب یہ ہے کہ بعد نماز مغرب سنتیں پڑھ کر دو رکعت نماز نفل پڑھے اور بہتر یہ ہے کہ الحمد کے بعد ہر رکعت میں گیارہ گیارہ بار قل ہو اللہ پڑھے۔ سلام کے بعد اللہ عزّوجل کی حمد و ثنا کرے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر گیارہ بار درود و سلام عرض کرے (خواہ درود کا صیغہ کوئی بھی ہو) پھر گیارہ بار یہ کہے يَا رَسُوْلَ اللهِ يَا نَبِيَّ اللهِ اَغِثْنِىْ وَاَمْدُدْنِىْ فِىْ قَضَاءِ حَاجَتِىْ يَا قَاضِىَ الْحَاجَات (اے اللہ کے رسول، اے اللہ کے نبی، میری فریاد کو پہنچیے اور میری مدد کیجیے۔ میری حاجت پوری ہونے میں، اے تمام حاجتوں کے پورا کرنے والے) پھر عراق کی جانب گیارہ قدم چلے۔ ہر قدم پر یہ کہے يَا غَوْثَ الثَّقَلَيْن وَيَا كَرِيْمَ الطَّرَفَيْن اَغِثْنِىْ وَامْدُدْنِىْ فِىْ قَضَاءِ حَاجَتِىْ يَا قَاضِىَ الْحَاجَات (اے جن و انس کے فریاد رس اے (ماں باپ) دونوں طرف سے بزرگ۔ میری فریاد کو پہنچیے۔ اور میری مدد کیجیے میری حاجت پوری ہونے میں۔ اے حاجتوں کے پورا کرنے والے) پھر حضور کے توسّل سے اللہ عزّوجل سے توبہ کرے۔

علامہ علی قاری فرماتے ہیں وَقَدْ جُرِّبَ ذَالِكَ مِرَارًا فَصَحَّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ (بے شک یہ بار ہا تجربہ کیا گیا۔ ٹھیک اترا) اللہ کی رضا حضرت شیخ پر

رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

۸۷ شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دو باتیں ارشاد فرمائیں۔ شیخ کو متصرفِ حقیقی سمجھے تو منجر الی الشرک ہے۔ شیخ کو وسیلہ و ذریعہ جانے تو کوئی حرج نہیں۔ ہم ان دو مختصر فقروں کی اجمالی تفصیل پر اکتفاء کرتے ہیں کہ اہل انصاف کے لیے اتنا ہی کافی اور متعسف و معاند کو دفاتر بھی ناکافی۔

استعانت کی دو صورتیں ہیں۔ استعانت حقیقیہ۔ استعانت غیر حقیقیہ۔

استعانت حقیقیہ یہ کہ اُس سے مدد چاہے اُسے قادر بالذات و مالکِ مستقل اور غنی بے نیاز جانے۔ کہ بے عطائے الٰہی وہ خود اپنی ذات سے اس کام کی قدرت رکھتا ہے۔ وہی کارساز حقیقی ہے اور اپنی حد ذات میں کسی کا محتاج نہیں۔ یہ استعانت خواہ بلا واسطہ ہو یا آلات و خدام و احباب کے واسطے سے، ہر طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے کہ وہی مستعانِ حقیقی ہے۔ وہی مالک حقیقی اور کارسازِ حقیقی ہے۔ وہی مسبب الاسباب ہے اور اُسی کے دستِ قدرت میں کارخانۂ عالم کا تمام نظام اسی نے عالم اسباب میں مسبّباب کو اسباب سے مربوط فرما دیا ہے اور اُسی کے حکم سے تمام نتائج، اسباب سے والبتہ ہیں۔

اور اس معنی کے اعتبار سے کسی اور کو مستعان و فریادرس اور کارساز حقیقی جاننا، اور اس معنی کا غیر خدا کے ساتھ اعتقاد رکھنا، ہر مسلمان کے نزدیک شرک ہے نہ ہرگز کوئی مسلمان، غیر خدا کے ساتھ اس معنی کا قصد رکھتا ہے۔

دوسری استعانت غیر حقیقی، کہ جس سے استعانت کی جائے، جس سے آدمی مدد کا خواستگار ہو اور جس کی توجہ و التفات یا حاجت برآری کا خواہاں ہو، اُن سب کو عونِ الٰہی کا مظہر، وصولِ فیض کا ذریعہ اور قضائے حاجات کا وسیلہ و واسطہ جانے، اور یہ قطعاً حق ہے۔ خود ربّ العزۃ تبارک و تعالیٰ نے قرآن عظیم میں حکم فرمایا وَابْتَغُوْا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ۔ اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔ بایں معنی استعانت بالغیر، ہرگز اُس حصر کے منافی نہیں۔ جو اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ سے ہویدا ہے۔ تو اگر کسی بندۂ مقبول و محبوب خدا کو محض رحمتِ الٰہی کا واسطہ اور عونِ الٰہی کا مظہر و وسیلہ جان کر، کسی نعمت کے حصول،

یا کسی مشکل میں دستگیری کے لیے بندۂ مومن، التجا و التماس لائے اور انہیں نہ کارساز حقیقی جانے نہ مستعانِ حقیقی بلکہ ہر چیز میں دستِ قدرت کو کارکن دیکھے۔ تو یہ نہ صرف جائز و مشروع ہے بلکہ اکابرِ دین و ملت اور پاکبازانِ شریعت کا دستور و معمول رہا ہے جس کی ہزارہا مثالیں، کتبِ معتبرہ میں مذکور ہیں۔

اس لیے یہ سمجھنا کہ اولیاء و انبیاء سے مدد چاہنا مطلقاً شرک ہے۔ ایک عقیدۂ باطلہ ہے۔ کیونکہ مقربانِ بارگاہِ الٰہی کی امداد، امدادِ الٰہی ہے۔ اور یہ استعانت درحقیقتِ حق تبارک و تعالیٰ ہی سے استعانت ہے۔ استعانت بالغیر ہرگز نہیں۔ اور نہ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کے ہرگز یہ معنی ہیں۔ کہ عالم اسباب میں رہتے ہوئے اسباب سے قطع نظر کر لیا جائے۔ تو استعانت و فریاد رسی کی حقیقت خاص بخدا ہے۔ اور بمعنیٔ وسیلہ و توسّل و توسّط، غیر کے لیے ثابت اور قطعاً روا ہے۔ بلکہ یہ معنی تو غیر خدا ہی کے لیے خاص ہیں۔ اللہ عزوجل، وسیلہ و واسطہ بننے سے پاک ہے۔ اُس سے اُوپر کون ہے کہ یہ اُس کی طرف وسیلہ ہوگا۔ اور اُس کے سوا حقیقی حاجت روا کون ہے کہ یہ بیچ میں واسطہ بنے گا۔

اہل اسلام انبیاء و اولیا علیہم الصلوٰۃ والسلام سے یہی استعانت کرتے ہیں جو اللہ عزوجلّ سے کیجئے تو اللہ اور اُس کا رسول غضب فرمائیں اور اُسے اللہ جلّ وعلا کی شان میں بے ادبی ٹھہرائیں۔ اور حق تو یہ ہے کہ اس استعانت کے معنی اعتقاد کر کے، جناب الٰہی جلّ وعلا سے کرے تو کافر ہو جائے۔ مگر وہابیہ کی بدعقلی کو کیا کہئے۔ نہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ادب۔ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خوف۔ نہ ایمان کا پاس۔ نہ اسلام کا لحاظ۔ خواہی نخواہی۔ اس استعانت کو بھی اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ میں داخل کر کے، جو اللہ عزوجلّ کے حق میں محال قطعی ہے اُسے اللہ عزوجل سے خاص کئے دیتے ہیں۔ اور اتنا نہیں سمجھتے کہ ہم خدا سے توسّل کر کے، اُسے کسی کے یہاں وسیلہ و ذریعہ اور قضائے حاجات کا واسطہ نہیں بنا سکتے، اسی وسیلہ کو ہم اولیائے کرام سے مانگتے ہیں کہ وہ بارگاہِ الٰہی میں ہمارا وسیلہ و ذریعہ و واسطۂ قضائے حاجات ہو جائیں۔

ایک بے وقوف وہابی نے کہا تھا۔ "وہ کیا ہے جو نہیں ملتا خدا سے، جسے تم مانگتے ہو

اولیائ سے۔

امام اہلسنت امام احمد رضا خاں صاحب قدس سرہ نے اس کا جواب یہ ارشاد فرمایا کہ

؎ توسل کر نہیں سکتے غلط سے ۔۔۔ اُسے ہم مانگتے ہیں اولیاء سے

ایسی بے وقوفی کے ہر سوال کا جواب، اللّٰہ عزّوجل نے اس آیۂ کریمہ میں دیا ہے۔
وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۔ اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم (یعنی گناہ) کر کے تیرے پاس حاضر ہوں، پس اللّٰہ سے معافی چاہیں، اور معافی مانگے ان کے لیے رسول، تو بے شک اللّٰہ تعالیٰ کو، توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔

کیا اللّٰہ تعالیٰ اپنے آپ نہیں بخش سکتا۔ پھر یہ کیوں فرمایا کہ اے نبی تیرے پاس حاضر ہوں اور تو اللّٰہ سے ان کی بخشش چاہے تو یہ دولت و نعمت پائیں گے۔
آیتِ کریمہ صاف فرما رہی ہے کہ حضور صلی اللّٰہ علیہ وسلم نبی توبہ ہیں۔ ان کا دروازۂ کرم توبہ و معذرت کرنے والوں اور بارگاہِ الٰہی میں ان کی شفاعت کے خواستگاروں کے لیے ہمیشہ مفتوح ہے۔ بندوں کو حکم ہے کہ اُن کی بارگاہ میں حاضر ہو کر انہیں بارگاہ ایزدی میں وسیلۂ رحمت الٰہی بنا کر، انہیں شفیع مذنبان مان کر، توبہ و استغفار کریں۔ اللّٰہ تو ہر جگہ سنتا ہے۔ اُس کا علم، اُس کا سمع، اُس کا شہود، سب جگہ ایک سا ہے۔ مگر حکم یہی فرمایا کہ میری طرف توبہ چاہو تو میرے محبوب کے حضور حاضر ہو۔
حضور صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے عالم حیاتِ ظاہری میں یہ حضور، ظاہر تھا۔ حاضری بارگاہ، روشن و ہویدا تھی۔ اب حضور مزار پُر انوار ہے کہ روضۂ انور پہ حاضری دیں۔ اور جہاں یہ بھی میسّر نہ ہو تو دل سے حضور پُرنور صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی طرف توجہ، حضور سے توسّل، فریاد و استغاثہ، اور طلب شفاعت ہے۔ مگر وہابیہ تو عقل نہیں رکھتے۔

خُدارا انصاف! اگر آیۂ کریمہ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ میں، مطلقاً ہر استعانت کا ذاتِ الٰہی جلّ وعلا میں حصر مقصود ہو کہ مطلق استعانت اُسی کے ساتھ مخصوص ہے، تو کیا صرف اولیاء و انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی سے استعانت شرک ہوگی

کیا یہی غیر خدا ہیں۔ اور خدّام واحباب اور سب اشخاص اور آلات و اشیاء، سب وہابیہ کے نزدیک خدا ہیں۔ یا آیت میں خاص انہیں کا نام لے دیا ہے کہ ان سے شرک، اوروں سے روا ہے۔ نہیں نہیں جب مطلقاً ذاتِ احدیت سے استعانت کی تخصیص اور غیر سے شرک۔ ماننے کی ٹھہری، تو کیسی ہی استعانت، کسی غیر خدا سے کی جائے ہمیشہ ہر طرح شرک ہی ہو گی۔ کہ انسان ہوں یا جمادات، احیاء ہوں یا اموات، ذوات ہوں یا صفات، افعال ہوں یا حالات، غیر خدا ہونے میں سب داخل ہیں۔ تو کیا جواب ہے آیۂ کریمہ کا کہ رب عزّوجلّ فرماتا ہے۔ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ۔ "استعانت کرو صبر و نماز سے"۔ کیا صبر خدا ہے جس سے استعانت کا حکم ہوا ہے۔ کیا نماز خدا ہے جس سے استعانت کو ارشاد کیا ہے۔ دوسری آیت میں فرماتا ہے۔ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى۔ "آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرو بھلائی اور پرہیز گاری پر"۔

کیوں صاحب جب غیر خدا سے امداد ملنی مطلقاً محال ہے تو اس حکم الٰہی کا حاصل کیا؟ اور اگر ممکن ہے تو جس سے مدد مل سکتی ہے اُس سے مانگنے میں کیا زہر گھل گیا کہ وہ شرک قرار پایا۔ غرض استعانت بالغیر وہی ناجائز ہے کہ آدمی اُس غیر کو مظہرِ عونِ الٰہی نہ جانے بلکہ اپنی ذات سے اعانت کا مالک اور کارساز حقیقی جان کر، اس پر بھروسا کرے۔ اور اگر مظہرِ عونِ الٰہی اور واسطہ و وسیلۂ رحمت سمجھ کر استعانت کرتا ہے تو شرک و حرمت بالائے طاق، مقامِ معرفت کے بھی خلاف نہیں۔ خود انبیاء و اولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے ایسی استعانت بالغیر کی ہے۔ ولکن الوھابیۃ قوم لا یعقلون۔ ۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

فائدۂ مہمہ :۔ وہابیہ کے اصاغر و اکابر، بیچارے کم علموں کو اکثر دھوکے دیتے ہیں کہ یہ تو زندہ ہیں۔ فلاں عقیدہ یا معاملہ اُن سے شرک نہیں۔ وہ مردہ ہیں اُن سے شرک ہے۔ یا یہ تو پاس بیٹھے ہیں ان سے شرک نہیں۔ وہ دُور

ہیں اُن سے شرک ہے۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ طرح طرح کے بیہودہ وسواس۔ مگر یہ سخت جہالتِ بے مزہ اور جسارت بے لذت ہے۔ جو شرک ہے۔ وہ جس کے ساتھ کیا جائے شرک ہی ہوگا۔ اور ایک کے لیے شرک نہیں تو وہ کسی کے لیے شرک نہیں ہو سکتا۔ کیا اللہ کا شریک مُردے نہیں ہو سکتے، زندے ہو سکتے ہیں۔ دور کے نہیں ہو سکتے پاس کے ہو سکتے ہیں۔ انبیاء و اولیاء نہیں ہو سکتے، حکماء و اطبّا ہو سکتے ہیں۔ انسان نہیں ہو سکتے فرشتے ہو سکتے ہیں۔

حاشا للہ! اللہ کا شریک کوئی نہیں ہو سکتا۔ تو مثلاً جو بات، ذات خواہ کوئی شے، جس اعتقاد کے ساتھ، کسی پاس بیٹھے ہوئے زندہ آدمی سے شرک نہیں، وہ اُسی اعتقاد سے کسی دور والے یا مردے بلکہ اینٹ پتّھر سے بھی شریک نہیں ہو سکتی۔ اور جو ان میں کسی سے شرک ٹھہرے، وہ قطعاً یقیناً تمام عالم سے شرک ہوگی۔

اس استعانت ہی کو دیکھئے کہ جس معنی پر غیر خدا سے شرک ہے یعنی اسے قادرِ بالذات و مالکِ مستقل جان کر مدد مانگنا، بایں معنی اگر دفعِ مرض میں طبیب یا دوا سے استمداد کرے۔ یا حاجتِ فقیر میں امیر بادشاہ کے پاس جائے۔ یا انصاف کرانے کو کسی کچہری میں مقدمہ لڑائے۔ بلکہ کسی سے روزمرّہ کے معمولی کاموں میں مدد لے، جو بالیقین تمام وہابی صاحبان، روزانہ اپنی عورتوں بچوں نوکروں سے کرتے کراتے رہتے ہیں، سب شرکِ قطعی ہے کہ جب یہ جانا کہ اس کام کے کر دینے پر اُنہیں خود اپنی ذات سے، بے عطائے الٰہی قدرت ہے تو صریح کفر و شرک ہونے میں کیا شبہہ رہا۔

اور جس معنی پر ان سب سے استعانت شرک نہیں، یعنی مظہرِ عون الٰہی، و واسطہ و وسیلہ و سبب سمجھنا، اس معنی پر حضرات انبیاء و اولیاء علیہم الصلوٰۃ والثناء سے کیوں شرک ہونے لگی۔ مگر حکیم، سپرنٹ، جج، اولاد نوکر جورو، ان سب کو مظہرِ عون وسبب و وسیلہ جاننا ماننا جائز ہے۔ شیرِ مادر کی مانند حلال ہے۔ اور اِن حضراتِ عالیہ یعنی

انبیاء و اولیاء کو کہ وہ اعلیٰ مظہر، اعظم سبب، افضل وسائل بلکہ منتھی الاسباب و غایۃ الوسائط و نہایۃ الوسائل ہیں۔ انہیں پر تمام اسباب، تمام واسطوں اور تمام وسیلوں کی انتہا ہے، ایسا سمجھنا شرک ہوگیا۔ ہزار تُف بریں بے عقلی و ناانصافی۔ غرض پانی وہیں مرتا ہے۔ کہ جو کچھ غصّہ ہے وہ حضرات محبوبانِ خدا کے بارے میں ہے۔ جورو، یار، بچے، مددگار، نوکر کارگزار، مگر انبیاء اولیاء کا نام آیا اور سر پر شرک کا بھوت سوار ہوا۔ یہ کیا دین ہے کیسا ایمان ہے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

برادرانِ اسلام اس نکتے کو خوب محفوظ و ملحوظ رکھیں۔ جہاں ان چالاکوں، عیاروں کو فرق کرتے دیکھیں کہ فلاں عمل، فلاں عقیدہ، فلاں کے ساتھ شرک ہے۔ فلاں سے نہیں تو بالیقین جان لیں کہ یہ نرے جھوٹے ہیں۔ جب ایک جگہ شرک نہیں تو اُس اعتقاد سے کسی جگہ شرک نہیں ہو سکتا۔ واللہ الھادی الی طریقٍ سَوِیٍّ۔ ۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

(اس مسئلہ کی تفصیل کے لیے دیکھیں نفیس رسالہ لاجواب عجالہ برکات الامداد مصنفہ امام اہلسنت)۔

۸۸ مسلمان دیکھیں کہ مسئلہ ندا میں حضرت شاہ صاحب مسلمانوں کو وہابیہ کے شرک سے بچانے کی کیسی کیسی تدابیر فرما رہے ہیں۔ مگر وہابیہ، انہیں چین و چناں جانتے مانتے ہوئے بھی، کرتے وہی ہیں جو انہیں شیخ نجدی کی محبت نے تقویۃ الایمان کے زہر میں گھول کر پلا دیا۔ ۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

اب بعض علماء اس خیال سے کہ عوام فرقِ مراتب نہیں کرتے اس ندا سے منع کرتے ہیں۔ ان کی نیّت بھی اچھی ہے۔ اِنّما الاعمال بالنیّاتِ (الحدیث) مگر مصلحت یوں ہے کہ اگر ندا کرنے والا سمجھ دار ہو تو اُس پر حُسن ظن کیا جائے [۸۹]۔ اور جو محض عامی جاہل ہو تو اُس سے دریافت کیا جائے

اگر اس کے عقیدے میں کوئی خرابی ہو تو اُس کی اصلاح کر دی جائے۔
اور کسی وجہ سے اصل عمل سے منع کرنا مصلحت ہو تو بالکل روک دیا جائے
لیکن ہر موقع پر اصل عمل سے منع کرنا مفید نہیں ہوتا۔

۸۹ علماء فرماتے ہیں کہ یہ ناپاک اِدّعا ہی کہ بندگانِ خدا، محبوبانِ خدا کو قادر بالذات مالک مستقل اور غنی بے نیاز جان کر اور یہ مان کر استعانت کرتے ہیں کہ وہ بے عطائے الٰہی خود اپنی ذات سے اس کار برآری، اور حاجت روائی و مشکل کشائی پر قدرت رکھتے ہیں۔ ایک ایسی سخت بات ہے جس کی شناعت اور شرعاً مبغوض و معضوب، اشد مکروہ و معیوب ہونے پر اطلاع پاؤ تو مدتوں تمہیں توبہ کرنی پڑے۔ جن پر تم بدگمانی سے یہ الزام تھوپتے ہو وہ مسلمان، صاحب ایمان ہیں، کلمہ گو ہیں اور اہلِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ ہیں۔ اور اہلِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ پر بدگمانی حرام۔ اور اُن کے کلام کو، جس کے صحیح معنی بے تکلف درست ہوں، جن پر نہ عقلاً کوئی گرفت، نہ شرعاً کوئی مواخذہ انہیں خواہی نخواہی معاذ اللہ، پناہ بخدا، معنی کفر کی طرف ڈھال لے جانا قطعاً گناہ کبیرہ ہے۔ حق سبحانہٗ و تعالیٰ فرماتا ہے یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ ۫ اے ایمان والو بہت گمانوں کے پاس نہ جاؤ، بے شک کچھ گمان گناہ ہیں۔

اور فرماتا ہے وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ۫ "پیچھے نہ پڑ اُس بات کے، جو تجھے تحقیق نہیں۔ بیشک کان آنکھ دل سب سے سوال ہونا ہے۔"

اور فرماتا ہے لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَیْرًا ۫ "کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے اُسے سُنا، تو مسلمان مردوں اور عورتوں نے اپنی جانوں یعنی اپنے بھائی مسلمانوں پر نیک گمان کیا ہوتا۔"

اور فرماتا ہے یَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖۤ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۫

"اللہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے کہ اب ایسا نہ کرنا، اگر ایمان رکھتے ہو"۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں"۔ گمان سے بچو کہ گمان سب سے بڑھ کر جھوٹی بات ہے"۔

اور فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم تونے اُس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھا"۔

علمائے کرام فرماتے ہیں کہ جب مسلمان سے کوئی لفظ ایسا صادر ہو، جس میں ۱۰۰ سو پہلو نکل سکیں۔ ان میں ننانوے پہلو کفر کی جانب جاتے ہوں اور ایک اسلام کی طرف، تو جب تک ثابت نہ ہو جائے کہ اُس نے خاص کوئی پہلو، کفر کا مراد لیا ہے، ہم اُسے کافر نہ کہیں گے کہ آخر ایک پہلو اسلام کا بھی تو ہے۔ کیا معلوم شاید اُس نے یہی پہلو یاد رکھا ہو کہ الاسلامُ یَعلُو ولا یُعلیٰ اسلام غالب رہتا ہے اور مغلوب نہیں کیا جاتا"۔

اللہ اللہ! کہاں تو خدا، و رسول جلّ و علا کے احکام کی بنا پر، علمائے کرام کا یہ ارشاد کہ کلمہ گو کے کلام میں اگر ننانوے معنی کفر کے نکلیں اور ایک تاویل اسلام کی پیدا ہو، واجب ہے کہ اُسی تاویل کو اختیار کریں اور اُسے مسلمان ہی ٹھہرائیں۔ اور کہاں بلاوجہ مونھ زوری سے 'صاف' ظاہر، واضح، معلوم و معروف معنی کا انکار کر کے 'اپنی طرف سے ایک ملعون و مردود' اور مصنوع و مطرود احتمال گڑھنا اور اپنے لیے علم غیب اور احوال قلب پر اطلاع کا دعویٰ کر کے، زبردستی وہی ناپاک مراد مسلمانوں کے سر تھوپ دینا۔ قیامت تو نہ آئے گی۔ حساب تو نہ ہوگا۔ اور ان بہتانوں طوفانوں پر بارگاہ قہّار سے مطالبۂ جواب تو نہ ہوگا۔ ہاں ہاں جواب تیار کر رکھو اُس سخت وقت کے لیے، جب مسلمانوں کی طرف سے جھگڑتا آئے گا لا الٰہ الّا اللہ۔

یوں اعتبار نہ آئے تو اپنے شیخ اپنے مرشد، اپنے قائد اپنے رہبر، حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ ہی کی مان کر، اپنے کذب کا امتحان کر لو۔ اہلِ استعانت سے پوچھ دیکھو کہ تم انبیاء و اولیاء علیہم افضل الصلوٰۃ والثناء کو معاذ اللہ خدا یا خدا کا ہمسر، یا قادر بالذات یا معینِ مستقل جانتے ہو کہ وہ بے عطائے الٰہی، اپنی ذات سے اس امداد و اعانت پر قدرت و اختیار رکھتے ہیں۔ یا انہیں اللہ عزّ و جل کے مقبول

بندے، اس کی سرکار میں عزت و وجاہت والے، اس کے حکم سے اُس کی نعمتیں بانٹنے والے مانتے ہو؟ دیکھو تو سہی کہ تمہیں کیا جواب ملتا ہے۔ سوچو تو سہی کہ پھر دنیا و آخرت میں تمہیں شرمندگی و حسرتِ نامرادی کے سوا کچھ اور بھی ہاتھ آئے گا۔

امام علامہ خاتمۃ المجتہدین، تقی الملۃ والدین، فقیہہ محدث، ناصر السنۃ ابوالحسن علی بن عبدالکافی سبکی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کتاب مستطاب شفاء السقام میں استمداد واعانت کو بہت احادیثِ صریحہ سے ثابت کر کے ارشاد فرماتے ہیں کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد مانگنے کا یہ مطلب نہیں کہ حضور کو خالق اور فاعل مستقل ٹھہراتے ہوں یہ تو کوئی مسلمان ارادہ نہیں کرتا۔ تو اس معنی پر کلام کو ڈھال کر استعانت سے منع کر دینا" من باب التلبیس فی الدین والتشویش علی عوام الموحدین"۔ دین میں مغالطہ دینا اور عوام مسلمانوں کو پریشانی میں ڈالنا ہے"۔

ایمان سے کہنا اور خدا لگتی کہنا کہ کسی دلیل شرعی کے بغیر، تمہاری بات معتبر ہوگی یا ان اکابر اہلسنت کا یہ ارشاد واجب الاتباع والقبول ہوگا کہ حقیقۃً یہ استعانت و فریاد اللہ عزّوجل کے حضور ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاء و اولیاء، اُس کے اور اس فریادی کے بیچ میں وسیلہ و واسطہ ہیں۔ مگر ہے یہ کہ وہابیہ کے پاس، حیا نام کی کوئی چیز نہیں۔ حیا اُن کے پاس سے نہ گزری۔ (برکات الامداد وغیرہ) ۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

ایک بات کہ وہ بھی بہت جگہ کار آمد ہے یاد رکھنے کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عمل فاسد میں مبتلا ہو اور قرائنِ قویہ سے یقین ہو کہ یہ شخص اصل عمل کو ترک نہ کرے گا تو اس موقع پر، نہ تو اصل عمل کے ترک کرنے پر اُس کو مجبور کرے کہ بجز فساد و عناد کوئی ثمرہ نہیں۔ نہ اس کو بالکل مہمل و مطلق العنان چھوڑ دے کہ شفقت اور اخوتِ اسلامی کے خلاف ہے۔ بلکہ اصل عمل کی اجازت دے کر، اُس میں جو خرابی ہو، اس کی اصلاح کر دے۔ کہ اس میں امید قبول اغلب ہے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ

کا حکم ہے۔ ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ الآیہ

۹۰ مخلوقِ خدا کو، ہدایت و رشد کی طرف بلانا، ایک مہتم بالشان امر ہے اور اس کی بجا آوری کے لیے ارشادِ ربانی ہے "کہ اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ پکی تدبیر اور اچھی نصیحت سے اور اُن سے اس طریقے پر بحث کرو جو سب سے بہتر ہو"۔

تبلیغِ حق و ترغیب الی الحق کے وہ آداب و طرق، جو وحشت زدہ گمراہوں، اور بلائے معصیت میں گرفتار، کجرووں کو، حق و صواب کی منزلوں تک پہنچائیں، صاف صاف آیۂ کریمہ میں بیان فرمائے گئے کہ تین ہیں۔

الحکمۃ[۱] یعنی وہ علمی دلائل، جو حق کو روزِ روشن کی طرح، آشکار کر دیں۔ اور شکوک و شبہات کی تاریکیوں کو نورِ ہدایت سے بدل سکیں۔

الموعظۃ الحسنۃ[۲] یعنی ایسی پند و نصیحت جو حق و صواب، اور خیر و فلاح کی یاددہانی اس اسلوب سے کرائے کہ پتھر دل بھی موم ہو جائیں۔ بالفاظِ دیگر ترغیب و ترہیب سے ان کے جذباتِ اعلیٰ ابھارے، کہ حق کی جانب ان کا میلانِ قلب زیادہ سے زیادہ بڑھے۔

التی ھی احسن[۳]۔ یعنی جب بحث آ ہی پڑے تو اندازِ خطاب شائستگی سے معمور، اور طریقِ گفتگو اخلاقِ حسنہ سے بھرپور ہو کہ مخاطب کے دل میں گھر کر جائے۔

تفسیر ضیاء القرآن میں فرمایا کہ "ایک نادان اور غیر تربیت یافتہ مبلغ اپنی دعوت کے لیے، اس دعوت کے دشمنوں سے بھی زیادہ ضرر رساں ہو سکتا ہے، اگر اس کے پیش کیے ہوئے دلائل بودے اور کمزور ہوں گے۔ اگر اس کا اندازِ خطاب درشت اور معاندانہ ہو گا۔ اگر اس کی تبلیغ اخلاص و للّٰہیت کے نور سے محروم ہو گی تو وہ اپنے سامعین کو اپنی دعوت سے متنفر کر دے گا۔ کیونکہ اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا انحصار، تبلیغ اور فقط تبلیغ پر ہے۔ اس کو قبول کرنے کے لیے نہ کوئی رشوت پیش کی جاتی ہے

اور نہ جبر و اکراہ سے کام لیا جاتا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ایمان، ایمان ہی نہیں جس کے پس پردہ، کوئی دنیاوی لالچ یا خوف وہراس ہو۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے خود اپنے محبوب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوتِ اسلامی کے آداب کی تعلیم دی۔ اس آیت کا ایک ایک لفظ غور طلب ہے۔ دینِ اسلام کو سَبِیْلِ رَبِّکَ کے عنوان سے تعبیر کر کے، اس امر کی طرف توجہ دلائی کہ یہ دعوت کسی سیاسی جتھہ بندی کے لیے، کسی معاشی گروہ سازی کے لیے نہیں دی جارہی، بلکہ اس راستہ کی طرف بلایا جارہا ہے جو بندے کو اپنے مالکِ حقیقی کی طرف لے جاتا ہے۔ جو دوری اور بیگانگی کے صحراؤں سے نکال کر قرب ولطف کی منزل تک پہنچانے والا ہے۔ (لہٰذا) تمہارا اندازِ خطاب ایسا ہونا چاہیئے جس کے لفظ لفظ سے اخلاص ومحبت کے چشمے اُبل رہے ہوں اور تمہاری آواز کا زیروبم، شفقت وپیار کا آئینہ دار ہو۔ تمہارے پیش نظر فقط حق کی سربلندی ہو۔ تو جب تک کوئی مبلّغ ان خوبیوں سے متصف نہ ہو اُسے اُس میدان میں قدم نہ رکھنا چاہیئے۔ اس معیار پہ پورا اُترنے کے لیے علم وآگاہی کی وسعتوں کے علاوہ مکارمِ اخلاق اور محاسن خصائل سے مزیّن ہونا بھی ضروری ہے۔ اور یہ نعمت کسی صاحبِ دل کی صحبت سے حاصل ہوسکتی ہے۔" انتہی

غور فرمایئے! کہ آج کل وہابیہ نجدیہ نے قریہ قریہ، بستی بستی، جو تبلیغ کا جال پھیلایا ہے۔ ان میں کتنے ہیں جو اس معیار پر پورے اُتریں۔ ۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

اور رسوم [۹۱] جاہلیت کے شیوع کے جو احکام شرعیہ مقرر ہوئے ہیں ان میں غور کرنے سے اس قاعدے کی تائید ہوتی ہے۔ مشرب اس فقیر کا یہ ہے کہ ایسی ندا میرا معمول نہیں۔ ہاں [۹۲] بعض اشعار میں ذوق وشوق سے صیغۂ ندا برتا گیا۔ اور عمل درآمد وہی رکھنا چاہیئے جو اوپر تین مسئلوں میں بیان ہوا۔

۹۱ ؎ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ کسی کو گناہ کرتے دیکھے تو نہایت متانت اور نرمی سے اُسے

منع کرے اور اُسے اچھی طرح سمجھائے۔ پھر اگر اس طریقے سے کام نہ چلا اور وہ شخص باز نہ آیا تو اب سختی سے پیش آئے۔ اُسے سخت سُست کہے۔ مگر گالی نہ دے۔ نہ فحش لفظ زبان سے نکالے۔ اور اس سے بھی کام نہ چلے تو جو اپنے اثر ورسوخ یا قوتِ بازو سے روک سکتا ہے روک دے۔ مثلاً وہ شراب پی رہا ہے تو شراب بہادے۔ برتن توڑ پھوڑ ڈالے۔ گاتا بجاتا ہے تو باجے توڑ ڈالے۔

پھر رسومِ جاہلیت یا منکراتِ شرعیہ کو مٹانے اور ختم کرنے کے لیے بھی پانچ چیزوں کی ضرورت ہے۔ اوّل علم کہ جسے علم نہ ہو اس کام کو اچھی طرح انجام نہیں دے سکتا۔ دوم اس سے مقصود رضائے الٰہی واعلاءِ کلمۃ اللہ ہو۔ سوم جس کو حکم دیتا ہے اُس کے ساتھ شفقت و مہربانی سے پیش آئے۔ چہارم امر کرنے والا صابر و بُردبار ہو کہ اذیت کو سنجیدگی سے برداشت کر سکے۔ پنجم یہ شخص خود اُس پر عامل ہو۔ ورنہ قرآن کے اس حکم کا مصداق بن جائے گا۔ کہ "کیوں کہتے ہو وہ بات، جس کو تم خود نہیں کرتے۔ اللہ کے نزدیک ناخوشی کی بات ہے یہ کہ ایسی بات کہو جس کو خود نہ کرو"۔ اور یہ بھی قرآن مجید میں فرمایا کہ "کیا لوگوں کو تم اچھی بات کا حکم کرتے ہو اور خود اپنے آپ کو بھولے ہوئے ہو۔ (عالمگیری)

۹۲ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ مناسکِ حج اور زیارتِ روضۂ اطہر سے فراغت پاکر ہندوستان واپس تشریف لے آئے تو اپنے اشتیاقِ قلبی کو ان اشعار میں ظاہر فرمایا:۔

ذرا چہرے سے پردے کو اُٹھاؤ یارسول اللہ ‏ مجھے دیدار تم اپنا دکھاؤ یارسول اللہ

کرو روئے منوّر سے مری آنکھوں کو نورانی ‏ مجھے فرقت کی ظلمت سے بچاؤ یارسول اللہ

اگرچہ نیک ہوں یابد، تمہارا ہو چکا ہوں میں ‏ بس اب چاہے ہنساؤ یا رُلاؤ یارسول اللہ

پھنسا ہوں بے طرح گردابِ غم میں ناخدا ہو کر ‏ مری کشتی کنارے پر لگاؤ یارسول اللہ

اگرچہ ہوں نا قابل وہاں کے، پر امید ہے تم سے
کہ پھر مجھ کو مدینے میں بلاؤ یا رسول اللہ

جہاز امت کا حق نے کر دیا ہے آپ کے ہاتھوں
بس اب چاہے ڈباؤ یا تراؤ یا رسول اللہ

پھنسا کر اپنے دام عشق میں امدادِ عاجز کو
بس اب قیدِ دو عالم سے چھڑاؤ یا رسول اللہ

خود مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی، جنہیں وہابیہ کے اکابر و اصاغر نے اپنا سر و سر تاج مانا ہے۔ اور جو آج بھی وہابیۂ دیوبندیہ کے معتمد علیہ اور مسلم الثبوت اکابر میں شمار ہوتے ہیں اپنے ایک قصیدے میں لکھتے ہیں:۔

اگر جواب دیا بیکسوں کو تو نے بھی
تو کوئی اتنا نہیں، جو کرے کچھ استفسار

کروڑوں جرم کے آگے، یہ نام کا اسلام
کریگا یا نبی اللہ کیا یہ میری پکار

بہت دلوں سے تمنا ہے کیجئے عرض حال
اگر ہو اپنا کسی طرح تیرے در تک بار

مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا
نہیں ہے قاسم بیکس کا کوئی حامی کار

منکرین ندا غور سے ان اشعار کو دیکھیں۔ ان میں خطاب بھی ہے، ندا بھی ہے اور استمداد و استعانت بھی۔ اگر یہ سب کچھ جائز ہے تو پھر مسلمانانِ اہلسنت پر، وہ فتوی شرک کیسا؟ اور شرک ہے تو پھر ان پر حکم شرک جڑنے میں تامل کیا؟

یہ حضرات کہ حضور سے مانگ رہے ہیں۔ حضور سے عرض کر رہے ہیں، فریاد کر رہے ہیں کہ یوں کر دیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کنندہ، پناہ دہندہ وغیرہ وغیرہ کہہ رہے ہیں، کیا ان کے لیے یہ سب کچھ جائز و روا۔ اور غریب مسلمان کریں تو اُن پہ وار پہ وار، شرک و کفر کے فتوؤں کی بھرمار۔ اور یہ تاویل و اعتذار کہ ان صاحبوں کا

خطاب و ندا کرنا، غلبۂ شوق و وفور محبت سے تھا لہٰذا جائز ہے۔ اور عوام جو خطاب و ندا کرتے ہیں وہ انبیاء و اولیاء کو مستعان حقیقی اور مستقل ذاتی سمجھ کر کرتے ہیں " ایک جیتا جاگتا فریب و مغالطہ اور وہابیہ کا مہمل و بے معنی فلسفہ ہے۔ اور وہی مسلمان پر بہتان تراشی وافترا پردازی اور بدگمانی ہے جو شرعاً حرام ہے۔ مگر اسے کیا کیا جائے کہ وہابیت کی بنیاد ہی اس بدگمانی پر رکھی گئی ہے اور نجدیت کے ناپاک دھرم کی بھی اساس و خشتِ اول ہے۔ ایسے لوگوں ہی کے لیے کہا گیا ہے۔

نیم ملا خطرۂ ایمان

کیا غلبۂ شوق و جذبۂ محبت میں، عامۃ المسلمین کا کوئی حصہ نہیں، یا اس دولتِ بیش بہا و خزینۂ لازوال کی تقسیم، کارکنانِ قضا و قدر نے، ان منکروں کے ہاتھ میں رکھی ہے کہ جسے چاہیں دیں اور جسے نہ چاہیں اُسے روک لیں۔ اور جب یہ بھی نہیں، وہ بھی نہیں، تو پھر یہ جزم کیسا، اس حتمی حکم کے معنی کیا ہیں اور اس فتوائے شرک کا باعث کیا۔ وہابیہ شاید اس نکتہ سے واقف نہ ہوں کہ جب شوق کا غلبہ ہوتا ہے تو مطلوب، ندا کرنے والے کے شعور میں موجود اور حاضر فی الذہن ہوتا ہے اور خطاب کا باعث یہی مطلوب کا حضورِ ذہنی ہے۔ یہی تصورِ مطلوب، اُسے خطاب پر اُبھارتا اور ندا پر آمادہ کرتا ہے۔ عوام کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ اور خواص کے غلبۂ شوق کا اندازہ، تو سچی بات ہے وہی لگا سکتے ہیں۔ جنہیں اس چاشنی سے کچھ حصہ ملا ہے۔ نماز میں التحیات کے وقت خطاب و ندا کے سلسلہ میں جو کچھ گذشتہ اوراق میں لکھا گیا ہے۔ قارئین ایک مرتبہ پھر اُسے دیکھ لیں۔

محمد خلیل عفی عنہ ۱۲

فائدۂ جلیلہ

یہ وہی نانوتوی صاحب ہیں جو خاتم النبیین کے معنی، سب میں پچھلا نبی ہونے کو فرماتے ہیں کہ "جاہلوں کا خیال ہے" اہل فہم کا نہیں۔ اُسے فضیلت میں کچھ دخل نہیں۔ ایسے دیسوں کے اوصاف کی طرح ہے۔ یہ معنی ہوں تو اللہ فضول گو ہو "قرآن بے ربط ہو" لیکن ہر مسلمان جانتا ہے کہ خاتم النبیین کے یہی معنی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آخری نبی ہیں۔ یہی صحابہ و تمام امت نے سمجھے۔ یہی خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے متواتر حدیثوں میں بتائے۔ غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و صحابۂ کرام مفسرین و اولیاء و علمائے عظام، سب سے لے کر آج تک خاتم النبیین کے یہی معنی بتائے، سمجھائے اور مانتے جا رہے ہیں تو قطعاً یہی مراد آیت ہیں۔ یہ معنی اور ان معنی کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ فضائلِ علیہ میں ہونا ضروریاتِ دین سے ہے۔ تو ان میں فضیلت سے انکار، قطعاً ضروریاتِ دین کا انکار، اور حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں سخت توہین اور شدید تنقیص ہے۔ پھر نانوتوی صاحب کے نزدیک تمام امت و صحابہ اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم معاذ اللہ جاہل و نافہم ہوئے اور اللہ فضول گو۔ اور قرآن کریم بے ربط۔ یہ کفر در کفر صد ہا کفر ہے۔ پھر صاف اقرار کیا کہ اُس معنی متواتر کو جو تمام امت نے سمجھے، جاہلوں کا خیال بنا کر، جو معنی نانوتوی صاحب نے گڑھے وہ خود ان کی ایجاد ہیں۔ اکابر کا فہم ان تک نہ پہنچا اور اُس کا عذر کم التفاتی گڑھا۔ یعنی صحابہ کرام سے لے کر آج تک جملہ اکابر نے عقیدۂ ضروریہ دینی ایمانی کی طرف کم التفاتی کی جس کے سبب اُس کے سمجھنے میں غلطی کھائی۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

(تفصیل کے لیے دیکھیں رسالۂ مبارک الاستمداد) ۱۲

ایمان افروز چند حکایات

۱۔ امام ابن جوزی نے کتاب عیون الحکایات میں، تین اولیائے عظام کا عظیم الشان واقعہ بسند مسلسل روایت کیا کہ وہ تین بھائی، سواران دِلاور، ساکنانِ شام تھے۔ کہ ہمیشہ راہِ خدا میں جہاد کرتے۔ ایک بار نصارائے روم انہیں قید کر کے لے گئے۔ بادشاہ نے کہا میں تمہیں سلطنت دونگا اور اپنی بیٹیاں تمہیں بیاہ دونگا۔ تم نصرانی ہو جاؤ۔" انہوں نے نہ مانا اور ندا کی یا محمداہ۔ بادشاہ نے دیگوں میں تیل گرم کرا کر، دو صاحبوں کو اُس میں ڈال دیا۔ تیسرے کو اللہ تعالیٰ نے ایک سبب پیدا فرما کر بچا لیا۔ کہ ایک رومی سردار نے اُسے اپنی تحویل میں لے کر اپنی بیٹی کے سپرد کر دیا۔ کہ اُسے اپنے حسن و شباب کے ذریعہ نصرانیت کی طرف مائل کرے۔ مگر وہ لڑکی اس کی دیانت و پاک دامنی سے متاثر ہو کر، خود ہی مسلمان ہو گئی۔ اور دونوں گھوڑوں پر سوار ہو کر وہاں سے دوسری جگہ کے لیے روانہ ہو گئے، اور دشمنوں کی نگاہ سے دور و مستور رہے۔ یہاں تک وہ دونوں بھائی باذنہٖ تعالیٰ چھ ماہ کے بعد مع ایک جماعتِ ملئکہ کے بیداری میں اُن کے پاس آئے اور فرمایا، اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمہاری شادی میں شریک ہونے کو بھیجا ہے۔ انہوں نے حال پوچھا فرمایا مَا كَانَتْ اِلَّا الْغَطْسَةَ الَّتِيْ رَأَيْتَ حَتّٰى خَرَجْنَا فِي الْفِرْدَوْسِ بس وہی تیل کا ایک غوطہ تھا جو تم نے دیکھا۔ اس کے بعد ہم جنّتِ اعلیٰ میں تھے۔"

امام ابن جوزی فرماتے ہیں كَانُوْا مَشْهُوْرِيْنَ بِذٰلِكَ مَعْرُوْفِيْنَ بِالشَّامِ فِي الزَّمَنِ الْاَوَّلِ۔" یہ حضرات زمانۂ سلف میں شام میں مشہور تھے اور ان کا یہ واقعہ معروف"۔ پھر فرمایا شعراء نے ان کی منقبت میں قصیدے لکھے از انجملہ

یہ بیت ہے ؂

سَیُعْطَی الصّٰدِقِیْنَ بِفَضْلِ صِدْقٍ
نجاۃ فی الحیٰوۃ و فی المماتِ

"قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ سچے ایمان والوں کو اُن کے سچ کی برکت سے حیات و موت میں نجات بخشے گا۔"

یہ واقعہ عجیب نفیس و روح پرور ہے۔ بخیالِ تطویل اسے مختصراً لکھا گیا۔ تمام و کمال امام جلال الدین سیوطی کی شرح صدور میں ہے۔ تفصیل درکار ہو تو اُس کا مطالعہ کریں۔ یہاں مقصود اس قدر ہے کہ مصیبت میں بہ نیت استعانت و فریاد رسی یا رسول اللہ، یا علی، یا شیخ عبدالقادر الجیلانی اور ان کے مثل کلمات کہنا، اگر شرک ہے۔ جیسا کہ طائفہ وہابیہ نجدیہ کا مذہب نامہذب کہتا ہے۔ تو مشرک کی مغفرت و شہادت کیسی؟ کہ یہ دونوں نعمتیں تو ایمان پر مُترتب ہیں۔ اور جنّت الفردوس میں جگہ پانی، کیا معنی۔ کہ مشرک ہرگز جنّت میں نہ جائے گا۔ ابدالآباد تک جہنّم میں پڑا سزا پاتا رہیگا۔ اور ان کی شادی میں فرشتوں کو بھیجنا کیونکر معقول کہ یہ بربنائے اکرام ہے۔ اور مشرک کسی اکرام کا مستحق نہیں۔ اگر کہیئے کہ یہ صرف ایک حکایت ہے۔ صدق و کذب ہر دو معنی کا احتمال رکھتی ہے۔ اس لیے اسے سند و دلیل بنانا، بے سند و بلا دلیل بات ہے۔" تو جانِ برادر، ان ائمہ دین نے، جن کی جلالتِ شان، عالم آشکارہ ہے، یہ روایت کیونکر مقبول، اور ان کی شہادت و ولایت، کس وجہ سے مُسلّم رکھی۔ کیا انہیں علم و شعور اور فہم و آگاہی میں وہ مقام بھی حاصل نہ تھا جو آج کے ان نو آموز ملّاؤں کو میسّر ہے۔

پھر وہ مردان خدا خود بھی سلفِ صالح میں تھے کہ یہ واقعہ شہر طرطوس کی آبادی سے پہلے کا ہے۔ اور طرطوس ایک ثغر ہے یعنی دارالاسلام کی سرحد کا شہر۔ جسے خلیفہ ہارون رشید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے آباد کیا۔ کما ذکرہ الامام السیوطی فی تاریخ الخلفاء۔ ہارون رشید کا زمانہ، زمانہ تابعین و تبع تابعین تھا۔ تو یہ تینوں شہدائے کرام اگر تابعی نہ تھے، لااقلّ تبعِ تابعین سے تھے۔

۲ - امام عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی، کتاب مستطاب "لواقح الانوار فی طبقات الاخیار" میں فرماتے ہیں کہ "سیدی محمد غمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک مرید، بازار میں تشریف لیے جاتے تھے۔ اُن کے جانور کا پاؤں پھسلا۔ بآواز پکارا یاسیدی محمد غمری! ادھر ابن عمر حاکم سعید کو بحکم سلطان چقمق قید کیلئے لئے جاتے تھے۔ ابن عمر نے فقیر کا ندا کرنا سنا تو پوچھا "یہ سیدی محمد کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا "میرے شیخ"۔ کہا میں ذلیل بھی کہتا ہوں۔ "یاسیدی محمد غمری لاحِظنی"! "اے میرے سردار، اے محمد غمری مجھ پر نظر عنایت کیجئے"۔ اُن کا یہ کہنا تھا کہ حضرت سیدی محمد غمری تشریف لائے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اور اُن کی مدد فرمائی کہ بادشاہ اور اس کے لشکریوں کی جان پر بن گئی۔ مجبورانہ ابن عمر کو خلعت دیکر رخصت کیا۔

۳ - اُسی میں ہے سیدی شمس الدین محمد حنفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے حجرہ خلوت میں وضو فرما رہے تھے۔ ناگاہ ایک کھڑاؤں ہوا پر پھینکی کہ غائب ہو گئی۔ حالانکہ حجرے میں کوئی راہ اس کے ہوا پر جانے کی نہ تھی۔ دوسری کھڑاؤں اپنے خادم کو عطا فرمائی کہ اسے اپنے پاس رہنے دے۔ جب تک وہ پہلی واپس آئے۔ ایک مدت کے بعد ملک شام سے ایک شخص وہ کھڑاؤں مع اور ہدایا کے حاضر لایا اور عرض کی کہ اللہ تعالیٰ حضرت کو جزائے خیر دے۔ جب چور میرے سینہ پر، مجھے ذبح کرنے بیٹھا میں نے اپنے دل میں کہا یاسیدی محمد یاحنفی! اُسی وقت یہ کھڑاؤں غیب سے آکر اُس کے سینے پر لگی کہ غش کھاکر الٹا ہو گیا اور مجھے بہ برکت حضرت، اللہ عزوجل نے نجات بخشی۔

اس واقعہ میں ان کا دل میں ندا کرنا۔ اور ان حضرت کا سُن لینا، اور باذنہ الٰہی اپنی کھڑاؤں کا ہوا میں اچھال دینا، اور کھڑاؤں کا فضا میں اڑکر وہاں تک پہنچ جانا، یہ سب باتیں، دل نشین کرنے کے قابل ہیں۔

۴ - اُسی میں ہے۔ ولی ممدوح (سیدی شمس الدین محمد حنفی) قدس سرہ کی زوجہ مقدسہ بیماری سے قریب المرگ ہو گئیں۔ وہ یوں ندا کرتی تھیں "یاسیدی احمد یابدوی خاطرک معی"۔ اے میرے سردار اے احمد بدوی حضرت کی توجہ میرے ساتھ ہو"۔

ایک دن سیدی احمد کبیر بدوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں "کب تک مجھے پکارے گی اور مجھ سے فریاد کرے گی۔ تو جانتی نہیں کہ تو ایک بڑے صاحبِ تمکین و تصرف اور بڑے باثر و اختیار (یعنی اپنے شوہر) کی حمایت میں ہے۔ اور جو کسی ولی کبیر کی درگاہ میں ہوتا ہے ہم اُس کی ندا پر اجابت نہیں کرتے۔ یوں کہہ یا سیدی محمد یا حنفی۔ کہ یہ کہے گی تو اللہ تعالیٰ تجھے عافیت بخشے گا۔" ان بی بی نے یوں ہی کہا۔ صبح کو خاصی تندرست اٹھیں۔ گویا کبھی مرض نہ تھا۔

سُبحَانَ اللہ! فریاد رسی اور مشکل کشائی کی یہ بھی ایک صورت ہے کہ خود حاجت روائی نہیں فرماتے تو دوسرے حاجت روا تک رہنمائی فرما دیتے ہیں۔

یہی حضرت ممدوح رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے مرضِ موت میں فرماتے تھے کہ جسے کوئی حاجت ہو وہ میری قبر پہ حاضر ہو کر حاجت مانگے۔ میں روا فرما دونگا۔ کہ مجھ میں تم میں یہی ہاتھ بھر مٹی حائل ہے۔ اور جس مرد کو اتنی مٹی اپنے اصحاب سے حجاب میں کر دے وہ مرد کاہے کا۔ اسی طرح حضرت محمد بن احمد فرغل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احوال شریفہ میں لکھا ہے۔ کہ آپ فرمایا کرتے تھے میں ان میں ہوں جو اپنی قبور میں تصرّف فرماتے ہیں۔ جسے کوئی حاجت ہو، میرے پاس، میرے چہرۂ انور کے سامنے حاضر ہو کر مجھ سے اپنی حاجت کہے میں روا فرما دونگا۔" سچ فرمایا اے محبوبِ بارگاہ حق آپ نے۔ محبوبانِ خدا کی یہی شان ہے لیکن وہابیت اس کے فہم سے قاصر ہے۔

۵۔ اسی میں مروی ہوا ایک بار حضرت سیدی مدین بن احمد اشمونی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وضو فرماتے میں ایک کھڑاؤں بلادِ مشرق کی طرف پھینکی۔ سال بھر کے بعد ایک شخص حاضر ہوئے وہ کھڑاؤں ان کے پاس تھی۔ انہوں نے حال عرض کیا کہ جنگل میں ایک بد وضع و بد قماش نے اُن کی صاحبزادی پر دست درازی چاہی۔ لڑکی کو اُس وقت اپنے باپ کے پیر و مرشد سیدی مدین بن احمد کا نام معلوم نہ تھا۔ لہٰذا اُس نے یوں ندا کی یا شیخ اَبی لَاحِظْنِی اے میرے باپ کے پیر مجھے بچائیے۔" یہ ندا کرتے ہی وہ کھڑاؤں آئی اور لڑکی نے نجات پائی۔ وہ کھڑاؤں اُن کی اولاد میں اب تک موجود ہے۔"

سُبحان اللہ! اولیائے کرام کے لیے زمان ومکان کے فاصلے تو بے شک کوئی چیز نہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ اُن کے جسم سے شرفِ اتصال پا جانے والی، کھڑاؤں جیسی چیز، یہ آن کی آن میں اتنے دور دراز فاصلے کیسے طے کر گئی۔ بے شک یہ حضرات بلکہ ان سے منتسب ومنسوب اشیاء، وسیلہ وذریعہ ہیں رحمت الٰہی کا۔ اور بے شک وہ حضرات گرامی مظاہر ہیں عون الٰہی کے اسی کتاب مستطاب میں سیدی موسیٰ ابو عمران رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ذکر میں فرمایا کہ جب اُن کا مرید، جہاں کہیں سے اُنھیں ندا کرتا، جواب دیتے اگرچہ سال بھر کی راہ پر ہوتا۔ یا اس سے بھی زائد۔"

حضور پُر نور جگر پارۂ شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ فعلیہ وبارک وسلّم وشرَّف وکرَّم ارشاد فرماتے ہیں: "جو کسی مصیبت میں مجھ سے فریاد کرے وہ مصیبت دور ہو۔ اور جو کسی سختی میں میرا نام لے کر ندا کرے وہ سختی رفع ہو۔ اور جو اللہ عزّ وجل کی طرف کسی حاجت میں مجھے وسیلہ کرے وہ حاجت پوری ہو۔ (الانوار الانتباہ وغیرہ) ۱۲

۶۔ امام اجل سید ابو الحسن نور الملۃ والدین علی بن یوسف بن جریر لخمی شطنوفی قدس سرہ العزیز اپنی کتاب مستطاب بہجۃ الاسرار شریف میں محدثانہ اسانیدِ صحیحہ معتبرہ سے روایت فرماتے ہیں کہ "ہم سے ابو العفاف موسیٰ بن عثمان بن موسیٰ بقاعی نے ۶۶۳ھ میں شہر قاہرہ میں حدیث بیان کی کہ ہمیں ہمارے والد ماجد عارف باللہ ابو المعانی عثمان نے ۶۱۴ھ میں شہر دمشق میں خبر دی کہ ہمیں دو ولیٔ کامل حضرت ابو عمرو عثمان صریفینی وحضرت ابو محمد عبد الحق حریمی نے ۵۵۹ھ میں بغداد مقدس میں خبر دی کہ ہم ۳ صفر بروز یک شنبہ ۵۵۵ھ میں حضور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دربار میں حاضر تھے۔ حضور نے وضو کر کے کھڑاویں پہنیں اور دو رکعتیں پڑھیں۔ بعد سلام ایک عظیم نعرہ فرمایا اور ایک کھڑاؤں ہوا میں پھینکی۔ پھر دوسرا نعرہ فرمایا اور دوسری کھڑاؤں پھینکی۔ وہ دونوں ہماری نگاہوں سے غائب ہو گئیں۔ پھر تشریف فرما ہوئے ہیبت کے سبب کسی کو پوچھنے کی جرأت نہ ہوئی۔ ۲۳ دن کے بعد عجم سے ایک قافلہ حاضرِ بارگاہ ہوا اور کہا کہ ہمارے پاس حضور کی ایک نذر ہے۔ ہم نے حضور سے

اُس نذر کے لینے میں اذن طلب کیا۔ حضور نے فرمایا لے لو۔ انہوں نے ایک من ریشم اور خز کے تھان اور سونا، اور حضور کی وہ کھڑاویں، جو اُس روز ہوا میں پھینکی تھیں، پیش کیں۔ ہم نے ان سے کہا یہ کھڑاویں تمہارے پاس کہاں سے آئیں۔ کہا۔ ۳ صفر بروز یک شنبہ ہم سفر میں تھے۔ کہ کچھ راہزن جن کے دو سردار تھے، ہم پر آپڑے ہمارے مال لوٹے اور کچھ آدمی قتل کیے۔ اور ایک نالے میں مال تقسیم کرنے کو اُترے۔ نالے کے کنارے ہم تھے۔ ہم نے کہا بہتر ہے کہ ہم اس وقت حضور غوث اعظم کو یاد کریں اور نجات پانے پر حضور کے لیے کچھ مال نذر مانیں۔ ہم نے حضور کو یاد کیا ہی تھا کہ دو عظیم نعرے سُنے۔ جن سے جنگل گونج اُٹھا اور ہم نے راہزنوں کو دیکھا کہ ان پر خوف چھا گیا۔ ہم سمجھے ان پر کوئی اور ڈاکو آپڑے۔ یہ آکر ہم سے بولے آؤ اپنا مال لے لو۔ اور دیکھو ہم پر کیا مصیبت پڑی۔ پھر ہمیں اپنے دونوں سرداروں کے پاس لے گئے۔ ہم نے دیکھا وہ دونوں مرے پڑے ہیں اور ہر ایک کے پاس ایک کھڑاؤں پانی سے بھیگی رکھی ہے۔ ڈاکوؤں نے ہمارے سب مال ہمیں پھیر دیئے اور کہا اس واقعہ کی کوئی عظیم الشان خبر ہے۔

مسلمانو! تم نے دیکھا کہ دور دراز مقام پر لُوٹے جانے والے محبت کے متوالے اپنے دل میں یاد کرتے ہیں۔ حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ کو۔ اور حضور پُرنور اس پر مطلع ہو کر بغداد معلی میں تشریف ارزانی فرماتے ہوئے، ان مصیبت زدہ مسلمانوں کی حاجت روائی کے لیے اپنی دونوں کھڑاویں ہوا میں پھینک دیتے ہیں اور وہی کھڑاویں، اُن کے دشمنوں کا کام تمام کر کے، اُن غریب الدیار مسلمانوں کی فریاد رسی کا ذریعہ بنتی ہیں۔ اور اسی واقعہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نذریں قبول فرماتے۔ معلوم ہوا کہ اولیائے کرام کے لیے ان کی حیاتِ ظاہری خواہ باطنی میں جو نذریں کہی جاتی ہیں یہ نذر فقہی و شرعی نہیں۔ بلکہ عرفی ہیں کہ عام محاورہ ہے کہ اکابر کے حضور جو ہدیہ پیش کرتے ہیں اُسے نذر و نیاز کہتے ہیں۔ یا کہا جاتا ہے کہ بادشاہ نے دربار کیا اُسے نذریں گذاریں۔ شاہ رفیع الدین صاحب برادر مولانا شاہ

عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رسالۂ نذور میں لکھتے ہیں "۔ نذر یکہ ایں جا مستعمل می شود نہ بر معنی شرعی ست۔ چہ عرف آنست کہ آنچہ پیش بزرگان می برند، نذر و نیاز می نامند" یہ بحث پہلے گزر چکی۔ اس لیے ہم مذکورہ بالا عنوان کو ایک اور نفیس حکایت کے ذکر پر ختم کرتے ہیں۔

۷۔ اسی کتاب مستطاب میں یہی امام بے نظیر فرماتے ہیں کہ ہمیں ابوزید عبدالرحمٰن بن سالم بن احمد قرشی نے خبر دی کہ میں نے عارف باللہ ابوالفتح بن ابی الغنائم سے اسکندریہ میں سُنا کہ اہلِ بطائح سے ایک شخص، دبلا بیل کھینچتا ہوا ہمارے شیخ حضرت سید احمد رفاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حضور لایا اور عرض کی "اے میرے آقا! میرا اور میرے بال بچوں کی روزی کا ذریعہ یہی ایک بیل ہے۔ اور اب یہ ضعیف ہو گیا ہے۔ اس کے لیے قوت و برکت کی دُعا فرمایئے۔" حضرت نے فرمایا، شیخ عثمان بن مرزوق (البطائحی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے پاس جا۔ اور انہیں میرا اسلام کہہ۔ اور ان سے میرے لیے دُعا چاہ"۔ وہ بیل کو لے کر یہاں حاضر ہوا۔ دیکھا کہ حضرت سیدی عثمان تشریف فرما ہیں اور اُن کے گرد شیر حلقہ باندھے بیٹھے ہیں۔ یہ پاس حاضر ہوتے ڈرا۔ فرمایا "آگے آ۔" قریب گیا۔ قبل اس کے کہ یہ حضرت رفاعی کا پیام پہنچائے۔ سیدی عثمان نے خود فرمایا کہ "میرے بھائی شیخ احمد پر سلام۔ اللہ میرا اور ان کا خاتمہ بالخیر فرمائے"، پھر ایک شیر کو اشارہ کیا کہ اُٹھ اس بیل کو پھاڑ۔ شیر اٹھا اور بیل کو مار کر اُس میں سے کچھ کھایا۔ حضرت نے فرمایا اب اُٹھ آ۔ وہ اُٹھ آیا۔ پھر دوسرے شیر سے فرمایا اُٹھ، اس میں سے کھا۔ وہ اٹھا اُس میں سے کچھ کھایا۔ پھر اُسے بلا لیا اور تیسرا شیر بھیجا۔ یونہی ایک ایک شیر بھیجتے رہے۔ یہاں تک کہ انہوں نے سارا بیل کھا لیا۔ اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ بطیحہ کی طرف سے ایک بہت فربہ بیل آیا اور حضرت کے سامنے کھڑا ہوا۔ حضرت نے اُس شخص سے فرمایا۔ "اپنے بیل کے بدلے یہ بیل لے لو۔" اُس نے اُس بیل کو پکڑ تو لیا مگر کہتا تھا۔ میرا بیل تو مارا گیا۔ اور مجھے اندیشہ ہے کہ کوئی اس بیل کو میرے پاس پہچان کر مجھے ستائے۔ ناگاہ ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور حضرت کے

دستِ مبارک کو بوسہ دے کر عرض کی۔ "اے میرے مولیٰ! میں نے ایک بیل حضور کی نذر کا رکھا تھا۔ اُسے بطیحہ تک لایا۔ وہاں سے میرے ہاتھ سے چھن گیا۔ معلوم نہیں کہاں گیا۔ فرمایا وہ ہمیں پہنچ گیا۔ یہ دیکھو! یہ تمہارے سامنے ہے۔" وہ شخص قدموں پر گر پڑا اور حضرت کے پائے مبارک چوم کر بولا۔ "اے میرے مولیٰ خدا کی قسم، اللہ تعالیٰ نے حضرت کو ہر چیز کی معرفت بخشی اور ہر چیز یہاں تک کہ جانوروں کو حضرت کی پہچان کرا دی۔"
حضرت نے فرمایا، یاھٰذا اِنَّ الْحَبِیْبَ لَا یُخْفِی عَنْ حَبِیْبِہٖ شَیْئًا وَمَنْ عَرَفَ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ عَرَفَہٗ کُلُّ شَیْءٍ۔ اے شخص بے شک محبوب، اپنے محبوبوں سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں رکھتا۔ جسے اللہ کی معرفت ملتی ہے اللہ اُسے ہر چیز کا علم عطا فرماتا ہے۔"

پھر اُس بیل والے سے فرمایا کہ تو اپنے دل میں میرا شاکی تھا اور کہہ رہا تھا کہ میرا بیل تو مارا گیا اور خدا جانے یہ بیل کہاں کا ہے۔ مبادا اسے کوئی پہچان کر مجھے ایذا دے۔" یہ سُن کر بیل والا رونے لگا۔ فرمایا کیا تو نے نہ جانا کہ میں تیرے دل کی بات جانتا ہوں جا اللہ اس بیل کو تجھ پر مبارک کرے۔"

وہ بیل لے کر چند قدم چلا۔ اب اُسے یہ خطرہ گزرا کہ مبادا مجھے یا میرے بیل کو کوئی شیر آڑے آئے۔ فرمایا شیر کا خوف ہے۔ عرض کی ہاں۔ حضرت نے جو شیر سامنے حاضر تھے، اُن میں سے ایک کو حکم دیا کہ اُسے اور اُس کے بیل کو بحفاظت پہنچا دے۔ شیر اٹھا اور ساتھ ہو لیا۔ اُس کے پاس سے شیر وغیرہ کو دور کرتا۔ کبھی اُس کے داہنے، کبھی بائیں، کبھی پیچھے چلتا۔ یہاں تک کہ وہ امن کی جگہ پہنچ گیا۔ اور اپنا قصہ حضرت احمد رفاعی سے عرض کیا۔ حضرت روئے اور فرمایا، ابن مرزوق کے بعد ان جیسا پیدا ہونا دشوار ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اُس بیل میں برکت رکھی کہ وہ شخص بڑا مالدار ہو گیا۔
(السنیۃ الانیقہ فی فتاویٰ افریقہ)

مسلمان اُس واقعہ پر بنگاہِ ایمان غور کریں تو انہیں معلوم ہو گا کہ:۔

۱۔ اولیائے کرام قدست اسرارھم علوم غیب پر مطلع فرمائے گئے ہیں

۲ - انہیں کارخانۂ عالم میں تصرفات کا اختیار منجانب اللہ عطا فرمایا گیا ہے۔

۳ - اولیاء سے اللہ تعالیٰ کوئی چیز مخفی نہیں رکھتا۔

۴ - دلوں کے خطروں اور اندیشوں سے بھی انہیں واقفیت بخشی جاتی ہے۔

۵ - اولیاء اللہ کو اور ان کی عظمت کو جانور تک پہچانتے ہیں۔

۶ - جنگلی درندے اُن کی مٹھی میں ہوتے ہیں - اور ان کے اشاروں پر چلتے ہیں۔

۷ - اُن کی دُعاؤں کی برکت سے ، بگڑی ہُوئی تقدیریں، سنور جاتی ہیں۔

۸ - اُن کے لیے نذریں ماننا، قدیم سے مسلمانوں میں رائج ہے اور یقیناً جائز۔

۹ - اُن کے لیے مانی ہُوئی نذروں کو پورا کرنا ، عامۃ المسلمین میں ہمیشہ سے مروّج چلا آرہا ہے۔

۱۰ - اولیائے کرام باہم بھی ایک دوسرے کا احترام اور ایک دُوسرے کے لیے دعائے خیر کرتے ہیں۔ مگر وہابیہ کی کور باطنی کا کیا علاج ؟ ان کی خرافات اور واہی تباہی - خواہی نخواہی باتوں پر جائیے اور ان پر کان لگائیے تو خود اپنے دین ، اپنے ایمان، اپنے عقیدے ، اپنے ایقان کو داؤ پر لگائیے۔

مولائے کریم ہر مسلمان کو اپنی پناہ اپنی حفاظت میں رکھے۔

۱۲ - محمد خلیل عفی عنہ



پانچواں مسئلہ ○ جماعتِ ثانیہ

یہ مسئلہ سلف سے مختلف فیہ ہے۔[۹۳] امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کراہیت، اور امام ابویوسف سے بعض شرائط کے ساتھ جواز منقول ہے۔ اور ترجیح و تصحیح دونوں جانب موجود ہے۔ اس میں بھی گفتگو کو طول دینا، نازیبا ہے۔ کیونکہ جانبین کو گنجائش عمل ہے۔ اور بہتر یہ ہے کہ دونوں قولوں میں یوں تطبیق دی جائے کہ اگر جماعتِ اُولیٰ، کاہلی اور سُستی سے فوت ہوگئی ہے، اور جماعتِ ثانیہ میں شرکت کرنے سے منع کرنا اس شخص کے لیے موجب زجر و تنبیہ ہوگا۔ اُس کے لیے جماعت ثانیہ کی کراہیت کا حکم کیا جائے۔ اور قائلین بالکراہیت کی تعلیل، تقلیلِ جماعتِ اولیٰ سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ اور اگر کسی معقول عذر سے پہلی جماعت رہ گئی تو دوسری جماعت کے ساتھ پڑھنا تنہا پڑھنے سے بہتر ہے۔

۹۳ جماعتِ ثانیہ یا تکرارِ جماعت کی مختلف صورتیں ہیں اور اسی اعتبار سے اُس کے احکام بھی جداگانہ۔ اور ضابطہ و قاعدۂ کلیہ اس باب میں یہ ہے کہ "جب جماعتِ اولیٰ، اہلِ مسجد یا اہلِ مذہب کی نہ ہو۔ یا اپنے مذہب میں فاسدہ یا مکروہہ ہو تو ہمیں جماعتِ ثانیہ کی مطلقاً اجازت ہے۔ بلکہ در صورتِ کراہت، اُس امر کی رخصت ہے کہ جماعتِ اولیٰ سے نماز نہ پڑھیں جبکہ جماعتِ ثانیہ، نظیفہ ہر کراہت سے پاک مل سکتی ہو۔ اور فساد کی صورت میں مثلاً جماعت اولیٰ کا امام، نماز میں ایسی غلطیاں کرتا ہے کہ نماز ہی فاسد ہو جاتی ہے، تو اس میں شرکت ہی سے صاف ممانعت ہے۔ اگرچہ جماعتِ ثانیہ بھی

میسّر نہ ہو۔

اب اس ضابطہ کی روشنی میں جماعتِ ثانیہ سے متعلق چند مسائل سنیئے :۔

ا۔ تکرارِ جماعت کی وہ صورتیں جن میں اصلاً نزاع و اختلاف کی گنجائش نہیں، یہ ہیں :۔

۱۔ جو مسجد شارعِ عام یا بازار یا اسٹیشن یا سرائے کی ہے جس کے لیے اہل معین نہیں۔ وقت پر جو لوگ گزرے یا اترے یا آئے، نماز پڑھ گئے۔ غرض کسی محلہ خاص سے خصوصیت نہیں رکھتی، تو ایسی مسجد میں بالاجماع تکرارِ جماعت، اذانِ جدید و تکبیرِ جدید کے ساتھ جائز۔ بلکہ یہی شرعاً مطلوب ہے کہ ہر آنے والا گروہ، نوبت بہ نوبت جدا جدا اذان و اقامت سے جماعت کرے۔

۲۔ مسجد محلہ جس کے لیے جماعت معیّن، امام معیّن ہے اور اُس مسجد میں اقامتِ جماعت اُنہیں کا حق ہے، اگر ان کے غیر جماعت کر گئے تو اہلِ محلہ کو تکرارِ جماعت بلا شبہ جائز ہے کہ حق اہلِ محلہ کا تھا۔ جبکہ امام کی طہارت، قرأت، عقیدے اور عمل میں کوئی خلل نہ ہو۔

۳۔ بعض اہلِ محلہ ہی جماعت کر گئے مگر بے اذان پڑھ گئے۔ یا اذان بھی دی تھی مگر آہستہ۔ ان دونوں صورتوں میں بھی بعد کو آنے والے باذانِ جدید، بروجہِ سُنّت، جماعت کا اعادہ کریں۔ کہ جماعتِ معتبرہ وہی ہے جو اذان سے ہو اور اذان وہ جو اعلان سے ہو۔

۴۔ جس نے جماعتِ اولیٰ کی امامت کی، فاسق العقیدہ، بدمذہب، بدعتی تھا۔ یا فاسق مُعلن تھا۔ مثلاً داڑھی منڈا یا شرابی یا آوارہ منش، کہ یہ لوگ ان بدمذہبوں کے مولویوں متقیوں سے بھی اگرچہ لاکھ درجے بہتر حال میں ہیں کہ ایمان کا دامن تو داغدار نہیں، پھر بھی ان کی اقتدا شرعاً نہایت ناپسند۔ انہیں امام بنانا گناہ اور نماز ان کی اقتدا میں مکروہِ تحریمی۔ جبکہ بدمذہبوں کی اقتدا بکراہت شدیدہ سخت مکروہ۔ سخت ناپسندیدہ۔

۵ - جماعت اولیٰ کا امام، نرا بے علم، جاہل، نماز و طہارت کے مسائل سے غافل تھا۔ جیسے اکثر عوام، یا قرآن کریم ایسا غلط پڑھتا تھا۔ جس سے معنی فاسد ہوں مثلاً ا ع - یا ت ط - یا ث س ص - یا ح ہ - یا ذ ز ظ میں تمیز نہ کرنے والے - کہ آجکل اکثر بلکہ عام عوام، بلکہ بہت پڑھے لکھے بھی اس بلا میں مبتلا ہیں - اور مذہب معتمد پر صحیح خواں کی نماز اُس کے پیچھے مطلقاً فاسد ہے - لاجرم صحیح خوانوں کو جماعتِ ثانیہ ہی کا حکم ہے -

۶ - محلے میں حنفی وغیر حنفی دونوں رہتے ہیں اور پہلے غیر حنفی امام نے جماعت کرلی اور حنفیہ کو معلوم ہے کہ اس نماز میں اُس نے مذہب حنفی کے کسی فرضِ طہارت یا فرضِ نماز یا شرطِ امامت، کو ترک کیا ہے ۔ مثلاً چوتھائی سر سے کم کا مسح، یا آبِ قلیل سے جو حنفیہ کے نزدیک طاہر و مطہر" نہیں، وضو یا غسل کیا۔ یا کپڑے ناپاک تھے انہیں دھویا وغیرہا، تو ایسی صورت میں حنفیہ بلاشبہہ اپنی جماعت جداگانہ کریں گے کہ اگر اقتدا کریں گے تو نماز ہی نہ ہوگی۔

۷ - یونہیں امام شافعی المذہب ہے مگر اس امام کی بے احتیاطی اور نماز کے فرائض و شرائط میں مذہبِ حنفیہ کی رعایت نہ کرنا، بلکہ اس رعایت کو قصداً ترک کر دینا ثابت ہے جیسا کہ غیر مقلدین کہ خواہی نخواہی اہل حق کی مخالفت، اور مذاہب اربعہ، خصوصاً مذہبِ مہذّب حنفیہ سے کینہ پروری کی عادت کے باعث اظہار خلاف پر حریص ہوتے ہیں، جب بھی حنفیہ کو ان کی اقتداء گناہ ممنوع ہے - اپنی جماعت جدا کریں - بلکہ یہ معلوم بھی ہو کہ امام شافعی المذہب ہے اس کے باوجود، وہ مذہبِ حنفی کی مراعات کرتا اور فرائض طہارت و نماز اور شرائط میں، حنفیہ کا لحاظ رکھتا ہے۔ تاہم ائمۂ دین تصریح فرماتے ہیں کہ امام موافق المذہب کے پیچھے، جماعتِ ثانیہ ہی افضل و اکمل ہے - اور اسی پر حرمین طیبین اور مصر و شام وغیرہ بلادِ اسلام میں جمہور مسلمین کا عمل رہا۔

⁂

(ب) تکرارِ جماعت کی وہ صورتیں جو شرعاً ممنوع و مکروہ و بدعت ہیں :۔

۱۔ مسجد، مسجدِ محلہ ہے اور اہلِ محلہ، بروجہ مسنون اذان دے کر، امام موافق المذہب سالم العقیدہ، متقی، نماز و طہارت کے مسائل سے واقف، صحیح خواں کی اقتداء میں نماز ادا کر چکے، اب غیر لوگ، یا اہلِ محلہ ہی جو باقی رہ گئے تھے وہ آئے۔ اور چاہتے ہیں کہ باذانِ جدید، ہیئاتِ اولیٰ پر، دوسری جماعت کریں تو مکروہِ تحریمی ہے جبکہ امام محرابِ مسجد میں کھڑا ہو۔

۲۔ جماعتِ ثانیہ کے لیے دوبارہ اذان و اقامت تو نہ ہوئی البتہ امام نے محرابِ مسجد، میں (یعنی جہاں جماعتِ اولیٰ کا امام کھڑا ہوتا ہے، خواہ صحنِ مسجد ہو یا اُس کا مسقّف (چھت والا حصہ) کھڑے ہو کر جماعتِ ثانیہ کرائی تو یہ صورت مکروہ تنزیہی ہے۔

۳۔ قصداً بلا وجہ شرعی، امام معین کے ساتھ، جماعتِ اولیٰ فوت کر دی۔ اور اب جماعتِ ثانیہ قائم کریں تو یہ حرکت قابلِ مذمت اور سخت ناپسندیدہ و مبغوض ہے کہ اس میں تفریقِ جماعت المسلمین ہے اور یہ ناجائز۔

فائدۂ مہمّہ

اہلِ ضرورت کہ امام معیّن سے پہلے اپنی جماعت کر لیں، وہ تفریقِ جماعت کے الزام سے بری اور جماعتِ اہلِ محلّہ کے حکم سے مُستثنیٰ ہیں۔ مثلاً جماعتِ اولیٰ کا ابھی وقت نہ آیا اور انتظار میں ریل کا وقت نہ رہے گا یا کوئی دشواری پیش آئے گی یا یہ لوگ کسی مشقت میں پڑ جائیں گے۔ تو شرعِ مطہر کا ہرگز یہ حکم نہیں کہ یہ لوگ مجتمع ہوتے ہوئے بھی جماعت نہ کریں، اپنی اپنی الگ پڑھیں اور رافضیوں سے تشبّہ کریں۔ البتہ امام اور اہلِ محلہ کے حق میں یہ جماعت، جماعتِ اولیٰ نہ ہوگی۔

بالجملہ جماعتِ ثانیہ جس طرح عموماً ان بلاد میں رائج اور عام مسلمانوں میں معمول ہے، قولِ صحیح ومفتیٰ بہ پر بلا کراہت جائز ہے۔ کہ دوسری جماعت والے، نہ دوبارہ اذان کہتے ہیں نہ نئی تکبیر پڑھتے ہیں۔ اور محراب یعنی وسطِ مسجد سے ہٹ کر ہی کھڑے ہوتے ہیں۔ اور ہم پر لازم کہ ائمۂ فتویٰ جس امر کی ترجیح وتصحیح فرما گئے اُس کا اتباع کریں۔ پھر صحیح مذہب کا خلاف اختیار کرکے اُسے ناجائز وممنوع بتانا، اور اُس کے سبب لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کو گناہگار ٹھہرانا محض بے جا ہے۔

ہم نے یہ تمام مضامین فتاویٰ رضویہ سے اخذ کیے۔ مزید تفصیل کے لیے اُس کا مطالعہ فرمائیں۔ امام اہلسنّت امام احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلوی نے اسی فتاویٰ میں ارشاد فرمایا:۔

ثُمَّ اقول حالِ زمانہ کی رعایت اور مصلحتِ وقت کا لحاظ بھی مفتی پر واجب۔ علماء فرماتے ہیں مَن لَّم یَعرِف اَھلَ زَمَانِہٖ فَھُوَ جَاھِلٌ۔ اب دیکھئے نا کہ جماعتِ ثانیہ کی بندش میں، کوشش وکاوش سے یہ تو نہ ہوا کہ عوام، جماعتِ اولیٰ کا التزام تام کرلیتے۔ رہا وہی کہ کچھ آئے کچھ نہ آئے۔ ہاں یہ ہوا کہ آٹھ آٹھ دس دس جو رہ جاتے ہیں، ایک مسجد میں، ایک وقت میں اکیلے اکیلے نماز پڑھ کر ناحق روافض سے مشابہت پاتے ہیں، حضرات مجتہدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے زمانہ میں ایسی مشابہت پیدا ہونا درکنار، خود جماعت کی برکاتِ عالیہ، ظاہریہ و باطنیہ سے محروم رہنا، ایک سخت تازیانہ تھا۔ جس کے ڈر سے عوام، خواہی نخواہی جماعتِ اولیٰ کی کوشش کرتے۔ اب وہ خوف بالائے طاق اور اہتمام التزام معلوم۔ جماعت کی جو قدرے وقعت نگاہوں میں ہے کہ اگر رہ گئے اور تنہا پڑی تو ایک طرح کی خجلت وندامت ہوتی ہے، جب بفتویٰ مفتیاں یہی انداز رہے اور گروہ کے گروہ اکیلے اکیلے پڑھا کیے، تو ایک تو مرگِ انبوہ جشنے دارد، دوسرے شدہ شدہ عادت پڑ جاتی ہے۔ چند روز میں یہ رہی سہی وقعت بھی نظر سے گر جائے گی۔

اس کے ساتھ ہی سستی و کاہلی اپنی نہایت پر آئے گی۔ اب تو یہ خیال بھی ہوتا ہے کہ خیر اگر پہلی فوت ہوئی تو ایسی دیر تو نہ کیجئے کہ اکیلے ہی رہ جائیں اور تنہا پڑھ کر محرومی و ندامت کا صدمہ اٹھائیں۔ جب یہ ہوگا کہ جماعت تو آخر ہو چکی اوّل ہو چکی، اب جماعت تو ملنے سے رہی۔ اپنی اکیلی نماز ہے۔ جب جی میں آیا پڑھ لیں گے۔ یا پھر مسجد ہی کی کیا حاجت ہے۔ لاؤ گھر ہی میں سہی۔

باھذا ائمہ فتوٰی رحمہم اللہ تبارک و تعالٰی کچھ سوچ سمجھ کر، ترجیح و تصحیح فرمایا کرتے ہیں۔ من و تو سے ان کے علوم وسیعہ و عقول رفیعہ، لاکھوں درجے بلند و بالا ہیں۔ روایت و درایت و مصالح شریعت و زمانہ و حالت کو جیسا وہ جانتے ہیں دوسرا کیا جانے۔ پھر ان کے حضور دخل در معقولات کیسا۔ واللہ الھادی وولی الایادی۔

تنبیہ

مگر یہ ان کے لیے ہے جو احیاناً کسی عذر کے باعث، حاضریٔ جماعت اولٰی سے محروم رہے، نہ کہ جماعتِ ثانیہ کے بھروسے پر قصداً بلا عذر مقبولِ شرعی جماعت اولٰی ترک کر دیں۔ یہ بلاشبہہ ناجائز ہے۔ انتہی کلامہ ۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

یا کوئی شخص ایسا لاابالی ہے کہ جماعتِ ثانیہ سے منع کرنا، اُس کے حق میں کچھ موجب زجر نہ ہوگا۔ بلکہ تنہا پڑھنے کو غنیمت سمجھے گا۔ جلدی سے چار ٹکریں مار کر رخصت ہوگا۔ تو ایسے شخص کو منع کرنے سے کیا فائدہ۔ بلکہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے کسی قدر تعدیل[۹۴] و اطمینان سے ادا کرے گا۔ عملدرآمد اس مسئلہ میں بھی ایسا ہی رکھنا چاہیئے۔ کہ ہر فریق، دوسرے فریق کو عمل بالدلیل کی وجہ سے محبوب رکھے۔ اور جہاں جماعتِ ثانیہ نہ ہوتی ہو، وہاں تنہا پڑھ لے۔ خواہ مخواہ جماعت نہ کرے

اور جہاں ہوتی ہو، شریک ہو جاوے مخالفت نہ کرے۔
یہ پانچ مسئلے تو عملی تھے۔ اب دو مسئلے علمی باقی رہ گئے ہیں، وہ مرقوم ہیں۔

۹۴ اس کا بخوبی اندازہ اُس حدیث شریف سے ہوتا ہے جو بخاری و مسلم میں حضرت ابُوہُریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی کہ ایک شخص مسجد میں حاضر ہوئے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کی ایک جانب میں تشریف فرما تھے۔ انہوں نے نماز پڑھی۔ پھر خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا۔ فرمایا وعلیک السلام۔ جاؤ نماز (دوبارہ) پڑھو کہ تمہاری نماز نہ ہُوئی۔ وہ گئے اور نماز پڑھی۔ پھر حاضر ہو کر سلام عرض کیا۔ فرمایا وعلیک السلام جاؤ نماز پڑھو کہ (اب بھی) تمہاری نماز نہ ہُوئی۔ تیسری بار یا اس کے بعد عرض کی۔ یا رسول اللہ! مجھے تعلیم فرمایئے۔ (کہ نماز پڑھنے کا صحیح طریقہ کیا ہے) ارشاد فرمایا۔ جب نماز کو کھڑے ہونا چاہو تو کامل وضو کرو۔ (آداب و مستحباتِ وضو کی رعایت کے ساتھ) پھر قبلہ کی طرف مونھ کر کے اللہ اکبر کہو۔ پھر قرآن پڑھو جتنا میسّر آئے۔ پھر رکوع کرو یہاں تک کہ رکوع میں تمہیں اطمینان ہو۔ پھر اُٹھو یہاں تک کہ سیدھے کھڑے ہو جائے۔ پھر سجدہ کرو یہاں تک کہ سجدہ میں اطمینان ہو جائے۔ پھر اُٹھو یہاں تک کہ بیٹھنے میں اطمینان ہو۔ پھر سجدہ کرو یہاں تک کہ سجدہ میں اطمینان ہو جائے۔ پھر اُٹھو اور سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔ پھر اسی طرح نماز پوری کرو۔"

فقہائے کرام نے تعدیل ارکان کو واجباتِ نماز میں شمار فرمایا ہے۔ یعنی رکوع و سجود اور قومہ و جلسہ میں کم از کم ایک بار سُبْحَانَ اللہِ کہنے کی مقدار ٹھہرنا۔ یوہیں قومہ یعنی رکوع سے سیدھا کھڑا ہونا۔ اور جلسہ یعنی دونوں سجدوں کے درمیان سیدھا بیٹھنا۔
تو عوام بیچارے، غفلت و لاپرواہی کے مارے، خصوصًا اس دور میں، کہ سستی و کسل نے دلوں میں جگہ پائی اور نماز میں کامل چستی و مستعدی کہ صدرِ اوّل میں مطلقًا ہر مسلمان کا شعار تھی۔ لوگوں سے چھوٹ چلی، وہ تعدیلِ ارکان کا کیا لحاظ رکھیں گے۔ یہی ہو گا کہ اُلٹی

سیدھی چوروں کی سی نماز پڑھیں گے اور بھاگیں گے مسجدوں سے نکل کر۔ تو ایسی حالت میں اگر جماعت اُولیٰ سے بچھڑ جانے والے، اگر کسی صحیح نماز پڑھنے والے، صحیح العمل مسلمان کی اقتداء میں جماعتِ ثانیہ کرلیں تو یہی ان کے حق میں بہتر ہے اور انہیں اس سے روکنا مقاصدِ شرع سے غفلت ہے۔ گذشتہ صفحات میں امام اہلسنت امام احمد رضا خاں صاحب بریلوی قدس سرہٗ کے کلماتِ طیبہ گزرے۔ قارئین کرام انہیں پھر پڑھ لیں۔ اور اندازہ لگائیں کہ عوام کالانعام کے حق میں جماعتِ ثانیہ کی بندش میں کوشش و کاوش بہتر ہے یا یہ کہ جماعت ثانیہ کی ظاہری و باطنی برکتوں سے انہیں بہرہ مند ہونے دیں۔ اسی طرح نمازیں بھی ان کی درست ادا ہوں گی اور جماعت کی اہمیت بھی اُن کے پیشِ نظر رہیگی۔

ضروری الملاحظہ

وضو و غسل و سجدہ میں عوام کی وہ بے احتیاطیاں، جن سے نمازیں باطل ہوتی ہیں اور اُنہیں پرواہ نہیں۔ مثلاً

۱۔ وضو میں کہنیاں، ایڑیاں، کلائیوں کے بعض بالوں کی نوکیں اکثر خشک رہ جاتی ہیں۔

۲۔ اور یہ تو عام بلا ہے کہ موہنہ دھونے میں پانی ماتھے کے حصۂ زیریں پر ڈالتے ہیں اور اُوپر بھیگا ہاتھ چڑھاکر لے جاتے ہیں۔ یہ تو ماتھے کے بالائی حصے کا مسح ہوا۔ غسل یعنی دھونا تو نہ ہوا۔ اور فرض ہے دھونا۔ اور کسی عضو کو دھونے کے معنی یہ ہیں کہ اُس عضو کے ہر حصہ پر کم از کم دو بوند پانی بہہ جائے۔ بھیگ جانے یا تیل کی طرح چپڑ لینے، یا ایک آدھ بوند، بہ جانے کو دھونا نہیں کہیں گے۔ نہ اس سے وضو یا غسل ادا ہو۔ اور نہ نماز درست۔

۳۔ غسل میں فرض ہے کہ پانی سونگھ کر، ناک کے نرم بانسے تک چڑھایا جائے۔ بال برابر

جگہ بھی دُھلنے سے رہ نہ جائے۔ ورنہ غسل نہ ہوگا۔ دریافت کر دیکھئے کتنے ایسا کرتے ہیں۔ چُلّو میں پانی لیا۔ اور ناک کی نوک کو لگالیا۔ چلئے اِستنشاق کہ غسل میں فرض تھا ہوگیا۔ حالانکہ اس طرح غسل ہی نہ ہوا۔ تو ایسی لاپرواہی برتنے والے غافل وکسلمند ہر وقت جُنب رہتے ہیں۔ انہیں مسجد میں جانا تک حرام ہے۔ نماز درکنار۔

۴۔ سجدے میں فرض ہے کہ کم از کم پاؤں کی ایک انگلی کا پیٹ، زمین پر لگا ہو۔ اور ہر پاؤں کی اکثر یعنی تین انگلیوں کا پیٹ زمین پر جما ہونا واجب ہے۔ یوں ہی ناک کی ہڈی زمین پر لگنا واجب ہے۔ بہتیروں کی ناک زمین پر لگتی ہی نہیں اور اگر لگی تو وہی ناک کی نوک۔ تو یہ ترک واجب وگناہ ہوا۔ اور عادت کے سبب فسق۔ پاؤں کو دیکھئے انگلیوں کے سرے زمین پر ہوتے ہیں۔ کسی انگلی کا پیٹ بچھا نہیں ہوتا۔ تو سجدہ باطل تو نماز باطل۔ اس لاپرواہی کی بدولت، عمر بھر کی نمازیں اکارت گئیں اور یہ کہلائے نمازی۔

۵۔ نماز میں قرأت فرض ہے۔ یعنی جتنا میسّر آئے قرآن پڑھنا۔ اور قرأت اس کا نام ہے کہ تمام حروفِ قرآن، مخارج سے ادا کئے جائیں۔ کہ ہر حرف، غیر سے صحیح طور پر ممتاز ہو جائے۔ اور آہستہ پڑھنے میں بھی اتنا ضرور ہے کہ خود سُنے۔ اگر حروف کی تصحیح تو کی اور ہر حرف کو صحیح طور پر اس کے مخرج سے ادا کیا۔ مگر اس قدر آہستہ کہ خود نہ بھی نہ سنا۔ اور نہ کوئی مانع۔ کوئی رکاوٹ نہیں۔ کہ آدمی نہ بہرا ہے نہ اُسے ثقل سماعت کا عارضہ ہے اور نہ کوئی ایسا شور وغل ہے کہ آواز سنائی نہ دے تو نماز ہی نہ ہوئی۔ اب دیکھ لیجئے۔ کتنے ہیں جو اس فرض کا اہتمام کرتے ہیں۔ نماز میں مصروف ہیں مگر لب بند۔ ہونٹ سلے ہوئے۔ یا معمولی سی جنبش و حرکت میں کہ کانوں تک پہنچنا درکنار، آواز سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتی۔ تو یہ فرض چھوٹا۔ مگر اپنے زعم میں یہ نمازی کے نمازی ہی بنے رہے۔

۶۔ قیام نماز میں فرض ہے مگر عموماً یہ بات دیکھی جاتی ہے، خصوصاً عورتوں میں کہ جہاں ذرا بخار آیا، یا خفیف سی تکلیف ہوئی بیٹھ کر نماز شروع کردی۔ حالانکہ

آدمی اگر عصا یا خادم یا دیوار پر ٹیک لگا کر کھڑا ہو سکتا ہے تو فرض ہے کہ کھڑا ہو کر پڑھے۔

۷۔ ایسے باریک کپڑوں میں جن سے اعضاء چمکیں، نماز نہیں ہوتی۔ مگر گرمیوں میں مرد ایسے باریک کپڑے مثلاً تہ بند باندھے نماز پڑھنے کھڑے ہو جاتے ہیں کہ جن میں سے بدن کی سرخی یا سیاہی، بالکل نمایاں ہوتی ہے۔ ایسے تہ بند سے نماز کہاں ہو سکتی ہے اور عورتیں تو ایسے دوپٹے پہن کر نماز میں کوئی حرج ہی نہیں جانتیں، جن سے بالوں کی سیاہی چمکے۔ حالانکہ عورتوں کا وہ دوپٹہ جن سے بالوں کی سیاہی چمکے، مفسد نماز ہے۔

رکوع و سجود کا مسنون طریقہ

سورۂ فاتحہ کے بعد کوئی سورت یا تین آیتیں یا ایک آیت کہ تین کے برابر ہو، پڑھنے کے بعد اللہ اکبر کہتا ہوا رکوع میں جائے۔ یعنی جب رکوع کے لیے جھکنا شروع کرے تو اللہ اکبر شروع کرے اور ختم رکوع پر تکبیر ختم کرے اور اس مسافت کو پورا کرنے کے لیے اللہ کے لام کو بڑھائے۔ (اکبر کی ب وغیرہ کو نہ بڑھائے) اور گھٹنوں کو ہاتھ سے پکڑے اس طرح کہ ہتھیلیاں گھٹنے پر ہوں اور انگلیاں خوب پھیلی ہوں۔ نہ یوں کہ سب انگلیاں ایک طرف ہوں۔ اور نہ یوں کہ چار انگلیاں ایک طرف اور ایک طرف فقط انگوٹھا۔ حالتِ رکوع میں ٹانگیں سیدھی رکھے۔ (کمان کی طرح ٹیڑھی نہ کرے کہ یہ مکروہ ہے) اور پیٹھ کو خوب بچھائے۔ یہاں تک کہ اگر پانی کا پیالہ اس کی پیٹھ پر رکھ دیا جائے تو ٹھہر جائے۔ اور سر پیٹھ کے برابر ہو۔ اونچا نیچا نہ ہو اور کم از کم تین بار سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم کہے۔ العظیم کی میم رکوع ہی میں زبان سے ادا ہو۔ نہ کہ رکوع سے اٹھتے اٹھتے، اور رکوع

میں پُشتِ قدم پر نظر رکھے۔ پھر سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہتا ہوا سیدھا کھڑا ہو جائے۔ اور جب اُٹھے تو ہاتھ نہ باندھے لٹکا ہو چھوڑ دے۔ اور منفرد (تنہا نماز پڑھتا) ہو تو اس کے بعد اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ بھی کہے۔ کہ منفرد کے لیے دونوں کلمے کہنا سُنّت ہے۔

پھر اَللّٰہُ اَکبر کہتا ہُوا سجدے میں جائے۔ یوں کہ پہلے دونوں گھُٹنے ایک ساتھ زمین پر رکھے۔ پھر ہاتھ پھر ناک پھر پیشانی۔ دونوں ہاتھوں کے بیچ میں سر رکھے۔ یوں کہ دونوں انگوٹھے، دونوں کانوں کی لَو کے مقابل رہیں۔ اور سر یوں نہ رکھے کہ صرف پیشانی زمین سے چھو جائے اور ناک کی نوک لگ جائے۔ بلکہ ناک اور پیشانی کی ہڈی جمائے۔ اور بازوؤں کو کروٹوں سے۔ پیٹ کو رانوں سے۔ اور رانوں کو پنڈلیوں سے جُدا رکھے۔ اور دونوں پاؤں کی سب اُنگلیوں کے پیٹ کوشش سے زمین پر قبلہ رو جمائے۔ اور ہتھیلیاں بچھا کر کہنیاں اُٹھالے۔ کُتّے کی طرح کلائیاں نہ بچھائے۔ ہاتھوں کی انگلیاں بھی قبلہ رو رکھے۔ مگر جب صف میں ہو تو بازو کروٹوں سے جُدا رکھے تاکہ دُوسرے نمازی کو تکلیف نہ ہو۔ پھر کم از کم تین بار سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کہے۔ سجدے میں ایک پاؤں اُٹھا ہُوا رکھنا مکروہ و ممنوع ہے۔ یہاں بھی اس کا خیال رکھے۔ کہ سُبْحٰنَ کی س اور الْاَعْلٰی کا الف سجدے میں ادا ہو۔ اور نظر ناک کی طرف رہے۔ پھر اَللّٰہُ اَکبر کہتا ہُوا سر اُٹھائے۔ یوں کہ پہلے پیشانی، پھر ناک، پھر ہاتھ۔ اور داہنا قدم کھڑا کر کے اُس کی انگلیاں قبلہ رُخ کر کے، اور بایاں قدم بچھا کر، اُس پر خوب سیدھا بیٹھ جائے۔ اور ہتھیلیاں بچھا کر، رانوں پر گھٹنے کے پاس رکھے۔ کہ انگلیوں کے کنارے گھٹنوں کے پاس ہوں۔ اور انگلیوں کا رُخ قبلہ کو۔ پھر اللّٰہ اکبر کہتا ہُوا دُوسرے سجدے کو جائے اور اسی طرح سجدہ کرے۔

مکرّر و بالتاکید عرض کیا جاتا ہے کہ قرأت نام ہے پڑھنے کا۔ اور پڑھنا نہ ہوگا مگر زبان سے۔ دل میں تصوّر کرنے کو پڑھنا نہیں کہتے۔ یونہیں تعدیلِ ارکان یعنی رکوع و سجود اور قومہ و جلسہ میں کم از کم ایک بار سُبْحَانَ اللّٰہ کہنے کی مقدار ٹھہرنا، واجب ہے۔

جلدی جلدی اُٹھک بیٹھک، اور مُرغ کی طرح ٹھونگیں مارنا، نمازوں کو برباد کرنا ہے۔
اسی طرح سجدے میں دونوں پاؤں کی دسوں انگلیوں کے پیٹ زمین پر لگنا سُنّت، اور
ہر پاؤں کے تین تین انگلیوں کے پیٹ زمین پر لگنا واجب ہے۔ اور پیشانی کا زمین پر
جمنا سجدہ کی حقیقت ہے اور پاؤں کی ایک انگلی کا پیٹ زمین پر لگنا شرط ہے۔

(درمختار فتاویٰ رضویہ وغیرہ) ۱۲



چھٹا و ساتواں مسئلہ

امکانِ نظیر و امکانِ کذب ۹۴

ان ۹۵ دو مسئلوں کی تحقیق تفصیلی سمجھنا، موقوف علم حقائق پر ہے اور از بس دقیق ہے۔ مگر مجملاً دو چیزوں کا اعتقاد رکھنا چاہیئے۔ ایک اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْر۔ دوسرے سُبْحَانَ اللّٰہِ عما یصفون یعنی اللہ تعالیٰ تمام عیوب و نقائص سے مثل خُلف القول و اخبار غیر واقع۔ وغیرھا۔ ان سب سے پاک ہے۔ رہا یہ تحقیق کرنا کہ کون چیز مفہوم شیٔ میں داخل ہے کہ اس پر قادر کہا جائے۔ اور کون چیز عیب و نقصان سے ہے کہ اُس سے تنزیہہ کیا جائے۔ سو جس جگہ دلائل متعارض ہوں وہاں اس تحقیق کے ہم مکلّف نہیں۔

۹۵ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ دونوں مسئلے، بڑے معرکۃ الآراء مسائل سے ہیں اور ان کے دقائق پر بحث کرنا، اہل حقائق ہی کا کام ہے۔ ہم جیسے ہیچدانوں کی کیا مجال کہ ان دشوار گزار راہوں سے امن و امان اور سلامتیٔ دین و ایمان کے ساتھ گزر جائیں۔ بااین ہمہ یہ بھی نہیں کہ اس باب میں عقیدۂ صحیحہ و اعتقادِ حق سے جاہل محضِ اور بالکل غافل رہیں۔ اور دُزدِ رجیم کے لیے راہ کشادہ رکھیں کہ وہ ہمارے دین، ہمارے ایمان اور ہمارے اعتقاداتِ حقّہ کو تماشہ بنا کر، عوام کو اپنے گروہ میں داخل، اور اپنے پسر دوں میں شامل کر دے اور عامۃ المسلمین کو، اُن کی ناواقفیٔ

محض اور جہالت کے باعث وادیٔ ضلالت میں دھکیل دے۔ اس لیے ہم اپنا دامن سمیٹے بہ نہایت اختصار ان دونوں مسئلوں پر اجمالی بحث کا آغاز کر رہے ہیں۔ توفیقِ ہدائیت رب عزّوجل کے دستِ قدرت میں ہے وَعَلَیہِ التُّکلان وبہ التوفیق

ا۔ مسئلہ امکانِ نظیر

:- ہمارا عقیدہ ہے اور قرآن وحدیث کے ارشادات پر مبنی عقیدہ ہے کہ حضور اقدس سیّد الاوّلین والآخرین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحابہ وبارک وسلم وشرف وکرّم افضل المرسلین وسیّد الاوّلین والآخرین ہیں اور آپ کا تمام خلق اللہ، حتیٰ کہ انبیاء ومرسلین وملئکہ مقرّبین، سب سے افضل واعلیٰ وبلند وبالا ہونا، ایسا قطعی ایمانی یقینی اذعانی اجماعی ایقانی مسئلہ ہے جس میں خلاف نہ کرے گا۔ مگر گمراہ بددین بندۂ شیاطین۔ اور ظاہر ہے کہ جب وہی سب سے اولیٰ واعلیٰ وبرتر وبالا ہیں تو ان کا کوئی نظیر، کوئی مثیل، کوئی ہمسر اور کوئی عدیل نہیں۔ اور حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جمیع مخلوق الٰہی سے افضل واعلیٰ ہونا، بایں معنیٰ ہے کہ اوروں کو فرداً فرداً جو کمالات عطا ہوئے ہیں، حضور میں وہ سب جمع کر دیئے گئے ہیں۔ اور ان کے علاوہ حضور کو وہ کمالات ملے جن میں کسی کا حصّہ نہیں۔ بلکہ اوروں کو جو کچھ ملا، اوروں نے جو کچھ پایا حضور کے طفیل میں ملا۔ حضور کے دست اقدس سے پایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام عالم کے لیے، سارے جہاں کے لیے، جس میں انبیاء ومرسلین وملئکۂ مقرّبین سب داخل ہیں، رحمت ونعمتِ رب الارباب ہیں۔ اور وہ سب، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سرکار، عالم مدار، سرّ ہر کار، سے بہرہ مند وفیضیاب ہیں۔ بلکہ کمال اس لیے کمال ہوا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفتِ کریمہ ہے۔ اور حضور اپنے رب عزوجل کے کرم سے اپنے نفسِ ذات میں کامل واکمل ہیں۔ حضور کا کمال، کسی وصف سے نہیں۔ بلکہ اُس وصف کا کمال ہے کہ کامل کی صفت بن کر، خود کمال وکامل ومکمل ہوگیا کہ جس میں پایا جائے۔ اُس کو کامل بنادے۔ اور اسی عقیدہ یقینیہ ایمانیہ کا ماحصل یہ ہے کہ ان صفاتِ کمال ونعوتِ جمال میں جو خصائص مصطفےٰ میں شمار ہیں۔ یعنی جن کا مصداق صرف اور صرف، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

کی ذاتِ مقدّسہ ہے۔ حضور کا مساوی و ہمسر، حضور کا مماثل و برابر، کسی اور کا پایا جانا، ممتنع ذاتی اور محال عقلی ہے۔ یعنی محال ہے کہ کوئی دوسرا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مثل ہو۔ اور ممتنع ہے کہ کوئی غیر، حضور کا نظیر ہو۔ تو جو کسی صفتِ خاصہ میں، کسی کو حضور کا مثل بتائے وہ گمراہ ہے یا کافر۔

مثلاً حضور اقدس سرورِ عالم، عالمِ اعلم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیّین ہیں یعنی اللہ عزّوجلّ نے سلسلۂ نبوت حضور پر ختم کر دیا۔ آپ ہی سب سے آخری نبی ہیں۔ حضور کے زمانہ میں یا بعد، کوئی نیا نبی نہیں ہو سکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصحابۂ کرام و مفسرین و اولیائے کرام و علمائے عظام، سب سے لے کر آج تک خاتم النبیّین کے یہی معنی، بتائے سمجھائے اور مانے جا رہے ہیں۔ اور یہی معنی خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے متواتر حدیثوں میں بتائے تو قطعاً یہی معنی آیتِ کریمہ کی مراد ہیں۔

یہ معنی اور ان معنی کا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ فضائل علیّہ اور مدائح جلیلہ سے ہونا، ضروریاتِ دین سے ہے۔ تو اس معنی کا انکار، یا ان کی تاویل و تحویل، ضروریاتِ دین کا انکار، اور شدید توہین و تنقیصِ شانِ حضور اقدس حضور پرنور سید الابرار صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ تو جو اس دینی ضروری کا انکار کرے، اور حضور کے زمانہ میں، یا حضور کے زمانۂ اقدس کے بعد کسی کو نبوّت ملنا مانے، یا اُسے جائز جانے، وہ یقیناً قطعاً کافر ہے۔ اور ایسا کافر ہے کہ جو اس کے اس عقیدہ پر مطلع ہو کر اُسے مسلمان جانے، اگرچہ ادنیٰ درجہ کا، یا اس کے کافر ہونے میں شک کرے، وہ خود کافر و مرتد اور اسلامی برادری سے خارج ہے۔

یہ مسئلہ و عقیدہ ایسا مسئلہ و عقیدہ نہیں کہ اسے مبحث بنا کر مسلمانوں کے دین و ایمان سے کھیلا جائے اور نام نہاد علمی موشگافیوں کے انبار لگا کر، عوام مسلمین کو حیرت و استعجاب کے ورطۂ ظلمات میں دھکیل کر، اپنے نام کا جھنڈا بلند کیا جائے۔ اس مسئلہ یقینیہ کا انکار کرنے والے پہلے اپنے ایمان کی خبر لیں۔ کہ خیر سے سلامت بھی ہے یا نہیں۔ مگر ان مخالفینِ محاسنِ جلیلہ اور محامدِ جمیلہ کو یہ دولتِ سلامتیٔ ایمان کہاں نصیب۔

کہ ان کے تیرہ دلوں میں سارا غیظ و غضب تو اسی بات پر ہے کہ دینے والے نے انہیں زمین کی کنجیاں، آسمان کی کنجیاں، دُنیا کی کنجیاں، آخرت کی کنجیاں، جنّت کی کنجیاں، نار کی کنجیاں، غرض سارے جہانوں کی ساری کنجیاں دے کر، انہیں تمام جہان پر حاکم، اور تمام جہان کو ان کا محکوم بنا دیا۔ ملکوتُ السمٰوات والارض کو ان کے زیر فرمان اور خسروانِ عالم کو اُن کی بارگاہ عرش اشتباہ کا نیازمند کر دیا۔ غرض حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ خصائص وکمالات، جن میں آپ تمام مخلوق حتیٰ کہ انبیاء و مرسلین وملٰئکہ مقربین پر فائق وافضل ہیں اور جن میں آپ کا کوئی شریک نہیں بے شمار ہیں۔

امام جلال الدین سیوطی قدس سرہ نے خصائص کبریٰ میں ڈھائی سو کے قریب حضور کے خصائص جمع کیے یعنی وہ کمالات جلیلہ جو کسی نبی و رسول نے نہ پائے اور یہ صرف ان کا علم تھا۔ ان سے زیادہ علم والے زیادہ جانتے تھے۔ اور علمائے ظاہر سے علماء باطن کو زیادہ معلوم ہے۔ پھر تمام علوم خلائق، حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم اعظم سے ہزاروں منزل اِدھر منقطع ہیں جس قدر حضور صلی اللہ علیہ وسلم، اپنے فضائل وخصائل جانتے ہیں دوسرا کیا جانے۔ اور حضور سے زیادہ علم والا، اُن کا مالک ومولیٰ اجل وعلا۔ ان الیٰ ربّکَ المُنتہٰی۔ جس نے انہیں ہزاروں فضائل عالیہ وجلائل غالیہ دیئے۔ اور بیحد و بے شمار ابدالآباد کے لیے رکھے۔ اور صاف فرمایا کہ وللآخرۃُ خیرٌ لکَ من الاولیٰ۔ (بے شک آخرت تیرے لیے دنیا سے بہتر ہے) کیونکہ وہاں آپ کے لیے مقام محمود وحوض مورُود، وخیر موعود ولواء معقود، اور تمام انبیاء و رُسل پر تقدم، اور آپ کی امت کا تمام امتوں پر گواہ ہونا۔ اور آپ کی شفاعت سے مومنین کے مرتبے اور درجے بلند ہونا۔ اور بے انتہا عزتیں اور لاتعداد کرامتیں ہیں۔ وہاں جو نعمتیں حضور کو ملیں گی، نہ آنکھوں نے دیکھیں، نہ کانوں نے سنیں۔ نہ کسی بشر یا ملک کے خطرے میں آئیں۔

اسی لیے حدیث میں ہے حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم، جناب صدیق اکبرؓ

سے فرماتے ہیں یا ابا بکرٍ لم یعرفنی حقیقۃً غیرُ ربّی۔ اے ابوبکر مجھے ٹھیک ٹھیک جیسا میں ہوں، میرے رب کے سوا کسی نے نہ پہچانا۔

تُرا چناں کہ توئی دیدہ کجا بیند

بقدرِ بینشِ خود، ہر کسے کند ادراک

صلّی اللہ تعالیٰ علیک وعلیٰ آلکَ واصحابکَ اجمعین وبارک وسلّم۔

خود قرآن کریم میں یوں ارشاد ہوا تلك الرّسُلُ فضّلنا بعضهم على بعضٍ منهم من كلّم الله ورفع بعضهم درجٰت۔ یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں بعض کو بعض پر فضیلت دی۔ کچھ ان میں وہ ہیں جن سے خدا نے کلام کیا اور ان میں بعض کو درجوں بلند فرمایا" علماء فرماتے ہیں یہاں اس بعض سے حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں کہ انھیں سب انبیاء ومرسلین پر رفعت وعظمت بخشی۔ انہیں درجوں بلند فرمایا۔ ان درجوں کا کوئی شمار قرآن کریم میں مذکور نہیں۔ احادیث میں محصور نہیں۔ روایات میں مقصور نہیں۔ تو اب کس میں جرأت ہے، کس کی مجال ہے کہ ان کی گنتی کر سکے۔ ان کا شمار بتا سکے۔

پھر آیت کریمہ میں حضور کی اس رفعتِ مرتبت کا بیان فرمایا گیا اور نام مبارک کی تصریح نہ فرمائی گئی۔ یوں مبہم ذکر فرمانے میں بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عُلوِ شان کا اظہار مقصود ہے کہ ذاتِ والا کی یہ شان ہے کہ جب تمام انبیاء پر فضیلت کا بیان کیا جائے، تو سوائے ذاتِ اقدس کے یہ وصف کسی پر صادق ہی نہ آئے اور کوئی اشتباہ راہ نہ پا سکے۔ یعنی یہ وہ ہیں کہ نام لو یا نہ لو، انھیں کی طرف ذہن جائیگا اور کوئی دوسرا خیال مین نہ آئے گا۔ صلی اللہ علیہ وسلم اور اس ابہام نام میں جو لطف ومزہ ہے، اُسے اہلِ محبت ہی خوب جانتے ہیں ؎

اے گل بتو خرسندم تو بوئے کسے داری

کہنا یہ ہے کہ مسلمان پر جس طرح لا الٰہ الّا اللہ ماننا، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو احد صمد لاشریکَ لہ جاننا فرضِ اوّل ومدارِ ایمان ہے کہ اللہ ایک ہے اُس کا کوئی

شریک نہیں۔ نہ ذات میں، نہ صفات میں، نہ اسماء میں نہ افعال میں، نہ احکام میں۔ نہ سلطنت میں، نہ بادشاہی میں۔ یونہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو، جمیع صفات کمالیہ میں تمام عالم سے منفرد و بے مثال ماننا، فرضِ اجل وجزءِ ایقان ہے۔ اسی پر مدار ہے نجات کامل کا۔ اور یہی مدار ہے قبولیتِ اعمال کا۔

اللہ کی سرتا بقدم شان ہیں یہ ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم وشرّف وکرّم

خلاصہ اعتقاد شانِ رسالت میں یہ ہے۔ کہ توحیدیں دو ہیں۔ ایک توحیدِ الٰہی کہ اللہ ایک ہے۔ کسی بات میں کوئی اُس کا شریک نہیں۔ نہ ذات وصفات میں۔ نہ افعال واحکام میں۔ اور دوسری توحید، توحیدِ رسول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جمیع صفاتِ کمالیہ واوصافِ عالیہ میں بے مثل وممتنع النّظیر ہیں۔

اللہ وحدہٗ لاشریك لہٗ بے نظیر و بے ہمتا نے، اپنے حبیب ومحبوب، طالب ومطلوب، رسول اکرم، سید بنی آدم، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم کو بے نظیر و بے مثیل، بے مثال و بے عدیل، یکتا و بے ہمتا مبعوث فرمایا۔ اُس جانِ ایمان و ایمانِ جاں کو وہ صفاتِ کمالیہ، وہ محاسنِ عالیہ، وہ محامد غالیہ عطا فرمائے، جن میں اُس کا کوئی شریک، کسی کو نہ فرمایا۔ اپنی ہر صفت کا مظہر اتم۔ اپنی ذاتِ مستجمع الصفات کا آئینۂ اجلیٰ واکرم بنا کر بھیجا۔ خود وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے۔ تو اپنے حبیب پاک صاحبِ لولاک کو بھی، اُس کی صفات میں وحدہٗ لاشریک ہی بنایا۔ پاکی ہے شریک سے، اُس سبوح وقدوس، واحد ویکتا، بے نظیر و بے ہمتا وحدہٗ لاشریک لہٗ جلّ جلالہٗ وعزّ شانہٗ تبارک وتعالیٰ کو، جس نے اپنے اُس سب سے اعلیٰ محبوب کو ایسا واحد ویکتا، بے نظیر و بے ہمتا، عدیم المثل فی الصفاتِ العُلیا، کو بھی شریک سے منزہ وپاک فرمایا۔ امام محمد بوصیری قدس سرہٗ قصیدہ بردہ شریف میں فرماتے ہیں

مُنَزَّہٌ عَنْ شَرِیْكٍ فِی مَحَاسِنِہٖ فَجَوْھَرُ الْحُسْنِ فِیْہِ غَیْرُ مُنْقَسِمٖ

چند صفحات میں سمٹا ہوا یہ مضمون مسلمان بہ نگاہِ ایمان دیکھیں اور ہمیشہ پیشِ نظر رکھیں۔ وہابیت کی فریب سامانیوں میں نہ آئیں کہ وہ مردود و مقہورِ بارگاہِ الٰہی ہے۔

۱۲- محمد خلیل عفی عنہ

(۲) مسئلہ امکانِ کذب

ہر مسلمان کا ایمان ہے کہ مولیٰ سبحانہٗ و تعالیٰ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ ہر چیز پہ قدرت والا ہے۔ وہ ہر ممکن پہ قادر ہے۔ کوئی ممکن اس کی قدرت سے باہر نہیں۔ یہ قدرت ہر موجود و معدوم کو شامل ہے۔ بشرطِ حدوث و امکان۔ یعنی کوئی حادث و ممکن، اُس کے احاطۂ قدرت سے خارج نہیں۔ اور جو چیز محال ہے اللہ عزّوجلّ اس سے پاک ہے کہ اس کی قدرت اُسے شامل ہو۔ کہ محال کے معنیٰ ہی یہ ہیں کہ کسی طرح موجود نہ ہو سکے۔ اور جب مقدور ہو گا (اور مقدور کہتے ہی اُسے ہیں کہ قادر چاہے تو موجود ہو جائے) تو موجود ہو سکے گا۔ پھر محال نہ رہا۔ اسے یوں سمجھنا چاہیئے کہ دُوسرا خدا محال ہے یعنی نہیں ہو سکتا۔ تو یہ اگر زیرِ قدرت ہو تو موجود ہو سکے گا۔ تو محال نہ رہا۔ اور اس کو محال نہ ماننا وحدانیت کا انکار ہے۔ اور صریح کفر و ارتداد۔ یوہیں فنائے باری محال ہے۔ اگر تحتِ قدرت ہو، تو ممکن ہوگی۔ اور جس کی فنا ممکن ہو، وہ خدا نہیں۔ تو ثابت ہوا کہ محال پر قدرت ماننا، اللہ تبارک وتقدّس و تعالیٰ کی اُلوہیت ہی سے انکار ہے۔

یوہیں منجملۂ محالات، قدرتِ الٰہی کا سلب بھی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو سلبِ قدرتِ الٰہی پر قادر مانا جائے تو لازم کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کھو دینے، اور اپنے آپ کو عاجز محض بنا لینے پر بھی قادر ہو۔ اچھا عمومِ قدرت مانا کہ اصل قدرت ہی ہاتھ سے گئی۔ پس بحمد اللہ تعالیٰ صاف ظاہر کہ محال پر قدرت ماننا، جنابِ باری عزّ اسمہٗ کو سخت عیب لگانا، اور محالِ عقلی و ممتنعِ ذاتی پر قدرتِ الٰہی ماننے کے پردے میں، اصل قدرت بلکہ نفسِ الوہیت ہی سے منکر ہو جانا ہے۔ ہمارے دینی ایمانی بھائی اس مسئلہ کو خوب سمجھ لیں تاکہ وہابیہ نجدیہ کے مغالطہ و تلبیس سے امان میں رہیں۔

یوہیں ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہر کمال و خوبی کا جامع ہے

اور اس کے سب صفات، صفات کمال ہیں۔ اور وہ ہر اُس چیز سے جس میں عیب و نقصان ہے پاک ہے۔ تو جس طرح کسی صفتِ کمال کا سلب، اُس سے ممکن نہیں۔ یوہیں معاذ اللہ کسی صفتِ نقص کا ثبوت بھی امکان نہیں رکھتا۔ یعنی عیب و نقصان کا اس میں ہونا محال ہے۔ بلکہ جس بات میں نہ کمال ہو، نہ نقصان، وہ بھی اُس کے لیے محال ہے۔ مثلاً جھوٹ، دغا، خیانت، ظلم، جہل، بے حیائی وغیرہا عیوب اُس پر قطعاً محال ہیں۔ اور یہ کہنا کہ جھوٹ پر قدرت ہے۔ بایں معنی کہ وہ خود جھوٹ بول سکتا ہے، محال کو ممکن ٹھہرانا اور خدا کو عیبی بتانا، بلکہ خدا سے انکار کرنا ہے۔ کہ جب محال پر قدرت مانی۔ اور محال محال سب یکساں۔ تو واجب کہ سب محالات زیرِ قدرت ہوں۔ اور مِن جملۂ محالات، باری عزّ وجلّ کا عدم بھی ہے۔ تو اس پر بھی قدرت لازم۔ اب باری عزّ وجلّ عیاذاً باللہ تعالیٰ واجب الوجود نہ ٹھہرا۔ تو اس تعمیمِ قدرت کی بدولت الوہیت ہی پر ایمان گیا۔ تعالیَ اللہُ عما یقول الظّٰلمونَ علوّاً کبیراً۔ شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے اسی کی جانب سبحان اللہ عما یصفون سے اشارہ فرمایا ہے۔ اور یہ سمجھنا کہ محالات پر قادر نہ ہوگا تو قدرت ناقص ہو جائے گی، باطل محض ہے کہ اس میں قدرت کا کیا نقصان۔ نقصان تو اُس محال کا ہے کہ تعلقِ قدرت کی اس میں صلاحیت نہیں۔ بِللہ انصاف۔ وہابیہ کی جانب سے، اہل سنت پر معاذ اللہ عجزِ باری عزّ وجلّ ماننے کے الزامات صحیح ہیں یا ان مفتریوں کا دین و ایمان ہی سرے سے غلط اور اپنے خواہشاتِ نفس کی پیروی و شیطانِ رجیم کی پسروی و پیروی ہے۔ اور جسے ان لوگوں نے ایمان کا نام دیا وہ ایمان نہیں، ایمان سے مہجوری و دوری ہے۔

اور اب وہابیہ کی جانب سے اس قول بدتر از بول کا پس منظر بھی دیکھ لیجئے۔ اہل اسلام دلیل لائے تھے کہ اللہ عزّ وجلّ نے ولکنْ رّسُولَ اللہ وخاتمَ النّبیّین فرمایا کہ "وہ اللہ کے رسول ہیں اور تمام انبیاء کے پچھلے"۔ اگر کوئی اور حضور کا مثیل و نظیر ہو تو حضور خاتم النّبیّین نہ ہوں۔ اور اللہ کی بات معاذ اللہ، جھوٹ ہو"۔

امام وہابیہ نے اس کا ایک جواب تو یہ دیا کہ خدا کا جھوٹ کیا محال۔ چنانچہ اسماعیل دہلوی

کی یک روزی صفحہ ۱۴۵ پر ہے:۔ "ہم نہیں مانتے کہ اللہ کا جھوٹ بولنا محال ہو"۔
براہین قاطعہ میں کہ مولوی خلیل احمد انبیٹھی کے نام سے شائع کی گئی اور جس کی لوح پر لکھا ہے۔ "بامر حضرت چُنین وچُناں مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی"۔ اور خاتمہ پر اس کی تقریظ باایں الفاظ ہے:۔ "احقر الناس رشید احمد گنگوہی نے اس کتاب براہین قاطعہ کو، اوّل سے آخر تک بغور دیکھا۔ الحق کہ یہ جواب کافی اور حجت وافی ہے اور اپنے مصنف کی وسعتِ نورِ علم اور فسحتِ ذکاؤ فہم پہ دلیل واضح۔ حق تعالیٰ اس تالیفِ نفیس میں کرامت قبولیت عطا فرمائے۔ اور مقبول مقبولین و معمولِ عاملین فرماوے"۔
جس سے ثابت کہ گویا کتاب ہی تالیف اُن کی ہے۔ تو ظاہر ہے کہ اس کے مندرجات پر وہابیہ دیوبندیہ کو آنکھ میچ کر، ایسا ہی ایمان لانا فرض ہے جیسا کہ اُن کے نزدیک تقویۃ الایمان کا ہر گھر میں رکھنا فرض اور اُس کا پڑھنا ثواب ہے۔ تو اُس میں جو کچھ ہے وہ "ان مقبولین" میں مقبول اور ان عاملین کا معمول ہے اور اب دیکھیے کہ اسی کتاب کے بالکل ابتدائی صفحات پر یوں مذکور ہے کہ "امکانِ کذب کا مسئلہ تو اب جدید کسی نے نہیں نکالا۔ قُدماء میں اختلاف ہے۔"
مُسلمانو! کذب یعنی جھوٹ عیب و نقص ہے اور ہر عیب و نقص باری عزّوجلّ کے حق میں محال۔ اور شرع مطہر میں یہ مسئلہ اعلیٰ ضروریاتِ دین میں داخل۔ قرآن وحدیث نے جس طرح باری جلّ مجدہٗ کی توحید ثابت فرمائی کہ وہ یکتا و بے ہمتا ہے۔ یونہیں ہر عیب، ہر نقص، ہر نقصان سے اس کی تنزیہہ و تقدیس کا بیان فرمایا۔ اور خود کلمۂ طیبہ سُبْحٰنَ اللّٰہِ اور اسمائے حُسنیٰ سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ کے معنی ہی یہ ہیں کہ رب عزّوجلّ جملہ عیوب و نقائص سے پاک و مُنزّہ ہے اور ہر عیب و نقصان سے بَری و مُبرّا۔
مسلمانو! ہمارا سچا خدا بالذات ہر عیب و منقصت سے پاک ہے۔ کذب وغیرہ کسی نقصان کو اُس کے سراپردۂ عزت تک بار ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا کذب محال بالذات ہے۔ اور اس کے محال بالذات ہونے پر تمام ائمۂ اُمّت کا اجماع ہے۔

مسلمان جس کے دل میں، اُس کے رب کی عظمت، اور اُس کے کلام کی تصدیق ہو، اگرچہ کچھ بھی سمجھ رکھتا ہے تو اُس کے لیے یہی دو حرف کافی ہیں۔ اوّل یہ کہ کذب ایسا گندا ناپاک عیب ہے، جس سے ہر تھوڑی ظاہری عزت والا بھی بچنا چاہتا ہے۔ اور ہر بھنگی چمار بھی اپنی طرف اس کی نسبت سے عار رکھتا ہے۔ اگر وہ اللہ جلّ جلالہٗ کے لیے ممکن ہو تو وہ عیبی، ناقص، مُلوَّث، گندی گھنونی نجاست سے آلودہ ہو سکے گا۔ کیا کوئی مسلمان اپنے رب پر ایسا گمان کر سکتا ہے۔ مُسلمان تو مُسلمان کہ اُس کے لیے اُس کے رب کی امان ہے، ادنیٰ سمجھ والا یہودی نصرانی بھی ایسی بات اپنے رب کی نسبت گوارا نہ کرے گا۔ پاکی ہے اُسے جس کے سراپردۂ عزّت وجلال کے گرد، کسی عیب و نقص کا گزر قطعاً محال بالذات ہے۔ جس کی عظمت وقُدّوسیت کو ہر لوث و آلودگی سے بالذات منافات ہے۔ نہ اُس کا جہل ممکن ہے نہ کذب ممکن ہے۔ اور نہ اُس میں کسی طرح کے عیب ونقص کا امکان ہے۔

دوم یہ کہ جب اُس کا کذب ممکن ہوا تو اُس کا صدق ضروری نہ رہا۔ اور جب اُس کا صدق ضروری نہ رہا تو اُس کی کون سی بات پر اطمینان ہو سکے۔ ہر بات میں احتمال رہے کہ شاید جھوٹ کہدی ہو۔ کہ جب وہ جھوٹ بول سکتا ہے جیسا کہ وہابیہ کا اعتقاد ہے تو اس یقین کا کیا ذریعہ ہے کہ اُس نے کبھی نہ بولا۔ کیا اُسے کسی کا ڈر ہے۔ یا اُس پر کوئی حاکم و افسر ہے۔ جو اُسے دبائیگا۔ اور جو بات وہ کر سکتا ہے نہ کرنے دیگا۔ ہاں ذریعہ صرف یہی ہو سکتا تھا کہ خود اُس کا وعدہ ہو کہ میرا سب کلام سچا ہے۔ میں نے نہ جھوٹ بولا۔ نہ بولوں۔ مگر جب اُس کا جھُوٹ ممکن ٹھہرے۔ تو سرے سے اس وعدہ و فرمان ہی کے صدق پر کیا اطمینان۔ جب وہ جھوٹ بول سکتا ہے تو کیا معلوم کہ پہلا جھوٹ یہی کہا ہو۔

مسلمانو! جب کذب الٰہی یعنی اللہ ہی کا جھوٹا ہونا ممکن ہوا تو پھر اُس کی کونسی بات کا اعتبار رہا۔ غرض، معاذ اللہ اُس کا کذب ممکن مان کر، دین و شریعت اور اسلام و ملت، کسی کا اصلاً پتا لگا نہیں رہتا۔ جزاء و سزا، جنت و نار، حساب و کتاب و

حشر ونشر کسی پر ایمان کا کوئی ذریعہ نہیں رہتا۔ اب نہ قرآن رہا۔ نہ دین نہ ایمان بچا نہ یقین۔ وہابیہ و امام وہابیہ کا یہ ادنیٰ کرشمہ ہے کہ ایک ہی لفظ میں، تمام دین و ایمان، و نبی و قرآن، سب پر پانی پھیر دیا۔ تعالیٰ اللہ عما یقول الظلمون عُلُوًّا کبیرا۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو شیطانوں کے وسوسوں سے بچائے۔ آمین

ایک حجتِ ایقانی

کتب حدیث وسیَر کا مطالعہ کیجئے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ بہت خوش نصیب، ذی عقل لبیب، صرف جمال جہاں آرائے حضور پُر نور، سید عالم، سرور اکرم، مولائے اعظم صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ کر ایمان لائے کہ لیس ھٰذا وجہ الکذّابین۔ یہ مونھ جھوٹ بولنے والا نہیں۔

اے شخص! یہ اُس کے حبیب کا پیارا مونھ تھا۔ جس پر خوبی و بہار دو عالم نثار صلی اللہ علیہ وسلم اور پاکی و قدوسی ہے اُس کے وجہ کریم کے لیے۔ واللہ اگر آج حجاب اُٹھا دیں تو ابھی کھلتا ہے کہ وجہ کریم پر امکانِ کذب کی تہمت کس قدر جھوٹی تھی۔ مخالف اس دلیل کو دلیل خطابی کہے، کہے مگر میں اُسے حجتِ ایقانی لقب دیتا، اور مسلمانوں کی بداہتِ ایمانی سے انصاف لیتا اور اپنے رب کے پاس اُس دن کے لیے ودیعت رکھتا ہوں۔ یوم یَنفعُ الصّٰدِقین صِدقُھم۔

مسلمانو! آپ کو یاد ہو گا کہ اصل بات کاہے پر چھڑی تھی۔ ذکر یہ تھا کہ حضور پُر نور سیّد المرسلین، خاتم النّبیّین، اکرم الاوّلین والآخرین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مثل و ہمسر، حضور کی جملہ صفاتِ کمالیہ میں شریکِ برابر محال ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ حضور کو خاتم النّبیّین فرماتا ہے۔ اور ختم نبوّت، ناقابل شرکت ہے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مثل و ہمسر اور شریک برابر کا امکان ماننا، کذب الٰہی کو مستلزم ہے۔

اور کذب الٰہی محالِ عقلی"۔ اس پر اُس سفیہ نے پہلا جواب یہ دیا کہ کذب الٰہی محال نہیں۔ ممکن ہے کہ خدا کی بات جھوٹی ہو جائے"۔ اور اس ہذیان کی خدمت گذاری آپ سن ہی چکے۔

دُوسرا جواب یہ دیتاہے کہ" ممکن ہے کہ یہ آیت لوگوں کو بھلادی جائے۔ تو اب اگر حضور کی مثل دوسرا ہو سکا تو بندوں کا کسی آیت کو جھوٹا کہنا لازم نہ آئے گا"۔ حاصل یہ کہ امکانِ کذب ماننا، تکذیبِ قرآن کو اُسی وقت مستلزم، اور کلامِ الٰہی کا جھوٹا ہونا، اُسی وقت لازم، کہ آیاتِ قرآن محفوظ بھی رہیں۔ حالانکہ ممکن کہ اللہ تعالیٰ قرآن ہی کو فنا کر دے۔ پھر تکذیب کاہے کی لازم آئے گی۔

اَیُّھَا الْمُؤْمِنُوْن ! دیکھو صاف صاف کہا اور صاف صریح مان لیا کہ خُدا کی بات قرآن کریم کی آیت، واقع میں جھوٹی ہو جائے۔ واقعتہً جھوٹی پڑے، اس میں کوئی حرج نہیں۔ حرج تو اس میں ہے کہ بندے اُسے جھوٹا جانیں۔ اور یہ اُسی تقدیر پر ہوگا کہ آیات باقی رہیں جن کے ذریعے ہم جان لیں کہ خدا کی فلاں بات جھوٹی ہوئی۔ اور جب قرآن ہی محو ہو گیا اور بندوں کو پہلے ہی سے کوئی آیت بُھلا دی گئی، پھر جھوٹی پڑی تو کسی کو جھوٹ کی خبر بھی نہ ہوگی کہ جب یاد ہی نہیں تو کس کی تکذیب کریں۔ غرض سارا ڈر بندوں کا ہے کہ بندوں کے سامنے کہیں جھوٹا نہ پڑے۔ واقع میں جھوٹا ہو جائے تو کیا پروا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مسلمانو! یہ کیسا گندا کفر ہے۔ اس کا صاف صریح مفاد یہی تو ہے کہ عیب کی آلائش، اور کذب سے آلودگی، خدا میں آتو سکتی ہے۔ مگر اُس سے بچنے کے لیے مصلحۃً احتراز کرتا ہے۔ بندوں کے طعن سے ڈر کر جھوٹ سے بچتاہے۔ حالانکہ بحمدہٖ تعالیٰ ہر مسلمان جانتا مانتا ہے کہ عیب کی گنجائش ہونا ہی، اُس سبُّوح قدوس کے لیے سخت بھاری عیب ہے۔ مگر جہل خصوصاً جہل مرکب کا کیا علاج۔ ایسوں ہی کے لیے کہا گیا ہے کہ ؎

ہر کس کہ نداند و بداند کہ بداند
در جہلِ مرکب ابدالدہر بماند

۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

بلکہ بوجہ نازک ہونے ایسے مسائل کے، یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان میں قیل و قال اور زیادہ تفتیش کرنا، عجب نہیں کہ منع ہو۔[۹۶] دیکھئے تقدیر کا مسئلہ چونکہ پیچیدہ اور مجمع اشکالات تھا، اس میں گفت گو کرنے سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کس قدر سخت ممانعت فرمائی۔[۹۷] سو اس ممانعت کی علت بھی یہی دقت و اشکال، یہاں بھی ہے۔ سو ان دو مسئلوں میں بھی جب بوجہ تعرض ظاہری، ادلۂ عقلیہ و نقلیہ کے، اشکال شدید ہے۔ تو قیل و قال کرنے کی کیسے اجازت ہوگی۔ اسی مضمون کا خواب[۹۸]، فقیر کے ایک متعلق نے دیکھا، جس کو فقیر نے بہت پسند کیا۔ اس سے بہتر کوئی عملدرآمد نہیں۔ اور جو طبع آزمائی کے لیے گفت گو ہی کرنا ضروری ہے تو زبانی خلوت میں ہو۔ اور اگر تحریر کی حاجت ہو تو خط کافی ہے۔ نہ کہ رسالے اور کتابیں۔ اور اگر اسی کا شوق ہے تو عربی عبارت ہونی چاہیئے۔ تاکہ عوام خراب[۹۹] نہ ہوں۔ اور عوام کے لیے تو بالتعیین سکوت ہی ضروری ہے[۱۰۰]۔ تمام ہوا الحمد للہ، جو کچھ لکھنا تھا۔[۱۰۱]

۹۶ اب یہی دیکھ لیجئے کہ مسئلہ امتناعِ نظیر میں بات چھڑی تھی۔ کہ کوئی حضور کا نظیر و ہمسر اور شریک برابر نہیں۔ اور ان ذی ہوشوں نے اسے کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ حضور کی صفاتِ کمالیہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مثل و ہمسر اور شریک برابر کا پایا جانا ممتنع ذاتی اور محالِ عقلی ہے" ——— اس پر وہابیہ نے امتناع بالذات اور امتناع بالغیر، اور عموم و شمول نصوصِ قطعیہ اور عموم قدرتِ الٰہی کی بحث چھیڑ دی۔ لامحالہ علمائے اہلسنّت کو، جن میں حضرت مولانا فضل حق خیرآبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور اُن کے ہم عصر دوسرے علمائے کرام کو تقدم حاصل ہے۔ ان ذی ہوشوں کی، علم دانی کی قلعی کھولنی پڑی۔ تاکہ ان کے عقائد سے عامۃ المسلمین محفوظ رہیں اور پھر بات اتنی بڑھی کہ نہ صرف قدرتِ الٰہی کو ناقص مان کر، خدائے سبوح و قدوس کو عیبی آلائشی، ٹھہرایا بلکہ اُس کی الوہیت ہی سے انکار کی راہیں کشادہ کر دیں اور دین و

ایمان، شریعت و قرآن سب پر ہاتھ صاف کر دیا۔ جس کا قدرے بیان اسی رسالہ میں ابھی گزرا۔ اور تفصیل کتب علمائے اہلسنّت میں ہے۔ ۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

۹۷ عالم میں جو کچھ بھلا یا بُرا ہوتا ہے، یا ہوا، یا آئندہ ہوگا اور بندگانِ خدا جو کچھ نیکی یا بدی کے کام کرتے ہیں یا کریں گے۔ یہ سب اللہ عزّوجلّ کے علمِ ازلی کے مطابق ہوتا ہے اور ہوگا۔ ہر بھلائی بُرائی، اللہ عزّوجلّ نے اپنے علمِ ازلی کے مطابق مقدّر فرمادی ہے۔ یعنی جیسا اس ساری کائنات، زمین و آسمان کی جمیع مخلوقات، میں ہونے والا تھا۔ اور اس کی مخلوقات میں جو جیسا کرنے والا تھا، اُس علیم و خبیر نے اسے اپنے علم سے جانا اور وہی لکھ لیا۔ تو وہ سب کچھ اللہ کے علم میں ہے اور اُس کے پاس لکھا ہوا ہے۔ اسی کا نام تقدیر ہے۔

اور یہ خیال کہ جیسا اُس نے لکھ دیا ویسا ہی ہم کو کرنا پڑتا ہے۔ ایک مہمل ولایعنی وسوسۂ شیطانی ہے۔ عزیزو! اللہ عزّوجلّ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے بندوں کو پیدا فرمایا۔ انہیں کان، آنکھ، ہاتھ، پاؤں، زبان، وغیرھا آلاتِ کسب عطا فرمائے۔ انہیں کام میں لانے، اُن سے کام لینے کا طریقہ، الہام فرمایا۔ پھر اپنے فضلِ عمیم سے اعلیٰ درجہ کے شریف جوہر، یعنی عقل سے ممتاز فرمایا۔ تمام حیوانات پر انسان کا مرتبہ بڑھایا۔ پھر لاکھوں باتیں ہیں جن کا عقل ادراک نہ کرسکتی تھی، لہٰذا انبیاء بھیج کر، کتابیں اتار کر، ذرا ذرا سی بات جتادی کہ یہ خیر ہے، وہ شر۔ یہ بھلائی ہے وہ بُرائی اور یہ مفید ہے وہ مُضر۔ اور کسی کو عذر کی کوئی جگہ باقی نہ چھوڑی۔ آدمی جس طرح نہ آپ سے آپ بن سکتا تھا، نہ اپنے لیے، کان، ہاتھ، پاؤں، زبان وغیرہ بنا سکتا تھا۔ یوہیں اپنے لیے طاقت، قوت، ارادہ، اختیار بھی نہیں بنا سکتا۔ جس طرح اُس نے دیکھنے کو آنکھیں، بولنے کو زبان، کھانے پینے چلنے پھرنے کو مونھ ہاتھ پاؤں، سننے کو کان اور قوتِ احساس عطا فرمائی یوہیں اُس نے عقل و شعور کی دولت بخشی۔ ارادہ و اختیار کا سرمایہ اُسے مرحمت فرمایا۔ کہ ایک کام چاہے کرے چاہے نہ کرے۔ تو اُس ارادہ و اختیار کے پیدا ہونے سے آدمی صاحبِ اختیار و صاحبِ ارادہ ہوا۔ نہ کہ مضطر و لاچار، مجبور و ناکار۔

آدمی اور پتھر کی حرکت میں فرق کیا ہے؟ یہی نا کہ وہ ارادہ واختیار نہیں رکھتے۔ اپنے ارادہ واختیار سے کچھ کر نہیں سکتے اور آدمی میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ صفت پیدا کی۔ اسے ارادہ واختیار کی دولت دی۔ تو یہ کیسی اُلٹی مت ہے کہ جس صفت کے پیدا ہونے نے انسان کو پتھر سے ممتاز کیا، اُسی کی پیدائش کو اپنے پتھر ہو جانے کا سبب سمجھے اور دیگر جمادات کی طرح اپنے آپ کو بے حِس وحرکت، اور مضطر ومجبور جانے۔

ہاں اتنا ضرور ہے کہ یہ ارادہ واختیار جس کا انسان میں پایا جانا، روشن اور بدیہی امر ہے۔ قطعاً یقیناً جزماً، اللہ قادر وقدیر، علیم وخبیر ہی کا پیدا کیا ہوا ہے۔ اُسی نے ہم میں ارادہ واختیار پیدا کیا۔ اُس سے ہم اُس کی عطا کے لائق، مختار وصاحبِ اختیار ہوئے۔ یہ ارادہ واختیار ہماری اپنی ذات سے، ہمارا اپنا پیدا کیا ہوا، ہمارے اپنے کسب سے حاصل کیا ہوا نہیں، تو ہم "مختار کردہ" "اختیار دادہ" ہوئے۔ نہ کہ "خود مختار" اور بہر حیثیت با اختیار۔ کہ شتر بے مہار بنے، ہر گرفت سے آزاد، ہر مواخذہ سے بے نیاز، روئے زمین پر، دندناتے پھریں۔ اور بندہ پھر بندہ ہے۔ بندگی ونیاز مندی اس کی فطرت ہے۔ بندہ ہوتے کامل الاختیار ہونا، عقل کے لیے بھی قابل قبول نہیں۔ اور بندے کی یہ شان بھی نہیں کہ وہ خود رائے، خود مختار ہو سکے۔ تو یہی ارادہ یہی اختیار، جو ہر شخص اپنے نفس میں دیکھ رہا ہے، عقل کے ساتھ اُس کا پایا جانا، یہی دنیا میں شریعت کے احکام کا مدار ہے اور اسی بناء پر آخرت میں جزاء وسزا، ثواب وعذاب اور اعمال کی پُرسش وحساب ہے۔ کہ جزاء وسزا کے لیے جتنا اختیار چاہیے وہ بندہ کو حاصل ہے۔ الغرض اللہ تعالیٰ نے آدمی کو پتھر اور دیگر جمادات کی طرح بے حس وحرکت پیدا نہیں کیا بلکہ اُس کو ایک نوع کا اختیار دیا ہے۔ اور اُس کے ساتھ عقل بھی دی ہے کہ بھلے بُرے اور نفع نقصان کو پہچان سکے اور ہر قسم کے سامان واسباب مہیّا فرما دیئے ہیں کہ جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے، اُسی قسم کے سامان مہیّا ہو جاتے ہیں اور اسی بنا پر اس سے مواخذہ ہے۔ تو اپنے آپ کو بالکل مجبور یا بالکل مختار سمجھنا، دونوں گمراہی ہیں۔

پھر دنیا عالم اسباب ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ بالغہ سے، ایک چیز

کو دوسری چیز کے لیے سبب بنادیا ہے اور سُنّت الٰہی یوں جاری ہے کہ سبب پایا جائے تو مُسَبّب (یعنی وہ دوسری چیز، جس کے لیے یہ سبب ہے) پیدا ہو۔ اور انہیں اسباب کو عمل میں لانا، اور انہیں کسب فعل کا ذریعہ بنانا تدبیر ہے۔ جس کے ہم مکلّف ہیں۔ تو تدبیر منافی تقدیر نہیں۔ بلکہ تقدیر الٰہی کے عین موافق ہے۔ جس طرح تقدیر کو بھول کر، تدبیر پر پھولنا اور اسی پر اعتماد کر بیٹھنا کفّار کی خصلت ہے، یوہیں تدبیر کو محض عبث و فضول اور مہمل بتانا، کُھلے گمراہ یا سچّے مجنون کا کام ہے۔ انبیائے کرام سے زیادہ، تقدیر الٰہی پر کس کا ایمان ہوگا۔ پھر وہ بھی ہمیشہ تدبیر فرماتے اور اس کی راہیں بتاتے رہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا زرہیں بنانا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دس برس تک حضرت شعیب علیہ السلام کی بکریاں چرانا قرآن میں مذکور ہے۔ کوئی قصّہ و فسانہ اور بے سروپا کہانی نہیں کہ انکار کر بیٹھے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ وَالْقَدرِ خیرہ وَشَرِّہٖ من اللہ تعالیٰ کو حق جاننا، حق ماننا، اور صدقِ دل سے اُس کی تصدیق کرنا کہ کُلٌّ من عِندِ رَبِّنا، جو کچھ ہے سب اُسی کی طرف سے ہے۔ اُسی کی تقدیر سے ہے، ہمارے ایمان کی اساس و بنیاد ہے، تاہم تقدیری امور یعنی قضاء و قدر کے مسائل چونکہ عام عقلوں میں نہیں آسکتے۔ اس لیے ان میں زیادہ غور و فکر کرنا، یا انہیں کسی مجلس میں ذریعہ بحث بنا لینا، عوام کے لیے ہلاکت و نامرادی کا سبب ہے۔ صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس مسئلہ پر بحث کرنے سے منع فرمائے گئے۔ ماو شما کس گنتی، کس شمار میں ہیں عقیدۂ اہلسُنّت بس یہی ہے کہ انسان نہ پتھر کی طرح مجبور محض ہے کہ اپنے ارادہ و اختیار سے حرکت بھی نہ کر سکے اور نہ خود مختار و بالکلیہ صاحب اختیار، کہ جو چاہے کرتا پھرے۔ اُس سے کسی قسم کی کوئی پُرسش نہ ہو۔ اور اُس کے کسی فعل پر کوئی گرفت و مواخذہ نہ ہو۔ بلکہ ان دونوں کے بیچ میں ایک حالت ہے۔ تقدیر ایک گہرے سمندر کی مانند ہے جس کی تہ تک کسی کو رسائی نہیں۔ تقدیر ایک تاریک راستہ ہے جس سے گزرنے کی کوئی راہ نہیں۔ تقدیر اللہ تعالیٰ کا ایک راز ہے جس پر انسان کی عقل کو دسترس

نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب۔ ۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

۹۸ وہ خواب جو حضرت شاہ صاحب کے کسی متعلق یا متوسل نے دیکھا، اور جس کے مضمون کو شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے بہت پسند فرمایا، کیا تھا؟ یہ فقیر اب تک اس پر مطلع نہیں ہوا۔ مگر شریعتِ مطہرہ کا ایک ضابطۂ کلیہ، جو اس باب میں امتِ مرحومہ کو مرحمت ہوا۔ اور جو عام مسلمانوں کے حق میں بڑا مفید و رہنما ہے، یہ فقیر عرض کرتا ہے۔ تاکہ ناظرین کو یہ معلوم ہو جائے کہ کون سا خواب، معتبر و مقبول ہے۔ کونسا نہیں۔

اور وہ ضابطۂ کلیہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں ایسا فرمایا ہے۔ اگر قائل فاسق ہے تو اس کی بات یوں بھی غیر معتبر و غیر واجب القبول۔ اور اگر خواب بیان کرنے والا، حق پسند، حق جو، خدا پرست، خدا ترس، دیانتدار، پرہیزگار ہے تو دیکھیں گے اور یہ حکم جو یہ شخص حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا امت مرحومہ کے کسی معظّم و مکرّم دینی کی طرف نسبت کرتا ہے۔ اس حکم کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ کریمہ پر، جو بیداری میں ثابت ہو چکے ہیں، عرض کریں گے۔ اگر یہ حکم، اُن ارشاداتِ عالیہ میں سے کسی ارشاد گرامی کے مخالف و منافی نہیں فبہا۔ ایسی حالت میں اُس حکم کو صحیح تسلیم کریں گے اور مان لیں گے۔ کہ شرع میں یہ حکم پہلے ہی موجود ہے۔ ہم اس سے غافل تھے۔ کرم الٰہی نے اس ذریعہ سے ہمیں اس حکم شرعی تک پہنچایا تاکہ اس پر عمل پیرا ہوں اور سعادتِ دارین کمائیں۔ عام ازیں کہ وہ مطابقت، صراحۃً پائی جائے یا اشارۃً و کنایۃً۔

اور اگر یہ حکم، اُن ارشاداتِ ثابتہ کے مخالف و منافی ہو تو یقین کریں گے کہ صاحب خواب کے سننے میں غلط آیا۔ کہ حالتِ خواب میں، ہوش و حواس، عالم بیداری کی طرح نظم و ضبط و اختیار میں نہیں ہوتے، لہذا خواب میں جو ارشاد سُنے، بیداری کی مانند یقین کے مورث نہیں۔ اگرچہ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے خواب میں مشرف ہونا بلا شُبہ حق و صواب ہے۔

ایک شخص نے خواب دیکھا کہ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم اُسے میکشی کا حکم دیتے ہیں۔

امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا حضورؐ نے میکشی سے نہی فرمائی تیرے سننے میں اُلٹی آئی۔ اور اس امر میں فاسق و متقی دونوں برابر ہیں۔ نہ متقی کی بات کا مان لینا مطلقاً صحیح و واجب القبول۔ نہ فاسق کا بیان، یقیناً کذب و مردود۔ بلکہ ضابطہ مطلقاً یہی ہے جو مذکور ہوا۔ ۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

۹۹ عوام المسلمین کو گمراہی و کجروی سے بچانا، اُنہیں راہِ حق، راہِ ہُدیٰ پر چلانا، اگر مقصود ہو تو بے شک متنازع فیہا مسائل میں، زبانی گفت گو، یا پھر باہمی خط و کتابت، حتیٰ کہ رسائل و کتب میں عربی عبارت سے بہت سے مسائل حل ہو سکتے ہیں اور ہو جاتے ہیں اور دلِ انصاف منزل میں، حق جلوہ فرما ہو کر، ضلالت کی اندھیریوں کا پردہ چاک کر دیتا ہے۔ اور افتراق و انشقاق، اور مسلمانوں میں انتشار پھیلانے والے خود اپنی موت آپ مر جاتے ہیں۔

لیکن جب کسی مذہب کی بنیاد، مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دینے پر رکھی جائے اور مقصود یہ ہو کہ جتنا مسلمانوں میں انتشار بڑھے گا، اتنا ہی اپنا کام بنے گا۔ تو پھر خیر کی امید، اور بھلائی کی توقع، ان سے رکھنا، ایسا ہی ہے جیسا نا اہل کی تربیت اور زمین شور پر زراعت کا یہ زعم فاسد۔ کہ وہ نام نیکاں روشن کرے گا اور یہ پیداوار دیگی۔

اس قماش کے لوگ ہر وقت طلب جاہ و شہرت میں مبتلا، دامِ ریا، و نمود میں گرفتار، اور اپنی خواہشاتِ نفس کی تکمیل کے جنوں کا شکار بنے رہتے ہیں۔ کہ کسی طرح وہ بات نکالیئے جس سے آسمانِ تعلّی پر ٹوپی اُچھالیے۔ دور دور نام مشہور ہو۔ خاص و عام میں ذکر مذکور ہو۔ اپنا گروہ الگ بنائیں، وہ ہمارے غلام، ہم اُن کے امام کہلائیں، ان میں جن کی ہمّت، بے باکی و جرأت پوری ترقی کرتی ہے وہ انا ربّکم الاعلیٰ بولتے اور دعویٰ خدائی کی دکان کھولتے ہیں۔ جیسے گزرے ہوؤں میں فرعون و نمرود وغیرہما مردود۔ اور آنیوالوں میں ایک مسیح خرنشین یعنی دجّالِ لعین۔ کہ دعویٰ خدائی کرے گا اور اپنی کرشمہ سازیوں سے کفر و ضلالت کا پیٹ بھرے گا اور جو ان سے کم درجہ رکھتے ہیں، کذابِ یمامہ و کذّاب ثقیف وغیرہما خبیثوں کی طرح ادّعائی رسالت و

بنوت پر تھکتے ہیں۔ اور جن میں اتنی جرأت نہیں ہوتی۔ دنی فطرت لپست ہمت ہوتے ہیں، اُن میں کوئی مہدی موعود بنتا ہے، کوئی غوثِ زماں، کوئی مجتہدِ وقت، کوئی چنین وچناں۔

انہیں میں ہے یہ فرقۂ وہابیہ کہ اپنے مذہبِ باطل کی ترویج واشاعت کی خاطر وہ آیات کہ کفّار اہل کتاب اور اُن کے عمائد وارباب میں اُتریں، بہ بیباکانہ طور پر ایمان وانصاف کی آنکھ پر ٹھیکری رکھ کر، اہلسنّت وائمّہ اہلسنّت پر ڈھالتے، انہیں ان کا مصداق ٹھہراتے، اور سچّے مسلمان کو کافر ومشرک بناتے ہیں۔ اصل اس گروہ ناحق پژوہ کی نجد سے نکلی۔ اور حاصل ان کے عقائد کا یہ تھا کہ عالم میں وہی مُشتِ ذلیل موحّد مسلمان ہیں باقی تمام مومنین معاذاللہ مشرک۔ اسی فتنۂ شنیعہ نے نجد کے ٹیلوں سے اُتر کر، دارالفتن پاک وہند میں اپنے قدم جمائے اور مولوی اسماعیل دہلوی نے یہاں اس مذہب نامہذّب کا معلّم ثانی بن کر، نجدیت کے علم لہرائے۔ بلکہ اس بانیٔ ثانی کو شرک وکفر کی وہ تیز وتند چڑھی کہ مسلمانوں کو مشرک کافر بنانے کو حدیثِ صحیح مسلم۔ مشکوٰۃ کے باب لاتقوم السّاعۃُ الاّ علیٰ شرار النّاس، سے نقل کر کے بے دھڑک زمانۂ موجود پر جمادی جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ زمانہ فنا نہ ہوگا جب تک لات وعزّیٰ کی پھر پرستش نہ ہو۔ اور وہ یوں ہوگی کہ اللہ تعالیٰ ایک پاکیزہ ہوا بھیجے گا۔ جو ساری دنیا سے مسلمانوں کو اُٹھالے گی۔ جس کے دل میں رائی کے دانے برابر ایمان ہوگا انتقال کریگا۔ جب زمین میں نرے کافر رہ جائیں گے، پھر بتوں کی پوجا بدستور جاری ہو جائے گی"۔ اس حدیث کو نقل کر کے اپنی کتاب تقویۃ الایمان میں صاف لکھ دیا سو پیغمبرِ خدا کے فرمانے کے موافق ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ہوشمند نے اتنا بھی نہ دیکھا کہ اگر یہ وہی زمانہ ہے جس کی خبر حدیث میں ہے تو واجب ہوا کہ روئے زمین پر مسلمان کا نام ونشان باقی نہ ہو۔ مسلمانوں کو تو خدا کی امان ہے اور اُن کے لیے اُن کے سچّے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سچّی بشارت آئی ہے کہ یہ اُمّتِ مرحومہ ہرگز شرک اور غیر خدا کی پرستش نہ کرے گی۔ (احمد وابن ماجہ وغیرہما)

مگر بھلے مانس اب تو اور تیرے ساتھی، کدھر بچکر جاتے ہیں۔ کیا تمہارا طائفہ، دنیا کے پردے سے کہیں الگ بستا ہے۔ تم سب بھی انہیں شرار الناس و بدترین خلق میں ہوئے جن کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان کا نام نہیں۔ اور دینِ کفار کی طرف پھر کر بتوں کی پوجا میں مصروف ہیں۔ سچ آیا حدیث مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ حُبُّكَ الشَّیْءَ یُعْمِی وَیُصِمُّ (کسی چیز کی محبت آدمی کو اندھا بہرا تک بنا دیتی ہے) شرک کی محبت و پسند نے اُس ذی ہوش کو ایسا اندھا بہرا کر دیا کہ خود اپنے اور اپنے اتباع و اذناب، پسرووں اور پیروکاروں کے کفر کا اقرار کر بیٹھا۔ غرض تو یہ ہے کہ کس طرح تمام مسلمانوں کو معاذ اللہ مشرک ٹھہرائیں۔ اگرچہ پرائے شگون کو اپنی ہی جڑ سے کٹائیں۔ اپنا چہرہ ہموار اور سپاٹ ہو جائے تو پروا نہیں، مسلمانوں سے تو بزعم خبیث دین و ایمان کا دامن چھوٹے۔

واقعی یہ لوگ اُن پُرانے خارجیوں کے ٹھیک بقیہ و یادگار ہیں۔ وہی مسئلے وہی دعوے، وہی انداز، وہی وتیرے، خارجیوں کا داب تھا کہ اپنا ظاہر اس قدر متشرع، مطابق شرع بناتے کہ عوام مسلمین انہیں نہایت پابندِ شرع جانتے۔ پھر بات بات پر عمل بالقرآن کا دعویٰ، عجب دام ہم رنگِ سبزہ تھا۔ اور مسلک وہی کہ ہمیں مسلمان ہیں باقی سب مشرک۔ یہی رنگ ان حضرات کے ہیں۔ آپ مومن و مؤحّد اور سب کفار و مشرکین۔ آپ محمدی و متبع شریعت، باقی سب بددین و گرفتار بدعت۔ آپ عامل بالقرآن والحدیث، اور سب چنین و چناں، بزعم خبیث۔ قاتلھم اللہ انّٰی یُؤفکون۔

مسلمانانِ اہلسنّت کان کھول کر سُن لیں کہ دھوکے کی ٹٹی میں شکار نہ ہو جائیں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح حدیث میں ایک کلمہ گو، بے دین و گمراہ گروہ کے متعلق فرمایا کہ "تم اپنی نماز، اُن کے آگے حقیر جانو گے۔ اور اپنے روزے اُن کے روزوں کے سامنے، اور اپنے اعمال اُن کے اعمال کے مقابل"۔ باایں ہمہ ارشاد فرمایا ویقرؤن القرآن لا یُجاوِزُ حَنا جِرَھُم (الحدیث) ان اعمال پر اُن کا یہ حال ہو گا کہ قرآن پڑھیں گے۔ گلوں سے تجاوز نہ کرے گا (اُس کی برکتوں سے اُن کے دل متاثر نہ ہونگے)

دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے (بخاری و مسلم)

غرض کہنا یہ ہے کہ جب آدمی طلبِ جاہ و شہرت کے دام تزویر میں گرفتار اور ریاء و نمود اور خواہشاتِ نفس کا شکار ہو جائے۔ تکبر و تعلّی کو اپنا وطیرہ اور خودنمائی و خودستائی کو اپنا داب و طریقہ بنالے، تو کوئی نصیحت اس پہ کارگر نہیں ہوتی۔ کوئی پند، اُس کے حق میں سودمند نہیں ہوتی۔ حق کے ساتھ اُن کی ہٹ دھرمی، انہیں راہِ راست پر نہیں آنے دیتی۔ تو ایسوں سے یہ امید باندھنا اور یہ توقع رکھنا کہ وہ حق کی خاطر، حق کے لیے حق بات کہیں گے اور سنیں گے اور متنازع فیہ مسائل میں حق کا ساتھ دیں گے، ایک خیال خام ہے اور لاحاصل۔ جس کا بارہا تجربہ ہو چکا اور جو اب چاہے انہیں آزمالے۔ جواب ان کا وہی ہے کہ مرغی کی ایک ٹانگ۔ یعنی جو انہوں نے کہدیا بس وہی حق و صواب ہے باقی سب لغو و ناقابل التفات ہے۔ ۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

تقویۃ الایمان کی ایک دُزدی و دیدہ دلیری

تقویۃ الایمان والے بے باک چالاک کی نہایتِ عیاری یہ ہے کہ اُسی مشکوٰۃ کے اُسی باب "لاتقوم الساعۃ الاعلیٰ شرار الخلق" میں، اُسی حدیثِ مسلم کے برابر متصل بلافصل، دوسری حدیثِ مفصّل، اسی صحیح مسلم کی عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی، وہ موجود تھی، جس سے اس حدیث کے معنی واضح ہوتے۔ اور اُس میں صراحۃً ارشاد ہوا تھا کہ یہ وقت کب آئیگا اور کیونکر آئیگا اور آغاز بت پرستی کا منشاء کیا ہوگا۔ وہ حدیث مختصراً یہ ہے کہ "حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں دجال نکل کر چالیس دن تک ٹھہرے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ عیسیٰ بن مریم علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھیجے گا وہ اُسے ہلاک کریں گے۔ پھر سات برس تک لوگوں میں تشریف رکھیں گے کہ کوئی دو دل آپس میں عداوت نہ رکھتے ہوں گے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ شام کی طرف سے ایک ٹھنڈی

ہوا بھیجے گا کہ روئے زمین پر جس کے دل میں ذرّہ برابر بھی ایمان ہوگا اس کی روح قبض کرلے گی۔ یہاں تک کہ اگر تم میں کوئی پہاڑ کے جگر میں چلا جائیگا تو وہ ہوا وہاں جا کر بھی اُس کی جان نکال لے گی۔ اب بدترین خلق باقی رہ جائیں گے۔ فسق وشہوت میں پرندوں کی طرح ہلکے سبک، اور ظلم وشدّت میں درندوں کی طرح گراں وسخت۔ جو اصلاً نہ کسی بھلائی سے آگاہ ہوں گے۔ نہ کسی بدی پر انکار کریں گے۔ شیطان ان کے پاس آدمی کی شکل بن کر آئے گا اور کہے گا تمہیں شرم نہیں آتی۔ یہ کہیں گے" پھر تو ہمیں کیا حکم کرتا ہے۔ وہ انہیں بت پرستی کا حکم دے گا۔ اس کے بعد نفخِ صور ہوگا۔" تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی صراحۃً ارشاد فرما دیا تھا کہ وہ ہوا خروج دجّالِ لعین ونزول عیسیٰ مسیح علیہ السلام کے بعد آئے گی۔ تقویۃ الایمان میں اس کا اعتراف بھی ہے۔ مگر عیار ہوشیار اس حدیث کو الگ بچا گیا اور اس صاف صریح روشن واضح مضمون سے آنکھیں پھیر کر، دامن سمیٹ، ہوا ہوا۔ کہ یہاں تو سارے مکر کی قلعی کھلتی، اور صاف ظاہر ہوتا کہ حدیث میں جس زمانے کی خبر دی ہے، وہ دجّالِ لعین کے خروج وہلاک، اور حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے انتقال کے بعد آئے گا۔ اُسی وقت کے لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ روئے زمین پر کوئی مسلمان نہ رہے گا۔ جس طرح احمد ومسلم وترمذی کی حدیث میں اَنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آیا کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" قیامت نہ آئے گی جب تک کہ زمین میں کوئی اللہ اللہ کہنے والا رہے۔"

اللہ اللہ یہ حدیث بھی مشکوٰۃ بحوالہ مسلم، اسی باب کے شروع میں ہے، دامِ تزویر پھیلانے والا یہ مزّور وچالاک، دلدادۂ تکفیر واشراک، کہ کھینچ تان کر، مسلمانوں کو کفر وشرک میں ملوّث کرنے کا شائق ہے، برابر کی حدیثیں نقل کرتا، تو مسلمانوں کو کافر ومشرک کیونکر بناتا اور اس جھوٹے دعویٰ کی گنجائش کہاں سے پاتا کہ اپنے زمانے کی نسبت لکھ دیا۔ سو پیغمبر خدا کے فرمان کے موافق ہوا۔" اب نہ خروجِ دجّال کی حاجت رہی نہ نزولِ مسیح کی ضرورت۔ بلکہ ان کے سیسوں وہ ہوا بھی چلی گئی۔

مسلمان دیکھیں کہ جو عیّار، صریح حدیثوں میں ایسی معنوی تحریفیں کریں، اور اُنھیں مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود ٹھہرائیں، حالانکہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم متواتر حدیثوں میں ارشاد فرمائیں کہ جو جان بوجھ کر، مجھ پر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے۔" ایسوں کا مذہب و مشرب معلوم۔ ع

قیاس کن زگلستانِ شاں، بہارِ شاں

صاحبِ تقویۃ الایمان کا اقراری کُفر

مسلمانو! تم نے دیکھا کہ اس دلدادۂ تکفیر و دیوانۂ اشراک نے، تمام مُسلمانوں کو کافر مشرک بنانے کے شوق میں، ختمِ دُنیا کی حدیث، صاف صاف اپنے زمانۂ موجودہ پر جمادی اور کچھ پروا نہ کی کہ جب یہ وہی زمانہ ہے جس کی اس حدیث نے خبر دی۔ اور وہ ہوا چل چکی۔ اور جس کے دل میں رائی برابر بھی ایمان تھا، مر گیا۔ اب تمام دنیا میں نِرے کافر ہی کافر رہ گئے ہیں تو یہ شخص خود، اور اُس کے پیرو کار و اتباع، (جو اس کتاب تقویۃ الایمان کو معاذ اللہ کتابِ آسمانی کی مثل جانتے اور اپنے مذہب نامہذب کی کتاب مقدس مانتے ہیں) کیا دنیا کے پردے سے کہیں الگ بستے ہیں۔ یا قرآن و حدیث میں اس بانیٔ مذہب اور اس ناپاک مذہب کے پیرو کاروں کے لیے اس حکم سے استثناء آگیا ہے، یا خدا و رسول، جَلَّ وعَلا و صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کھُلی آزادی دیدی ہے کہ جو ناکردنی چاہیں کریں، اور جو ناگفتنی، کہنا چاہیں کہیں، ان کے ایمان کو ٹھیس نہ لگے گی۔ ان کے دین و اسلام پر آنچ نہ آئے گی۔ اور شریعتِ مطہرہ کا کوئی حکم اُن کے دین و ایمان کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔

چوں وضوئے محکمِ بی بی تمیز

نہیں نہیں۔ یہ لوگ بلکہ ان لوگوں کا وہ پیش رو، خود اپنے اقرار سے ٹھیٹ کافر اور

ایسے پکے بت پرست ہیں کہ ان کے دل میں رائی برابر ایمان نہیں - یہ خود اُن کا اقراری کفر ہے اور مسئلہ شرعیہ ہے کہ جو اپنے الحاد و کفر کا اقرار کرے - وہ کافر ہے بلکہ عالمگیری میں فرمایا کہ جو کلمہ گو مسلمان اپنے ملحد ہونے کا اقرار کرے - کافر ہو جائے گا۔ اور اگر کہے کہ میں نہ جانتا تھا کہ اس میں مجھ پر کفر عائد ہوگا تو یہ عذر نہ سنا جائے گا۔ اسی طرح اس قول میں اُس نے تمام اُمت کو کافر مانا - اور یہ بھی اس امت کا ایک فرد ہے تو یوں بھی اقراری کافر ہوا - ۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

صاحب تقویۃ الایمان کی کچھ اور زہرافشانیاں

مسلمانو! اللہ عزّوجل ہمیں تمہیں اور ہمارے تمہارے اسلام و ایمان کو، ہر قسم کے فتنہ و فساد سے مامون و محفوظ رکھے اور شیطانی وسوسوں سے بچائے، ہم یہاں تقویۃ الایمان کے گنتی کے چند اقوال ذکر کرتے ہیں اور حق و صواب کا فیصلہ، اہل ایمان و اربابِ انصاف پر چھوڑتے ہیں - وہ خود فیصلہ کریں کہ جس شخص کے ایسے گندے اقوال ہوں، کیا اُسے اپنے آپ کو مسلمان کہلانے کا حق ہے۔ تقویۃ الایمان چھپی ہوئی بازاروں میں موجود ہے - چھپی ہوئی نہیں کہ ان اقوال کو، افتراء و تہمت کے پسِ پردہ ڈال کر ہاتھ جھاڑ کر علیحدہ ہو جائے - اسی کتاب میں ہے -

۱ - "جتنے پیغمبر آئے ہیں سو اللہ کی طرف سے یہی حکم لائے ہیں کہ اللہ کو مانئے، اور اُس کے سوا کسی کو نہ مانئے۔" حالانکہ ہر مسلمان جانتا ہے کہ رسولوں، فرشتوں، کتابوں کا ماننا جزو ایمان ہے اور ان کا نہ ماننا ایسا ہی کفر ہے جیسا اللہ عزّوجلّ کو نہ ماننا۔

۲ - "ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا، اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہے۔" یہاں چمار سے بھی زیادہ ذلیل کہا اور دوسری جگہ ذرّہ ناچیز سے بھی کم تر۔ یعنی

چوہڑے چمار سے بھی بدتر۔ کہ وہ پھر انسان ہیں اور انسان کو عزت بخشی گئی ہے اور کسے کہا انبیا، ومرسلین اور محبوبان رب العالمین کو۔ جن کی عزت وعظمت، اللہ کی عزت وعظمت ہے۔

۳۔ "جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں"۔

مسلمانو! ایمان سے کہنا کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات انبیاء واولیا واصحاب ہدیٰ ومحبوبانِ خدا علیہم الصلوٰۃ والثناء کی نسبت ایسے ناپاک ملعون الفاظ کسی ایسے کے مونھ سے نکل سکتے ہیں جس کے دل میں رائی کے دانہ برابر ایمان ہو۔ حالانکہ ہر مسلمان کا ایمان ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اللہ عزوجل کے نائب مطلق ہیں اور زمین وآسمان اور دونوں جہان میں حضورؐ کا تصرف جاری ہے۔ اور اللہ عزوجل نے انہیں عظیم ووسیع اختیارات عطا فرمائے ہیں۔

۴۔ اسی کتاب تقویۃ الایمان میں حدیث تو یہ لکھی کہ "بھلا خیال تو کر، جو تو گزرے میری قبر پر کیا سجدہ کرے تو اُس کو"۔ آگے جو گستاخی کی رگ اچھلی، جھٹ آفت کی۔ (ف) لکھ کر فائدہ جڑ دیا۔ "یعنی میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں"۔

اس کے حامی اُس کے پیرو۔ ایمان سے بتائیں کہ یہ حدیث کے کس لفظ کا مطلب ہے۔

مسلمانو! سوچو تو سہی، یہ ہمارے اور تمہارے اور سارے جہان کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب پاک میں صریح گستاخی ہے یا نہیں۔

۵۔ سب سے بدتر خبیث قول جو صراطِ مستقیم میں لکھا وہ یہ ہے کہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نماز میں خیال لے جانا، ظلمت بالائے ظلمت اور اپنے بیل یا گدھے کے خیال کرنے یا کسی فاحشہ رنڈی کے تصور اور اُس کے ساتھ زنا کے خیال اور بیوی کے ساتھ مجامعت کے خیال سے بھی زیادہ بُرا ہے"۔

مسلمانو! خدارا ان ناپاک شیطانی ملعون کلموں کو غور سے دیکھو اور انصاف کرو کہ کیا ایسا کلمہ کسی اسلامی زبان وقلم سے نکلنے کا ہے۔ ایسے ناپاک کھلے کلمات، تو

کھلے ہوئے دشمنانِ اسلام کے زبان وقلم سے بھی تم نے نہ سنے ہوں گے۔ مگر اس مدعیٔ اسلام کا کلیجہ دیکھو کہ اس نے کس جگر سے، ایسے ناپاک، سب و دشنام کے لفظ لکھے۔ اور وہ بھی کس کی شان میں۔ اُن کی شان میں، جن کی ادنیٰ توہین کفر ہے۔ کیا اسلام اسی کا نام ہے۔ کیا ایمان ایسا ہی ہوتا ہے۔

اے راہروِ پشت بہ منزل، ہشیار
کیں راہ کہ تو میروی "بہ کفرستان" ست

ان مسائل کی تفصیل کے لیے دیکھیں الکوکبۃ الشہابیہ وغیرہ یا فقیر کا رسالہ "آئینہ حق نما"
۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

تقویۃ الایمانی "کفریات" سے رشتے ناتے والے

فتاویٰ رشیدیہ میں تقویۃ الایمان اور صاحبِ تقویۃ الایمان یعنی مولوی اسماعیل کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں مذکور ہے کہ:۔

مولوی محمد اسماعیل صاحب عالِم متقی اور بدعت کے اکھاڑنے والے اور سنّت کے جاری کرنے والے اور قرآن وحدیث پر پورا عمل کرنے والے، اور خلق اللہ کو ہدایت کرنے والے تھے اور تمام عمر اسی حالت میں رہے۔ اور کتاب تقویۃ الایمان نہایت عمدہ کتاب ہے اور ردِّ شرک وبدعت میں لاجواب ہے۔ استدلال اس کے بالکل کتاب اللہ اور احادیث سے ہیں۔ اس کا رکھنا اور پڑھنا اور عمل کرنا عین اسلام ہے۔ اور موجب اجر کا ہے۔ اس کے رکھنے کو جو بُرا کہتا ہے وہ فاسق و بدعتی ہے۔" اسی کتاب کے بارے میں لکھا کہ بندے کے نزدیک سب مسائل اُس کے صحیح ہیں" وغیرہا من الکلمات الواہیۃ۔

مسلمانو! اُس غلوِّ شدید کو تو دیکھو کہ بزعم خود، اُس کتاب کو (جس کا پیٹ ناپاک مضامین سے بھر اگیا ہے) قرآن کریم سے بھی بڑھا دیا کہ اُس کا رکھنا بھی عین اسلام ٹھہرا دیا۔ اور ظاہر ہے کہ جو بات عین اسلام ہو، وہ نہ ہوئی تو اسلام نہ رہا۔ اور اسلام نہ رہا تو کفر

ہوگیا کہ کُفر و اسلام ایک دُوسرے کی ضد ہیں اور عین کی نفی، ضد کا ثبوت ہے۔
مسلمان بھائیو! قرآن کریم کا ماننا عین اسلام ہے۔ جو نہ مانے کافر ہے۔ مگر اُس کا نہ رکھنا، یا نہ پڑھنا، یا عمل نہ کرنا، کفر نہیں۔ لیکن تقویت الایمان کے حق میں یہ سب کفر ہیں۔ جو اُسے پاس نہ رکھے وہ کافر۔ جو نہ پڑھے وہ کافر۔ جو عمل نہ کرے وہ کافر۔ کہ اُس نے عین اسلام کو چھوڑا۔

اور گنگوہی صاحب اور اُن کے ہم نوا، ہم عقیدہ اور ہم خیال دوسرے اکابر و اصاغر دیوبند کے نزدیک جب یہ کتاب "لاجواب" اور اس کے مندرجات "قرآن و حدیث کے استدلالات ہیں" تو غور تو کرو کہ بات کہاں سے کہاں پہنچی۔ جب تک ان کی یہ "کتاب پاک" تقویۃ الایمان، تصنیف ہی نہ ہوئی تھی، تو صحابہ کرام، تابعین عظام، ائمہ فخام، معظمانِ شریعت، اساطینِ دین و ملت سے لے کر شاہ عبدالعزیز صاحب تک کسی کو اسلام نصیب نہ ہوا کہ یہ سب، گنگوہی صاحب کے بقول، عینِ اسلام سے محروم رہے۔ تو خود اس کتاب کی تصنیف سے پہلے، مولوی محمد اسماعیل دہلوی کے بارے میں کیا خیال ہے۔ وہ کافر تھے یا مومن و مُوحّد۔

مسلمانو! یہ وہی گنگوہی صاحب ہیں، جن سے سوال کیا گیا کہ لفظ رحمۃ للعٰلمین مخصوص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے، یا ہر شخص کو کہہ سکتے ہیں"۔ تو ایمان کی آنکھ پر بے حیائی کی ٹھیکری رکھ کر جواب دیا کہ "لفظ رحمۃ للعٰلمین صفتِ خاصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہیں ہے بلکہ دیگر اولیاء و انبیاء اور علمائے ربانیین بھی موجب رحمتِ عالم ہوتے ہیں اگرچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب میں اعلیٰ ہیں۔ لہٰذا اگر دوسرے پر اس لفظ کو بتاویل بول دیوے تو جائز ہے فقط۔"

حالانکہ مسلمانوں کا "بچہ بچہ" جانتا ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک رحمۃ للعٰلمین ہونا قطعاً یقیناً خاص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت خاصہ ہے۔ جس میں اور انبیاء بھی شریک نہیں۔ مگر گنگوہی صاحب کے یہاں اس صفتِ خاصہ کی یہ بے قدری کہ دیوبند کا ہر مُلّا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شریک ہے۔ مگر باطن کی پھوٹ جانے والے،

کیا اوّل دن سے ظاہر کی بھی پھوٹی ہی لائے تھے۔ انہیں قرآن کریم کا یہ صاف روشن صریح بیان نظر نہ آیا کہ یہ رحمت بذریعۂ رسالت ہے کہ وما ارسلنٰک الا رحمۃً للعٰلمین۔ ہم نے تمہاری رسالت نہ کی مگر سارے جہان کے لیے رحمت"۔ تو رحمۃٌ للعٰلمین نہ ہوگا مگر وہ کہ رسول الی العٰلمین ہو۔ تمام جہان کو اُس کی رسالت اسکی رحمتِ عام ہو۔ اور وہ نہیں مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ لہٰذا اور انبیاء بھی اس وصفِ کریم میں حضور کے شریک نہیں ہو سکتے۔

خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "ہر نبی خاص اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا۔ اور میں تمام جہاں کی طرف بھیجا گیا ہوں"۔ ائمہ کرام نے اس وصفِ کریم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام انبیاء و مرسلین سے مطلقاً افضل ثابت ہونا، مانا ہے۔ مگر وہابیہ کے یہاں تو حضور میں رسالت سے اوپر کچھ اور نہیں۔ وہ کیونکر اسے حضور کی صفتِ خاصہ مانیں۔ اور پھر رسولوں ہی کے لیے تعمیم نہیں بلکہ گنگوہی صاحب نے ہر دیوبندی مُلّا، شریکِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہرا دیا۔ یہ شانِ اقدس میں کیسا بھاری شرک ہے۔ کاش ان مدہوشوں کو ہوش آئے۔

مسلمانو! وہ جو اسمٰعیل دہلوی نے بھر مونھ کفر بکا تھا اور حضور کی طرف یہ قول منسوب کیا تھا "میں بھی ایک دن مر کر مٹّی میں ملنے والا ہوں"۔ یہی گنگوہی صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیٹھ دے کر، اس کی جھوٹی اور اس ناپاک قول کی ناپاک تاویل، اپنے فتاویٰ میں یوں کرتے ہیں کہ "مٹّی میں ملنے کے دو معنی ہیں، ایک یہ کہ مٹّی ہو کر مٹّی زمین کے ساتھ خلط ہو جاوے۔ اور دوسرے مٹّی سے متصل ہونا۔ یہاں مراد دوسرے معنی ہیں۔ چونکہ مردے کو چاروں طرف سے مٹّی احاطہ کر لیتی ہے۔ اور نیچے مردے کے، مٹّی سے جسد مع کفن مُلاصق ہوتا ہے، یہ مٹّی میں ملنا اور مٹّی سے ملنا کہلاتا ہے۔ کچھ اعتراض نہیں"۔

مسلمانو! دیکھو جھوٹ گڑھا اور دانستہ گڑھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین درست کرنے کو گڑھا۔ کہاں مٹّی سے ملنا، اور کہاں مٹّی میں ملنا۔

ہر اُردو خواں جانتا ہے کہ مٹی میں ملنا اُسی کو کہتے ہیں کہ اجزا خاک میں ایسے مل جائیں کہ جُدا کرنا دشوار ہو۔ گنگوہی صاحب نے اسماعیل کی حمایت میں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین درست کرنے کو کیسی صریح بے ایمانی کی کہ مٹی سے متصل ہو جانا، مٹی میں ملنا کہلاتا ہے۔" حاش محض جھوٹ۔ روپیہ زمین پر، اور اُس پر مٹی رکھئے تو کوئی نہ کہے گا کہ روپیہ مٹی میں مل گیا۔ ہاں چاندی کا بُرادہ خاک میں گر کر مل جائے خلط ہو جائے تو اُسے کہیں گے کہ چاندی مٹی میں مل گئی۔

وہابیہ کے یہاں یہ وقعت ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کہ ان کی شان اقدس میں گالی کو کیسے کیسے چھل پیچ سے ٹھیک کیا جاتا ہے اور پھر دعوٰے ایمان باقی ہے۔ واقعۃً ایمان ہوتا تو گالیوں اور گستاخیوں کی یوں توجیہیں اور تاویلیں نہ کرتے۔ صاف لکھ دیتے کہ جس کا وہ عقیدہ ہے وہ کافر ہے۔ مگر جن کے عقیدے میں رسول اللہ کی قدر، باپ سے کم، بڑے بھائی کے برابر ہو انہیں اس کی کیا پروا۔

مسلمانو! تم یاد رکھو کہ مر کر مٹی میں ملنا یہ ہے کہ جسم گل کر خاک ہو اور خاک میں خاک مل جائے۔ اور یہ صریح توہین و کلمۂ کفر ہے۔ فقہائے کرام نے اس پر حجاج کی تکفیر کی اور حجاج ظالم کو کافر کہا۔ اُس نے لوگوں کو روضۂ اقدس حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا طواف کرتے دیکھا۔ بولا "کچھ لکڑیوں اور گلے ہوئے جسم کا طواف کر رہے ہیں۔"

علامہ کمال الدین دمیری نے فرمایا۔ علماء نے اس قول پر اس وجہ سے اس کی تکذیب کی، کہ اُس میں اُس ارشاد اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب ہے۔ کہ بے شک اللہ عزوجل نے پیغمبروں کا جسم کھانا، زمین پر حرام فرمایا ہے۔ نبی اللہ زندہ ہیں۔ رزق دیئے جاتے ہیں"۔ گنگوہی صاحب نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیٹھ دے کر، یہاں جو اپنے امام کی حمایت، حمیّتِ جاہلیت کی ہے۔ وہ وہی ان کی صریح بد دیانتی، کھلی ہوئی بے ایمانی اور گستاخی ہے۔ جس پر ان کے امام نا فرجام کے مہذب نا مہذب کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ ۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

نئلہ شاہ عبدالعزیز صاحب علیہ الرحمۃ کا یہ ارشاد کہ "عوام کے لیے بالتعیین سکوت ہی ضروری ہے۔" بجا اور بالکل برمحل و برجا ہے کہ عوام الناس کو وقائق علمی پرکھنے کی لیاقت کہاں؟ تو اس کا حاصل نہ ہوگا مگر لاحاصل۔ لیکن جب اہل ضلالت متحد سب مل کر ایک ہو جائیں اور حق و تحقیق حق کے نام پر عوام الناس کو جادۂ حق و صراطِ مستقیم سے بہکائیں۔ اپنی کھلی گمراہیوں کو، اہلِ حق پر ناجائز نکتہ چینیوں کے پردہ میں چھپا کر، اپنی کجروی و کم فہمی، اور گمراہی و نفس پرستی پر، حق و صداقت کا لیبل چپکا کر، عوام الناس ہی کے دین ایماں، اور عقیدۂ و ایقان کو اُضحوکہ بنائیں۔ کھلونا بنائیں، اور اپنی نفسانیت و غوایت، پیروی نفس و ضلالت کی اشاعت پر، پورا زور، بہ مکر و زور، دکھائیں، تو احقاقِ حق کا تقاضا اور الدین النُّصح (دین خیر خواہی کا نام ہے) کا مقتضیٰ یہی ہے۔ کہ عوام الناس کو ان گمراہوں اور گمراہ گروں کے کید و فریب سے آگاہ کیا جائے۔ اور ایمانی نگاہ سے دیکھئے تو اسلام و مسلمین کی سچی خیر خواہی، سچی اعانت، سچی دوستی، سچی نصیحت۔ اسی امر میں مضمر ہے کہ انہیں، دینی مضرتوں پر مطلع اور مذہبی احکام سے آگاہ کیا جائے۔ تاکہ عوام المسلمین جملہ اہل ضلالت سے دور و نفور رہیں۔ اور مذہب اہلسنّت کے برخلاف ان گمراہوں کی زہر میں بجھی ہوئی چھریاں اِن پر وار کر کے اپنا کام نہ کر جائیں۔

اللہ حسیب ہے اور قیامت قریب، اُس کا ثواب عظیم ہے اور عذاب شدید۔ دین کو جھگڑا سمجھنا، مسلمانوں کی شان سے بعید ہے۔ تنہا یا دو دو، اطمینان سے، انصاف و ایمان سے، دو تین بار سچے دل سے، یا ایک ہی نگاہ، اُن اقوالِ کفر و ضلال کو دیکھ لیں اور اہل اسلام اپنے قلوب سے فتویٰ لیں کہ:

۱۔ کیا جس نے کہا کہ "شیطان کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی، فخر عالم کی وسعتِ علم کی کونسی نصِ قطعی ہے"؛ اس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی نہ کی؟ کیا اُس نے ابلیس لعین کے علم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علمِ اقدس پر نہ بڑھایا؟ کیا وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وسعتِ علم سے کافر ہو کر، شیطان کی وسعتِ علم پر ایمان نہ لایا؟

۲۔ کیا جس نے شیطان کی وسعتِ علم کو نص سے ثابت مان کر، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وسعتِ علم ماننے والے کو کہا "تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔" اور کہا شرک نہیں تو کونسا ایمان کا حصہ ہے۔"

اس نے ابلیس لعین کو خدا کا شریک مانا یا نہیں؟ ضرور مانا، کہ جو بات مخلوق میں ایک کے لیے ثابت کرنا شرک ہوگی۔ وہ جس کسی کے لیے ثابت کی جائے قطعاً شرک ہی رہے گی۔ کہ خدا کا شریک کوئی نہیں ہو سکتا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ وسعت ماننی شرک ٹھہرائی، جس میں ایمان کا کوئی حصہ نہیں، تو ضرور اتنی وسعت خدا کی وہ صفتِ خاص ہوئی جس کو خدائی لازم ہے۔ تو جب نبی کے لیے اس کا ماننے والا کافر مشرک ہوا، اور اُس نے وہی صفت، وہی وسعت، خود اپنے مونھ ابلیس کے لیے ثابت مانی تو صاف صاف شیطان کو خدا کا شریک ٹھہرا دیا یا نہیں؟

مسلمانو! کیا یہ اللہ عزوجلّ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کی توہین نہ ہوئی؟ ضرور ہوئی۔ اور کیا خدا و رسول کی توہین کرنے والا کافر نہیں؟ ہے اور ضرور ہے۔

۳۔ کیا جس نے کہا کہ بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کی کیا تخصیص ہے۔ ایسا علم غیب تو زید و عمر و بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے۔" کیا اس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو صریح گالی نہ دی۔

کیا اُس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں صریح گستاخی نہ کی۔؟ مسلمانو! ذرا اُن کے اذناب و اتباع سے پوچھو تو سہی کہ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا ہی علم دیا گیا تھا، جتنا ہر پاگل اور ہر چوپائے کو حاصل ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

۴۔ کیا جس نے کہا کہ عوام کے خیال میں تو رسول اللہ کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ

سب میں آخری نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن الخ اُس نے خاتم النبیین کے معنی، سب میں پچھلے نبی ہونے کو جاہلوں کا خیال نہ بتایا۔ اور کیا یوں در پردہ تمام امت وصحابہ اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذاللہ جاہل و نافہم نہ ٹھہرایا۔ کیا یہ کفر نہیں؟ ہے اور ضرور ہے۔ بلکہ کفر در کفر ہے۔

بالجملہ ان اقوال کا کفر وضلال ہونا خود ہی عیاں ہے۔ آپ کا ایمان، آپ بتا دیگا کہ اللہ و رسول جلّ وعلاو صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب رفیع میں جن کے یہ عقیدے، یہ اقوال ہیں، وہ اللہ و رسول جلّ وعلاو صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہیں یا دوست۔ انکے دلوں میں اسلام کا مغز ہے یا پوست۔ جو نہ دیکھے یا دیکھ کر انصاف نہ کرے، اُس کا حساب اللہ واحد قہار کے یہاں ہے۔ اور جو دیکھے اور اللہ و رسول کی سچی محبت سامنے رکھ کر جانچے۔ مگر یوں کہ صاف صاف بات میں نہ ایچ پیچ کی حاجت، نہ اللہ و رسول کے مقابل کسی کی رعایت، پھر باب توفیق کھلے گا اور اُس کا ایمان خود ہی فیصلہ دے گا کہ بحمد اللہ تعالیٰ حق، آفتاب سے زیادہ عیاں ہے۔ تو ایسے اساسی عقائد و مسائل سے عوام المسلمین کو آگاہ نہ کرنا اور انہیں ہر حال میں صُمٌّ بُکمٌ بنائے رکھنا، ہرگز ہرگز مقصود شرع نہیں۔ اور نہ شاہ صاحب کا یہ مقصد۔ بلکہ بات صرف فروعی مسائل کی ہے۔ اور شاہ صاحب کی نصیحت کا ماحصل یہ ہے کہ عوام الناس ایسے مسائل میں علماءِ حق کے موںھ نہ آئیں۔ بلکہ خدا اور رسول کا پاس لحاظ رکھیں اور حق پر قائم رہیں۔

انتباہِ ضروری

وہابیہ عام طور پر اپنے عقیدے، اپنے نظریات، اپنی باتیں، اپنے خیالات دل میں چھپاتے ہیں اور فرعی مسائل، مجلس میلاد شریف، وقتِ ذکرِ ولادت، قیام اور درود و سلام۔ فاتحہ گیارہویں شریف، فاتحہ تیجا دسواں چالیسواں، عرس

بزرگانِ دین، یا رسول اللہ یا علی یا غوث کہنا، مزارات پر چادر چڑھانا، غلاف ڈالنا اور روشنی وغیرہ میں بحثیں کرتے ہیں۔ اور اُن میں جو غیر مقلد ہیں۔ (جو کل تک اپنے آپ کو اہلِ حدیث کہتے تھے اور آج سوادِ اعظم اہلسُنّت بنتے اور مسلمانوں کو چھلتے ہیں) وہ مقتدی کے فاتحہ نہ پڑھنے، آمین بالجہر نہ کہنے، رفیع یدین نہ کرنے، وتر کی تین، اور تراویح کی بیس رکعتیں ہونے اور ایسے ہی دوسرے امور میں چھیڑ کرتے ہیں۔ اور بھولے بالے مسلمان، اُن کے دھوکے میں آکر ان امور میں ان سے بحث کرنے لگتے ہیں۔ یہ ناواقف وہ عیار۔ نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ گمراہی بڑھے گی۔

بھائیو! جو لوگ اللہ و رسول کی عزت پر حملے کر رہے ہیں ان کو کسی فرعی فقہی جزئی مسئلے میں بحث کا کیا حق۔ یہاں تو ایک ہی بات اُن کے جواب کو کافی ہے۔ اور ایک اپنے سمجھنے کو۔ اوّل یہ کہ تم لوگ پہلے اللہ و رسول جل وعلا و صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنا ایمان تو ٹھیک کر لو۔ دوم یہ کہ ان مسائل میں مخالف وہ لوگ ہیں جن کے اللہ و رسول پر وہ کچھ حملے ہیں۔ پھر اُن کی بات کا کیا اعتبار۔ اور تمہیں اُن سے اور اُن کے ساتھ بحث و مباحثہ سے کیا سروکار۔ تمہیں تو وہ کرنا ہے جو دونوں جہاں کے ہادی و رہبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وایاکم وایاھم لا یضلونکم ولا یفتنونکم۔ تم اُن سے دور رہو۔ انہیں اپنے سے دور رکھو۔ کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کر دیں۔ کہیں وہ تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دیں۔ ۱۲ محمد خلیل عفی عنہ

۱۰۱ اور بحمدہ تبارک و تعالیٰ یہ فقیر بے توقیر بھی "فیصلہ ہفت مسئلہ" کے موضوعات کی توضیح و تشریح عبارات سے آج مورخہ ۴ محرم الحرام ۱۴۰۴ھ مطابق ۱۱ اکتوبر ۱۹۸۳ء بروز شنبہ فارغ ہوا۔ والحمد للہ رب العلمین۔ ہاں وصیت کے عنوان سے شاہ صاحب نے جو کچھ تحریر کیا۔ اُسے ہم نے قابل توضیح نہ جانا۔ اور اُس عبارت کو ہاتھ نہ لگایا کہ فتنہ خوابیدہ بہ۔

"فیصلہ ہفت مسئلہ" کی تہذیب و تذہیب کے بعد فقیر کا ارادہ تھا کہ برادرانِ اہلسُنّت وجماعت کی رہنمائی کے لیے، اساطینِ دین وملت، مقتدایانِ مذہب اہلسُنّت

کے رسائل و فتاویٰ اور معتمد علیہا کتابوں سے چند مفید مضامین کا انتخاب، اُن کے ملفوظات یا اپنی زبان، اپنے الفاظ میں، اس کتاب میں شامل کرے۔ مگر قضائے الٰہی سے ہوا یہ کہ اسی عشرۂ محرم میں یہ بندۂ گناہگار، اپنی شامتِ اعمال کا شکار، اپنے قدیم مرض ورمِ زبان کے علاوہ، پہلے انفلوانزا اور پھر ٹائیفائڈ میں مبتلا ہوگیا۔ حملہ ان دونوں کا اتنا شدید تھا کہ ایک ماہ دس یوم تک مدرسہ میں آنا بھی نصیب نہ ہوا۔ آخر کرمِ خداوندی نے دستگیری فرمائی اور اس بے مایہ، بے توقیر نے ان مضامین کی ترتیب کا آغاز کیا اور انہیں "چند معروضات" کا نام دیا۔ فقیر امید کرتا ہے کہ یہ بیش بہا "ہدایات" ان شاء اللہ تعالیٰ دین و دنیا اولیٰ و آخرت کی، سچی فوز و فلاح اور حقیقی سلامتی و صلاح کی موجب ہوں گی۔ واللہ الموفق ومنہ التوفیق و بیدہ ازمۃ التحقیق۔ وھو تعالیٰ اعلم بالصواب وعندہ ام الکتاب۔



گزارشِ واقعی

اس کتاب لاجواب میں جو کچھ عرض کیا گیا اور جتنا کچھ ان معروضات کی صورت میں آپ کے پیش نظر ہے اس کا مقصدِ اعظم، آیاتِ مبارکہ، احادیثِ کریمیہ اور دوسرے دلائل شرعیہ، ائمہٴ کرام کے ملفوظات، اور مشائخ عظام کے معمولات کی روشنی میں، نئے اور پرانے فتنوں کا ابطال وازہاق، اور مذہب مہذب اہلسنت کا اثبات واحقاق ہے۔ تاکہ برادرانِ اسلام، حق کو پہچانیں، حق کو مانیں، حق کو جانیں، حق پر کار فرما رہیں۔ حق کو اپنا شعار بنائیں۔ اور پیروئ دین اسلام و پابندئ مذہبِ اہلسنت کی بدولت، روحانی امراض سے نجات پائیں۔

کسی فرد یا جماعت کی توہین، یا دل آزاری، یا اشتعال انگیزی، یا بہتان تراشی نہ مطمح نظر ہے اور نہ ہمارا نصب العین۔ ہم بحمدہ تعالیٰ مسلمان ہیں۔ صاحب اسلام وایمان ہیں۔ سلامت روی ہمارا شیوہ ہے اور امن پسندی ہمارا شعار۔ دعا ہے کہ خدا و رسول جلّ وعلا وصلی اللہ علیہ وسلم اس کتاب مستطاب کی تالیف و ترتیب کو قبول فرمائیں اور ہمیں دین پر ثبات، حق پر استقامت بخشیں۔ آمین

بجاہ النبی الاُمّی الاَمین علیہ وعلی آلہ واصحابہ الصلوٰۃ والسلام الی یوم الدین۔



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اک ذرا تھوڑی دیر کے لیے نیچری تہذیب سے تنزّل فرما کر، نئی روشنی کی اندھیریوں بے جا حمایتوں اور ناحق طرفداریوں سے باہر آگر وہ چند معروضات بغور پڑھ لیجیے، جن کی ترتیب و تالیف میں اُس فقیر ہیچمداں نے بڑی محنت و کاوش کو اپنایا ہے۔ اگر بفرض باطل ہماری غلط فہمی ہے اور ہم اساطینِ مذہب مہذّب اہلسنّت اور بزرگانِ ملّت کی تصریحات سمجھنے سے قاصر رہے۔ اور سوادِ اعظم اہلسنّت انہیں غلط فہمیوں کو دین و مذہبِ حق جانتے رہے، تو حق و انصاف کو اپنا کر، بیجا پاسداری، ناحق طرفداری سے دامن بچا کر بتا دیجئے۔ ہمیں بحمد اللہ تعالیٰ ہرگز وہ نہ پائیں گے، جو سمجھ لینے کے بعد، باطل پر اصرار، حق سے انکار، نار پر عار، اختیار کرتے اور دیدہٗ و دانستہ اہل حق سے الجھتے رہتے ہیں۔ اور حرام کو حلال، حلال کو حرام کا جامہ پہنا کر، اسلام کو کفر، کفر کو اسلام بنا کر، عوام الناس، خصوصاً عامۃ المسلمین کو اپنی طرف، اپنوں کی طرف بلاتے رہتے ہیں۔

خلوص و للّٰہیّت پر مبنی ان چند معروضات کو ماننے نہ ماننے کا آپ کو اختیار ہے۔ ہم تو جزاء و حساب، وکشفِ حجاب، روزِ شمار پر محول کرتے ہیں۔ یہی وہ دن ہے کہ یَوۡمَ تُبۡلَی السَّرَآئِرُ فَمَا لَهٗ مِنۡ قُوَّۃٍ وَّ لَا نَاصِرٍ۔

جس دن سب چھپی باتیں جانچ میں آئیں گی تو آدمی کو نہ کچھ زور ہوگا۔ نہ کوئی مددگار"

معروضِ اوّل

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت سارے جہاں سے زائد ہونی شرطِ نجات ہے۔" ربِ عزّوجل ارشاد فرماتا ہے:

قُلۡ اِنۡ کَانَ اٰبَآؤُکُمۡ وَ اَبۡنَآؤُکُمۡ وَ اِخۡوَانُکُمۡ وَ اَزۡوَاجُکُمۡ وَ عَشِیۡرَتُکُمۡ

وَ اَمْوَالُ اِقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَا اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

"اے نبی فرما دو کہ اے لوگو تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی تمہاری بیبیاں، تمہارا کنبہ، تمہاری کمائی کے مال، اور وہ سوداگری، جس کے نقصان کا تمہیں اندیشہ ہے۔ اور تمہاری پسند کے مکان، ان میں کوئی چیز بھی، اگر تم کو اللہ اور اُس کے رسول، اور اُس کی راہ میں کوشش کرنے سے زیادہ محبوب ہے تو انتظار رکھو کہ اللہ اپنا عذاب اُتارے۔ اور اللہ تعالیٰ بے حکموں کو راہ نہیں دیتا۔"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جسے دنیا جہان میں، کوئی معزز، کوئی عزیز، کوئی مال، کوئی چیز، اللہ و رسول سے زیادہ محبوب ہو وہ بارگاہِ الٰہی سے مردود ہے۔ اللہ اُسے اپنی طرف راہ نہ دے گا۔ اُسے عذاب الٰہی کے انتظار میں رہنا چاہیئے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَ النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ۔

"تم میں کوئی مسلمان نہ ہوگا، جب تک میں اُس کے پاس اُس کے باپ اولاد اور سب آدمیوں سے پیارا نہ ہوں۔" (بخاری و مسلم)

اس حدیث نے تو بات صاف کر دی کہ جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو عزیز رکھے ہرگز مسلمان نہیں۔ مسلمانو! کہو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام جہان سے زیادہ محبوب رکھنا، مدارِ ایمان و مدارِ نجات ہوا یا نہیں؟ کہو ہوا اور ضرور ہوا۔

مسلمانو! کیا جس کے دل میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ہوگی۔ وہ اُن کے بدگو کی وقعت کر سکے گا۔ کیا جسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، تمام جہان

سے زیادہ پیارے ہوں وہ ان کے گستاخ سے فوراً سخت شدید نفرت نہ کرے گا۔ قرآن کریم کا تو صاف صاف یہی ارشاد ہے کہ جو شخص اللہ یا رسول کی جناب میں گستاخی کرے، مسلمان اُس سے دوستی نہ کرے گا۔ جس کا صریح مفاد ہوا کہ جو اُس سے دوستی کرے، اُس سے یارانہ منائے۔ اُسے اپنا ہمدرد و بہی خواہ بنائے، اُس کے ساتھ محبّت و یگانگت کے گیت گائے وہ مسلمان نہ ہوگا۔

رب عزوجل فرماتا ہے:

لا تجد قوما یؤمنون باللہ والیوم الآخر یوادون من حاد اللہ ورسولہ الآیۃ

"تو نہ پائے گا اُنہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ اور قیامت پر، کہ اُن کے دل میں ایسوں کی محبّت آنے پائے جنہوں نے خدا و رسول سے مخالفت کی۔ چاہے وہ اُن کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا عزیز ہی کیوں نہ ہوں۔"

اور قرآن کریم نے دوسرے مقامات پر ان سے دوستی کرنے اور محبّت کا دم بھرنے والوں کو ظالم بھی فرمایا اور گمراہ بھی ٹھہرایا۔ اور پھر یہ تصفیہ فرما دیا کہ

ومن یتولھم منکم فانہ منھم

کہ جو اُن سے دوستی رکھے وہ بھی اُنہیں میں سے ہے۔ اُنہیں کی طرح ظالم وکافر، اُنہیں کے مانند سرکش و گمراہ ہے۔ اور اُنہیں کے ساتھ ایک رسّی میں باندھا جائے گا۔"

کیا اب بھی کوئی مسلمان یہ کہہ سکتا ہے کہ نیچریوں، قادیانیوں، مرزائیوں، رافضیوں، وہابیوں اور دوسرے گمراہوں کے ساتھ وداد و محبّت اور اتحاد و یگانگت کے رابطے بڑھانا، اُن سے نیکی و شفقت سے پیش آنے میں کوئی حرج نہیں۔ سب روا ہے۔ سب بجا ہے۔

لِلّٰہ انصاف

اگر کوئی شخص تمہارے ماں باپ، تمہارے اُستاد، تمہارے پیر، تمہارے کسی معظّم کو دینی ہو یا دنیاوی، گالیاں دے۔ اُن کے حق میں زبان درازی کرے، اور نہ صرف زبانی بلکہ لکھ لکھ کر چھاپے شائع کرے۔ اُس کی اشاعت کا اہتمام، قابلِ اعتناء جانے، کیا تم اُس کا ساتھ دو گے۔ یا اُس کی بات بنانے کو تاویلیں گڑھو گے۔ یا اُس کے بکنے سے بے پرواہی کر کے اُس سے بدستور، حسبِ معمول صاف دل رہو گے۔ اُسے مرحبا کہو گے۔ اُس کی محبت کا دم بھرو گے اور خندہ پیشانی سے پیش آؤ گے۔

نہیں نہیں اگر تم میں انسانی غیرت، خاندانی حمیت، ماں باپ کی عزت، حرمت، عظمت، محبت کا نام نشان بھی لگا رہ گیا ہے تو اُس بدگو دشنامی کی صورت سے نفرت کرو گے۔ اُس کے سایہ سے دور بھاگو گے۔ اُس کا نام سُن کر غیظ لاؤ گے۔ جو اُس کے لیے بناوٹیں گڑھے اُس کے بھی دشمن ہو جاؤ گے۔ پھر خدا کے لیے ماں باپ کو ایک پلّے میں، اور اللہ واحد قہار و محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و عظمت پر ایمان کو، دوسرے پلّے میں رکھو۔ اگر مسلمان ہو تو ماں باپ کی عزت کو، اللہ و رسول کی عزت سے کچھ نسبت نہ مانو گے۔ ماں باپ کی محبت و حمایت کو، اللہ و رسول کی محبت و خدمت کے آگے ناچیز جانو گے۔ تو واجب واجب واجب لاکھ لاکھ واجب سے بڑھ کر واجب کہ اُن کے بدگو سے، وہ نفرت و دوری، و غیظ و جدائی ہو کہ ماں باپ کے دشنام دہندہ کے ساتھ اُس کا ہزارواں حصّہ نہ ہو۔ اور اس کا تقاضا، ایمانی تقاضا، یہ ہے کہ ایسے بدگویوں سے تنکا توڑ جدائی اختیار کرو اور صاف صاف الفاظ میں اُن سے بیزاری و نفرت کا اعلان کر دو۔

حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص حساب کے لیے بارگاہِ

ربّ العزّت میں لایا جائے گا۔ اُس سے سوال ہوگا، کیا لایا؟ وہ کہے گا، میں نے فرض کے علاوہ اتنی نمازیں پڑھیں۔ علاوہ ماہِ رمضان کے اتنے روزے رکھّے۔ علاوہ زکوٰۃ کے، اس قدر خیرات کی۔ اور علاوہ حج فرض کے، اس قدر حج کئے۔ وغیر ذالک۔ ارشاد باری ہوگا هَلْ وَالَيْتَ لِيْ وَلِيًّا وَّ عَادَيْتَ لِيْ عَدُوًّا۔ کبھی میرے محبّوں سے محبّت اور میرے دشمنوں سے عداوت بھی رکھی؟" نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ عمر بھر کی عبادت ایک طرف، اور خدا و رسول کی محبّت ایک طرف۔ اگر محبت نہیں، سب عبادات و ریاضات بیکار۔

نیچری تہذیب کے مدعیوں کو ہم نے دیکھا ہے۔ بھرے مجمعوں اور اسٹیجوں پر دیکھا ہے کہ ذرا کوئی کلمہ اُن کی شان کے خلاف کسی نے کہا، اور وہ ہوئے آپے سے باہر۔ تھوک اُڑنے لگتا ہے۔ آنکھیں لال ہو جاتی ہیں۔ گردن کی رگیں پھول جاتی ہیں۔ حواس باختہ ہو جاتے ہیں اور مخالف پر برس پڑتے ہیں اور اُس وقت وہ مجنوں تہذیب، وہ دیوانی شائستگی بھری پھرتی ہے۔ جس کے یہ دیوانے ہیں۔ اور جس کے ان کی زبانوں پر ترانے ہیں۔ وجہ کیا ہے کہ اُن کی اپنی نگاہوں میں اپنی عزت و وقعت، اللہ و رسول و معظمانِ دین سے زیادہ ہے۔ ایسی ناپاک تہذیب انہیں کو مبارک۔ فرزندانِ اسلام اس پر لعنت بھیجتے ہیں۔

قادیانیوں، مرزائیوں، رافضیوں، نیچریوں، چکڑالویوں اور ایسے ہی دوسرے گمراہوں کے اقوال و احوال اور عقائد و اعمال ان کی کتابوں سے ظاہر ہیں۔ جو انہیں اٹھا کر دیکھے گا۔ اُس کا ایمان اُسے آپ ہی بتادے گا۔ کہ جن کے یہ عقیدے، یہ اقوال ہیں، وہ خدا و رسول کے دوست نہیں، دشمن ہیں۔ ان کے دلوں میں اسلام کا مغز نہیں پوست ہے۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ:۔

قرآن کریم کی بعض آیات کریمہ یوہیں مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض احادیث مبارکہ

کی دلالتیں اپنے مطالب و مفاہیم اور اپنے معانی و موضوعات پر ایسی صریح و واضح ہوتی ہیں کہ ان کے معانی و مطالب میں کوئی خفا، کوئی اشتباہ کوئی احتمال نہیں ہوتا۔ ان کے الفاظ اپنے معنی و مدّعا پر صاف اور صریح دلالت کرتے ہیں۔ اور یہی وہ آیات و احادیث ہیں جنہیں تاویلات کا تختۂ مشق بنانے کا موقع مشکل ہی سے کسی غیر کے ہاتھ آتا ہے۔ اور بعض آیات واحادیث وہ ہیں جن کے معنی و مفہوم میں اشتباہ و احتمال کی گنجائش ہوتی ہے اور اس کی تعبیر و تفسیر کے مختلف پہلو نکلتے ہیں۔ انہیں آیات واحادیث کی تاویلات کی آڑ میں گمراہان و گمراہ گر، اپنی کجروی اور کج فہمی و کج رائی کو بنیاد بنا کر، مسلمانوں میں رخنے ڈالتے اور ان میں گمراہیاں پھیلاتے ہیں۔ کج رائے، کج رو، زندیق و الحاد کے داعی، صریح احکام و ہدایات کو پسِ پشت ڈال کر ان آیات واحادیث کو توڑ مروڑ کر اصل دین بتاتے اور اپنی گمراہیوں کی سندیں بناتے ہیں۔ اور ہمیشہ اسی اُدھیڑ بُن میں لگے رہتے ہیں۔ کہ دین میں کوئی نہ کوئی فتنہ برپا کریں، اور بجائے اُس کے کہ خود دین کی راہ پر چلیں، دین دار مسلمانوں کو اپنی راہ پر چلانا چاہتے ہیں، ان کا مقصود ہی یہ ہوتا ہے کہ عامۃ المسلمین کو تشویش میں ڈال کر، ائمۂ دین و سلفِ صالحین کی راہ و روش سے ہٹا دیں۔ ہوشیار ہوشیار۔ خبردار خبردار۔ ان کی باتوں میں نہ آئیں اور ان کی چکنی چپڑی زبان درازیوں پر کان نہ لگائیں۔ یہی قرآن کی تعلیم ہے یہی صاحبِ قرآن کی تلقین۔

معروض دوم

وہ شخص حکومت کا باغی و بدخواہ، اور ملک و ملت کا مخالف و دشمن قرار پاتا ہے جو حکومت کے صاف صریح قوانین کو اپنی ناقص فہم سے، اپنی خواہشِ نفس کے مطابق ملپٹ ڈالے۔ اور قانون کی عباراتِ منصوصہ کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھال کر، اُن کے اُن مصداقوں سے دور ڈال دے جن کے لیے واضح الفاظ میں وہ قانون بنایا گیا۔ اگرچہ نام اُسی قانون کا لے، اور قانون کے وضع کرنے والوں سے کھلم کھُلا مقابلہ نہ کرے۔

بلکہ یہ اس کی عیاری میں شمار ہوگا اور دوسرے کھلے ہوئے باغیوں سے زیادہ وہ سزا کا سزاوار ہوگا۔ کہ قانون کا جھوٹا نام لے کر فساد مچانا، انتشار پھیلانا اور ملکی امن و امان کو تہ و بالا کرنا اور اپنے ساتھ قانون کو بدنام کیا چاہتا ہے۔

بس یوہیں سمجھ لیجئے کہ جب اُس حاکم مطلق نے، اپنے خلیفہ برحق کی زبانِ حق ترجمان سے یہ قطعی حکم سنا دیا کہ تہتر فرقوں میں سے ایک ناجی ہے اور بہتر باغی وناری۔ اور یہ بھی طے کر دیا کہ غیر سبیل المومنین کا متبع اور اجماع مسلمین کا منکر، مستحق جہنم ہے۔ اور یہ امر بھی، واضح کر دیا کہ اہلبیتِ کرام و اصحاب عظام سے محبت فرض ہے اور ان سے دشمنی، دشمنی خدا و رسول ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ بدمذہبوں کی موالات و محبت باعثِ نقصان دین ہے۔ اور یہ بھی فرما دیا کہ منکر ضروریاتِ دین اسلام، قطعاً کافر ہے۔ الی غیر ذلك۔

پس دنیا ہی میں ایمانی ایقانی شرعی فیصلہ ہو چکا، ہو گیا۔ اب اس فیصلہ کو جو نہ مانے تو ایسے منافقِ عنید کے سزا دینے کو حضرت فاروقِ اعظم جیسا باہیبت و شوکت، محتسب شدید درکار ہے۔ ہم غربائے اہلسنّت سے سوائے پرہیز و احتراز کے، اس زمانۂ ضعیف میں اور کیا ہو سکتا ہے۔

میری نہ مانیں تو نہ مانیں۔ قرآن کریم کی تو مانیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تو مانیں۔ صحابۂ کرام خصوصاً خلفائے راشدین کو دیکھیں۔ تابعین و تبع تابعین، ائمہ مجتہدین، سلفِ صالحین کو دیکھیں۔ اجماع امت کو دیکھیں حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو دیکھیں۔ وہ اپنے مکتوبات جلد اول کے مکتوب ۱۶۵ میں صفحہ (۱۶۹) پر اپنے خلیفہ و مرید سیادت پناہ جناب سید شیخ فرید علیہ الرحمۃ کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

لازم است کہ ہمگی ہمت در اتیان احکام شریعت باید صرف نمود۔ و اہلِ شریعت را از علماء و صلحا، تعظیم و توقیر باید داشت و در ترویج شریعت باید کوشید۔ و اہل ہوا و بدعت را خوار باید داشت من وقر صاحب بدعۃ فقد اعان علی ھدم الاسلام۔ ...... (الی قولہ) اگر باین راہ رفتہ نشود، وصول باین جناب قدس، دشوار است

صیحات جمہات۔

یعنی یہ بات لازم ہے کہ شریعتِ مطہرہ کے احکام بجالانے میں پوری توجہ سے کام لیا جائے۔ اور پابند شرع علمائے دین وصالحین کی تعظیم و توقیر کی جائے شریعتِ مطہرہ کے احکام کو رائج کرنے میں کوشش کرتے رہنا چاہیئے اور اپنی خواہشات کے پیرو کار، بد مذہبوں کو ذلیل رکھنا چاہیئے کہ حدیث شریف میں ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ "جس نے کسی بد مذہب کی تعظیم کی، اُس نے اسلام کے ڈھا دینے پر مدد دی"۔ اور کافروں کے ساتھ جو خدائے برتر کے دشمن اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمن ہیں، دشمنی رکھنی چاہیئے۔ اور اُن کی ذلّت و خواری میں کوشش کرنی چاہیئے اور کسی طور ان کو عزت نہ دینا چاہیئے۔ ان بدنصیبوں کو اپنی مجلس میں نہ آنے دیں۔ نہ اُن سے رسم محبت پیدا کریں۔ بلکہ ان کے ساتھ شدّت و غلظت کا سلوک کیا جائے۔ اور جہاں تک ممکن ہو، کسی معاملہ میں ان کی طرف رجوع نہ کیا جائے۔ اور بالفرض اگر کوئی ضرورت پڑ ہی جائے تو بیت الخلاء جانے کی طرح، شرعی ناگواری اور مجبوری کے ساتھ، اُن سے اپنا کام نکالیں۔

آپ کے ناناجان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ قدس تک جو راستہ پہنچاتا ہے۔ وہ یہی ہے۔ اگر اس راہ پر نہ چلا جائیگا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ تک رسائی بہت دشوار ہے۔ یہ بات بہت دور ہے۔ یہ امر بہت بعید ہے۔ غرض اُس وقت سے آج تک علمائے اہلسنّت وجماعت (اللہ تعالیٰ اُنہیں اور فزونی دے) اپنے فتاوائے مبارکہ میں یہی ارشاد فرماتے رہے کہ تم دنیا میں جیو تو اس طرح جیو، جس طرح خدا و رسول جلّ وجلالہٗ وصلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی بسر کرنے کا حکم دیا ہے۔ کاروبار، بیوپار، نوکری، مزدوری سب شریعت مطہرہ کے مطابق ہو اور ہر قدم شریعتِ محمدیہ کے موافق ہو۔ جو لوگ اپنے عقائد کفریہ کے سبب بحکم شریعتِ مطہرہ کافر بے دین ہیں، اُن سے دینی عداوت، مذہبی نفرت رکھو۔ نہ کہ خلط ملط۔ گھال میل۔ محبت و یاری، اور باہمی اُنس و مودت۔ کہ یہ ہرگز

جائز نہیں۔ بلکہ جہاں تک بن پڑے دنیاوی تعلقات بھی اُن سے نہ رکھے جائیں لیکن اگر ایسا کرنے کے لیے ضرورتیں اور مجبوریاں درپیش ہوں تو بوقت ضرورت، بقدرِ ضرورت اس کی اجازت ہے۔ مگر وہ جو ان بدمذہبوں اور گمراہوں سے مذہبی نفرت و دوری، اور دینی اجتناب و بیزاری کا حکم شرعی ہے، اُس میں کمی نہ آنے دیں یہی دین، یہی طریقہ، یہی مذہب، یہی وتیرہ رہا۔ حضرات اولیائے کرام قدست اسرارہم کا۔ اور یہی معمول ہے۔ بحمدہ تعالیٰ تمام علمائے اہلسنّت وجماعت کا۔

ذہن نشین رکھنا چاہیئے کہ:۔

کفّار تین قسم کے ہیں:۔

۱۔ ایک اصلی کافر یعنی مشرکین یہود وغیرہ۔ جس کا بیان اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوا مِنْ اَھْلِ الْکِتَابِ وَالْمُشْرِکِیْنَ فِیْ نَارِ جَہَنَّمَ خَالِدِیْنَ فِیْھَا اُولٰئِکَ ھُمْ شَرُّ الْبَرِیَّۃِ ط میں ہے کہ "بے شک جتنے کافر ہیں کتابی اور مشرک، سب جہنم کی آگ میں ہیں۔ ہمیشہ اُس میں رہیں گے۔ وہی تمام مخلوق میں بدتر ہیں"۔

یہاں یہ صاف صاف ارشاد فرما دیا کہ جو لوگ قانونِ الٰہی کے باغی و منکر ہیں وہ اپنے ماضی و حال و مستقبل میں جیسے کچھ بھی ہوں اور دنیاوی حیثیتوں سے وہ لوگوں میں جیسے بھی مانے گئے اور شمار کیے جاتے ہوں، یہ لوگ خدا و رسول جلّ وعلا صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالتوں میں اپنی شرّیت میں کامل اور بدترین خلائق ہیں۔

اور ہر چند کہ اس گروہ نے چاہا کہ ان کے ساتھ مُداہنت کی جائے۔ ان سے دوستانہ برتاؤ کیا جائے۔ ان سے کشادہ پیشانی سے ملا جائے اور ان سے حُسنِ سلوک برتا جائے، مگر حق تبارک وتعالیٰ نے صاف وصریح ممانعت فرمائی اور آیۂ کریمہ وَدُّوا لَوْ تُدْھِنُ فَیُدْھِنُوْنَ نازل کی۔ کہ "اے محبوب وہ تو

اس آرزو میں ہیں کہ کسی طرح تم نرمی کرو تو وہ بھی نرم پڑ جائیں"۔
یعنی ان کی تو عین تمنا، دلی آرزو ہی یہ ہے کہ آپ دین کے معاملہ میں اُن کی رعایت کر کے، اپنے فرائض تبلیغ میں مروّت و چاپلوسی اختیار کریں اور ڈھیلے پڑ جائیں، تو یہ بھی اپنی شدتِ مخالفت و عناد میں ڈھیلے پڑیں۔ لیکن آپ ان کے کہے میں ہرگز نہ آئیں گے۔ جیسا کہ اب تک نہیں آئے ہیں۔ کہاں آپ سرتاسر حق پر۔ اور کہاں وہ سرتاسر باطل پر۔ تو دین کے معاملہ میں ان کی رعایت کیسی۔ اور فرائض تبلیغ میں ان کی کیا مروت؟۔
اور اتنا ہی نہیں۔ قیامت تک آنے والے تمام مسلمانوں کو صاف صاف بتا دیا کہ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ۔" کہ تم میں جو کوئی ان سے دوستی رکھے گا تو وہ انہیں میں سے ہے"۔
کیسا شدید اور تاکیدی حکم ہے کہ مسلمانوں پر یہود و نصاریٰ سے علیحدگی اور جُدا رہنا واجب ہے۔ پھر یہ ممانعت جب اہل کتاب سے دوستی اور یگانگت اور محبت و قلبی مودت کی ہے کہ ان سے دوستی و محبت اور خصوصی قربت کے تعلقات نہ رکھے جائیں، حالانکہ یہ لوگ توحید و رسالت اور جزائے آخرت کے عقائد میں فی الجملہ، کم از کم اصولی طور پر تو مسلمانوں سے متحد ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ کفار ہنود اور مشرکین عنود کے مقابلہ میں، یہ ممانعت کتنی مُوکّد اور اشد ہوگی، جو مسلمانوں کے ساتھ کچھ بھی قدر مشترک نہیں رکھتے۔ یہ نہ بھی ہو تو کافر کتابی کے درجہ میں تو وہ بہر حال رہیں گے۔ اور اپنی نجاستِ قلبی و خباثتِ باطنی کے باعث، ان احکام سے مستثنیٰ تو نہ ہوں گے۔ غرض قرآن کریم نے صاف فرما دیا کہ جو مسلمان ان سے دوستی کرے گا وہ انہیں میں شمار ہوگا۔ یعنی انہیں میں داخل انہیں میں شامل، اور انہیں کا ایک جُز یا ضمیمہ سمجھا جائے گا۔
غیروں بیگانوں، اللہ کے دشمنوں سے دوستی ہو نہیں سکتی، جب تک پہلے ان کی عظمت، ان کی محبت کا نقش دل میں نہ بیٹھ جائے اور مسلمان اپنی پختگی سے

کچھ نہ کچھ ہٹ نہ لے۔ قومی تشخص اور ملّت کی خودی کے لیے لازم ہے کہ ملت اسلامی کے دوستانہ، رازدارانہ، برادرانہ تعلقات غیر مسلموں اور نام نہاد مسلمانوں سے بالکل ممنوع قرار دیئے جائیں کہ جب یہ اسلام چھوڑ چکے، صراط مستقیم سے مونھ موڑ چکے، اگرچہ براہِ فریب خود کو مسلمان جانیں، مسلمانوں میں مانیں۔ ان سے ہمارا کیا رشتہ۔ ان کا مسلمانوں سے کیا علاقہ۔ اور یہ آئے دن کا مشاہدہ ہے کہ جو لوگ دشمنانِ دین کے ساتھ خلا ملا میل جول، زیادہ رکھتے اور اُن کے ساتھ محبت و دوستی کا دم بھرتے ہیں، ان کے اندر سے، فہم دین، دینی تصلّب، اور ملّی خودداری، رخصت ہو جاتی ہے۔ احادیثِ کریمہ میں، دوسری قوموں کے وضع ولباس اختیار کرنے، ان سے تشبُّہ پیدا کرنے کی جو ممانعت آئی ہے۔ وہ عجب نہیں کہ انہیں حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہو۔ اور خود رسول کریم، صاحب خلق عظیم نے جو کبھی انہیں نجس وخبیث بتایا، کبھی بندروں اور خنزیروں کی طرح فرمایا، اُس میں یہی حکمتیں کارفرما ہوں کہ مسلمانوں کے دلوں میں اُن کی محبت نہ سمائے۔ اور مسلمان اُن کے رنگ میں رنگ کر، دولت ایمان ہاتھوں سے نہ گنوائے۔ غرض جسے دوستی کا علاقہ کہتے ہیں وہ ایک کیفیت قلب اور پھر عملی برتادے کا نام ہے اور مسلمانوں کو، کافروں، منکروں، خدا ورسول کے باغیوں کے ساتھ یہ تعلق قائم کرنے کی قطعی ممانعت ہے۔ اور عقلاً بھی یہ ملّی خودداری اور قومی تشخص کے بالکل منافی ہے۔ بہر حال یہ پہلی قسم کے کفار کا بیان تھا۔

۲۔ دوسرے منافقین کافر جو کلمہ گو تھے، نمازی تھے، مگر حسد کی راہ سے، یا اپنے منصب وجاہ کے زوال کے خیال سے، حقیقتہً اسلام کے ساتھ بغض رکھتے تھے۔ انہیں میں سے بعض کا یہ حال تھا۔ کہ اہل ایمان کے پاس آکر ظاہر کرتے کہ ہم مسلمان ہیں، تمہاری طرح صاحبِ ایمان ہیں۔ اور اپنے رؤسائے شیاطین کے پاس جاکر کہتے کہ ہم تو دھوکا دینے کی غرض سے، مسلمانوں کے پاس آتے جاتے ہیں، مسلمانوں کو بنانے کے لیے ان کی سی کہہ دیتے ہیں۔ انہیں منافقوں۔

کی ایک ذہنیت یہ بھی تھی کہ غریب عوام مسلمانوں کے سامنے تو اکڑتے رہتے۔ لیکن مسلمانوں میں جو صاحب اثر و اقتدار ہوتے، ان کے آگے خود جھک جاتے اور اُن سے ملق و چاپلوسی سے پیش آتے۔ خوشامدانہ رویہ اختیار کرتے۔ اور انہیں میں سے بعض کا عالم یہ تھا کہ کمالِ شفقتِ دینی کے اظہار کے لیے مسجد بنانے میں اپنا روپیہ صرف کیا۔ جماعت کا اہتمام کیا۔ اور معذور و کمزور مسلمانوں کی خیر خواہی کا نام لیا جبکہ انواع و اقسام کے اس کید و تقیہ سے مقصود اُن کا اپنی پردہ پوشی تھی۔

مگر اللہ عزوجل نے ان کے اس کید و تقیہ کا پردہ چاک فرما دیا۔ اور اُس کے رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ان نام نہاد مسلمانوں اور حقیقتِ اسلام سے بغض و عناد رکھنے والے ان منافقوں کو اس دُنیا میں بھی رسوا اور ذلیل سے ذلیل تر کیا۔ حتیٰ کہ ان کی وہ مسجدِ ضرار بھی مسمار و ہموار کر دی گئی اور عاقبت میں بھی ان پر خواری و فضیحت مسلط کر دی گئی۔ کہ مشرکین سے بھی بدتر ٹھہرے اور صاف صاف فرما دیا گیا کہ:-

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ۝

" ان کے دلوں میں بیماری ہے تو اللہ نے ان کی بیماری اور بڑھا دی اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے"۔

اس مختصر سی آیۂ کریمہ نے کیسا واشگاف فرما دیا کہ:

۱ - بدعقیدگی ایک مہلک بیماری ہے اور روحانی زندگی کے لیے تباہ کن۔

۲ - تقیہ بڑا عیب ہے اور جس مذہب کی بنیاد تقیہ پر ہو وہ باطل ہے۔

۳ - اسلام و مسلمین کی ترقیوں اور فتح مندیوں سے، ان لوگوں کے دلوں کی کڑھن اور جلن میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور اسلامی اقتدار سے اُن کا غیظ و بغض اور بڑھتا ہے۔

۴ - ان کا عذاب، کھُلے کافروں کے عذاب سے کہیں زیادہ دردناک ہو گا۔

۵ - منافق کافر ہونے کے علاوہ کاذب بھی ہیں اس لیے دوہرے عذاب کے مستحق ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے ان کے لیے کافروں سے بدتر مقام و

عذاب کا اعلان فرمایا کہ :-

اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ

"بے شک منافق دوزخ کے سب سے نیچے طبقہ میں ہیں"

وجہ ظاہر ہے کہ منافق اپنے جرم کفر پر ایک مزید جرم مکر و فریب کا اضافہ کئے ہوئے، دنیا میں اظہار اسلام کر کے مجاہدین کے ہاتھوں خود کو بچا رہا ہے۔ اور کفر کے باوجود، مسلمانوں کو مغالطہ دینا، اور اسلام کے ساتھ استہزاء کرنا اس کا شیوہ رہا ہے۔ اس لیے اگر اُسے کھلے ہوئے کافر سے سخت تر عذاب ملے تو یہ عین مقتضائے عقل ہے۔

۳۔ تیسرے کفار، وہ مرتدین ہیں، جو احکام اسلامیہ کے قبول کرنے کے بعد، پھر منحرف، اور انکار و بغاوت پر کمر بستہ ہو گئے۔ اگرچہ وہ زبانی دعویٰ اسلام پر قائم رہیں۔

کافروں کے اس گروہ کے ساتھ صحابہ کرام نے جو شدت فرمائی اس کا ایک شمّہ تو وُہ ہے کہ انہیں سخت عبرت خیز سزا دی گئی۔ سلائیاں ڈال کر بحکم رسول، اُن کی آنکھیں اندھی کی گئیں۔ ہاتھ پاؤں کاٹ کر، دھوپ میں، بے آب و دانہ ڈال دیا گیا۔ حتیٰ کہ وہ دشمنانِ رسول وہیں تڑپ تڑپ کر فی النار ہو گئے۔ یہ واقعہ حیاتِ شریف کا تھا۔

اور بعد وفات شریف، جب ایک فرقہ نے، اقرارِ شہادتین، وسجود الی القبلہ یعنی کلمہ گوئی و قبلہ روئی کے باوجود، صرف ایک امر ضروری، یعنی فرضیتِ زکوٰۃ کے باقی رہنے کا انکار کیا تو حضرت افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو، باجماع صحابہ، باغی و منحرف و مرتد و کافر قرار دے کر، کس شدت کے ساتھ، کس نازک وقت میں قتل کیا۔ اُن کی تذلیل و تحقیر، ان کی اہانت و توہین کو ضروری بھی سمجھا اور اس پر عمل بھی کیا۔ تاکہ حق، آفتاب نیم روز کی طرح آشکار رہے۔ اور کوئی کلمہ گو اس خبط میں مبتلا نہ رہے کہ ایمان و اسلام کا مدار، فقط کلمہ گوئی

پر ہے۔ یا یہ جو ہمارے قبلہ کی طرف نماز پڑھے ، وہ کسی عقیدۂ فاسدہ سے گمراہ یا کافر نہیں ہو سکتا۔

یا یہ کہ تمام کلمہ گو فرقے، آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ خواہ کوئی مذہب رکھتے ہوں۔ نہیں نہیں بلکہ اَلْحُبُّ لِلّٰهِ وَالْبُغْضُ لِلّٰهِ دین متین کا رکن اہم ہے۔ اور اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ، رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ مسلمانوں کا شعار۔ رباعی:-

از ہمنفسانِ ناموافق بگریز | وز دوستِ نمایانِ منافق بگریز
چوں شب، سیرتِ ظاہر و باطن شاں | از ظلمتِ شب چو صبحِ صادق بگریز

خلاصۂ کلام یہ کہ دوست نما منافقوں اور ہم نفسوں سے، کہ جن کا ظاہر و باطن سیاہ ہے اسی طرح دور رہو جیسے صبح صادق ، رات کی اندھیری سے دور رہتی ہے یعنی تولّا بے تبرّا نیست ممکن۔

معروض سوم

اصولِ حفظانِ صحت

تین الفاظ سے مرکب یہ فقرہ، آپ کو اپنی زندگی کے بہت سے مراحل پر یاد آتا اور بالخصوص وبائی بیماریوں کے دوران، بہت سی احتیاطوں، پیش بندیوں، پر ابھارتا بلکہ وبائی بیمار سے دوری و اجتناب برتنے، اور حتی الامکان پرہیز پہ آپ کو آمادہ کرتا ہے اور انہیں "اصول" کی رہنمائی میں آپ اہتمام کرتے ہیں کہ

۱- بیمار کے پاس خصوصًا اس کی چارپائی پر نہ بیٹھیں۔

۲- اُس کے استعمالی برتن، کسی کے استعمال میں نہ لائے جائیں۔

۳- اُس کے کپڑے، نجس کپڑوں کی مانند، دور رکھے جائیں۔
۴- اُس کے ساتھ ایک برتن درکنار، یکجا کھانے سے کامل پرہیز کیا جائے۔
۵- اپنا مونھ، اُس کے مونھ سے دور رکھیں تاکہ اُس کی سانس کا کوئی اثر نہ آنے پائے۔
۶- جراثیم کو ختم کرنے والی دواؤں کا مسلسل چھڑکاؤ ہوتا رہے۔
۷- حتی الامکان، ضرورت شدیدہ کے بغیر کوئی اُدھر نہ جائے۔ وغیرہ وغیرہ

لیکن شریعت مطہرہ کفر وطغیان اور نفاق کی بیماریوں سے بچنے اور بچانے کے لیے جو اہتمام کرے، اُسے تنگ نظری کا نام دیا جائے۔ اُسے "دین مُلّا فی سبیل اللّٰہ فساد" قرار دے کر علمائے دین وملت کے خلاف لیکچر دیئے جائیں۔ اُن سے خصومت و نزاع، اور اُن سے عناد کے لیے جماعتیں ترتیب دی جائیں۔ دھواں دار تقریریں کی جائیں۔ انہیں قومی وملی اتحاد ویگانگت کا دشمن قرار دیا جائے۔ پھر لُطف یہ کہ یہ ساری خرافات، دین کے نام پر، ملکی وملی ترقی وفلاح کے نام پر عمل میں لائی جائیں۔ یعنی جو آپ اختیار کریں وہ عین اسلام اور جس کی تعلیم مقتدایان اسلام دیں، وہ اسلام سے بے علاقہ۔

عزیزو! قانون ملکی کے منکروں، باغیوں، اور ان کے ہم نشینوں بلکہ مصاحبوں، بلکہ بہی خواہوں تک سے تعلقات کی روادار، کوئی ملک، کوئی ریاست، کوئی مملکت اور کوئی حکومت نہیں۔ کسی ملک ومملکت اور کسی ریاست وحکومت میں، انہیں آزادی نہیں، قید وسلاسل اور صعوبت خانوں کی چار دیواری کے علاوہ، کہیں ان کے لیے جگہ نہیں۔ کوئی ان کا مقام نہیں۔ کہیں آزاد فضاؤں میں اُن کا قیام نہیں۔ تو قانون اسلام کی رو سے بھی منکروں، باغیوں اور بغاوت پہ کمربستہ رہنے والے منافقوں اور انہیں کے ہم نوا، ہم پیالہ اور ہم نوالہ، بدمذہبوں بددینوں گمراہوں سے، ہر قسم کے تعلقات وروابط کی اجازت و آزادی شریعت اسلامیہ کس طرح دے سکتی ہے۔ بحالت ضرورت، بقدر ضرورت، حدود احکام شرعیہ میں رہتے، نظر بہ حالات زمانہ، بعض معاملات اور اُن سے مدارات کی اجازت تو، ذہن میں آسکتی ہے۔

لیکن ایک خاص حد سے بڑھ کر، اُن سے تعلقات استوار کرنے کی اجازت، کسی اسلامی ریاست میں، کسی فرد اور کسی جماعت کو نہیں۔ کہ ہر ذی عقل، صائب الرائے پر، اس سے ملک وملت دونوں کو ضرر کے اندیشے اور خطرے کھلے ہُوئے ہیں۔ اور اس صریحی معقول مناسب وضروری "انتظام کا نام" بعض عقل کے دشمنوں نے "تنگ نظری" رکھا ہے۔ سبحان اللہ! وبائی امراض اور بزعم خویش متعدی بیماریوں میں پرہیز واحتیاط کا نام تو فخر کے ساتھ "اصولِ حفظانِ صحت" رکھا جائے۔ اور جو انتظام کفر و طغیان یعنی دنیا و آخرت دونوں کی بربادی سے بچنے کے لیے کیا جائے، اس کا نام "تنگ نظری" پڑ جائے۔ یہ عقل دشمنی اور فراستِ ایمانی سے محرومی کی بیّن مثال نہیں تو اور کیا ہے؟ - دنیا و آخرت میں، فرد و ملت دونوں کے انفرادی اور اجتماعی فوائد اور ملکی مفادات سے یوں مونھ پھیر کر دامن بچا لینا، خود اپنے ہاتھوں اپنی بربادی کا سامان مہیّا کرنا ہے۔

چند آیاتِ کریمہ

یہ فقیر اپنے سُنّی مسلمان بھائیوں کی معلومات کے لیے بہ نیّتِ خیر خواہی چند آیات کے ذکر پر اکتفا کرتا ہے تاکہ وہ کسی کے مکر و فریب میں نہ آئیں۔

قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے :-

(۱) وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ط

"اور ظالموں کی طرف نہ جھکو کہ تمہیں آگ چھوئے گی۔"

رُکُون کے معنی ہیں، کسی کی طرف جُھکنا۔ اُس کے ساتھ میل محبت رکھنا۔ اُس کے احوال و اعمال میں شریک رہنا۔" اور "ظالمین" میں جس طرح کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ داخل ہیں، یوہیں یہ آیۂ کریمہ اُن لوگوں کو بھی شامل ہے جو عقیدہ و عمل کے اعتبار سے، جمہور اہل اسلام و مسلمین سے الگ تھلگ "اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنائے بیٹھے ہیں۔ قرآن کریم نے صاف فرمادیا —— اور بتادیا کہ خدا کے نافرمانوں کے ساتھ، یعنی کافروں، بے دینوں اور گمراہوں کے ساتھ، میل جول، مودت و محبت کی رسم و راہ، اُن کی چاپلوسی و خوشامد، اُن کی ہاں میں ملانا، سب ممنوع و قابلِ سزا جرم ہے۔ یوہیں بلا ضرورتِ شرعیہ" ان کی وضع اختیار کرنا۔ باوجودِ قدرت اُن پر رد و انکار نہ کرنا۔ ان کی تعظیم و توقیر کرنا، بلا ضرورتِ شرعی" اُن کے ساتھ مصاحبت و مجالست" اور ان کے ساتھ مداہنت، یہ سب اسی نہی کے تحت میں آجاتا ہے۔ اور یہ سب مثالیں" رکون الی الکفار" ظالموں کی طرف جھکنے کی ہیں اصلی جوڑ اور ساتھ تو، کافروں، منافقوں اور ملحدوں کا ہے۔ حقیقۃً" مناسبت انہیں کے درمیان باہم ہے۔ پاک و صالح سُنّی مسلمانوں کا ان سے کیا تعلق؛ مِلّی و مذہبی خودداری و غیرت مندی

بھی آخر کوئی شے ہے۔

(۲) وَ اِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖ ؕ وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝

"اور اے سننے والے، جب تو اُنہیں دیکھے جو ہماری آیتوں میں پڑتے ہیں (طعن و طنز، تشنیع و استہزاء کے ساتھ) تو اُن سے مونھ پھیرلے، جب تک اور بات میں نہ پڑیں۔ اور جو کہیں تجھے شیطان بھلا دے تو یاد آئے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔"

خطاب آیۂ کریمہ میں عام قارئینِ قرآن سے ہے اور صاف حکم مل رہا ہے تمام اہل ایمان کو، کہ جو بے دین، مذہبی احکام دینی مسائل، اسلامی عقائد اور معجزات و دلائل کے ساتھ مضحکہ و تمسخر کرتے ہوں اور ان کی مجلسوں میں، اسلام کا احترام نہ کیا جاتا ہو، ان کے پاس اتنی دیر اٹھنا بیٹھنا جائز نہیں۔ بلکہ ایسے لوگوں سے کنارہ کشی واجب ہے۔ اور اسی سے ثابت ہو گیا کہ کفار اور بے دینوں کے جلسے، بد مذہبوں گمراہوں کے وہ مجمعے، جن میں وہ دین کے خلاف تقریریں کرتے ہیں، اُن میں جانا اور شرکت کرنا جائز نہیں۔ پھر جن قوموں نے وقتی و ہنگامی طور پر نہیں، بلکہ اپنا مستقل مشغلہ ہی احکام اسلامی کے ساتھ، طنز و تمسخر، حیلہ جوئی، بیہودہ گوئی بنا رکھا ہے، اُن کی صحبتوں سے کنارہ کشی، اور ان کی مجلسوں سے علیحدگی کس درجہ اہم ضروری ہو گی، اس کا فیصلہ ہر انصاف پسند کر سکتا ہے۔ اور وہ فیصلہ یہی ہے کہ بے دینوں اور غیر مذہب والوں سے بلا ضرورت خلا ملا اور بلا کسی دینی مصلحت کے، ان سے خلط ملط، اس حکم ممانعت میں داخل ہے۔ اسی لیے مفسرین کرام نے فرمایا ہے کہ آیۂ کریمہ ہر متبدع و کافر اور ہر فاسق مجاہر کو شامل ہے۔ وَالْقُعُوْدُ مَعَهُمْ مَمْنُوْعٌ اور ان کے ساتھ بیٹھنا اٹھنا ممنوع ہے۔

اور نعود کے یہاں لغوی معنی مراد نہیں کہ کھڑے ہونے کی اجازت ہو بلکہ اپنے

وسیع معنی میں ہے اور گمراہوں، بدمذہبوں، بے دینوں سے خلا ملا کی ہر صورت ناجائز ہے۔ نرمی و ملاطفت، رواداری و مدارات اور ظاہری خوش خلقی کے بھی شریعت میں حدود مقرر ہیں۔ جہاں دین کی توہین ہو رہی ہو، جہاں دین کا مضحکہ اڑایا جا رہا ہو، جہاں دین میں اپنی مرضی سے ترمیم و تنسیخ، تغییر و تبدیل ہو رہی ہو، وہاں سختی و تصلّب ہی کارآمد ہو سکتی ہے۔ نہ کہ مروت و چشم پوشی۔

اور یہیں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قانونِ شریعت (کہ یہی راہ ہے عامۃ المسلمین کی) اس کے علاوہ کسی اور دین پر چلنا، عام مسلمانوں کے خلاف نئی روش اختیار کرنا، اور سبیل المومنین کے مخالف، کسی اور طور طریقے کی اشاعت کرنا، اس کی تبلیغ کا دم بھرنا، یہ مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے اور اُن میں افتراق و انتشار پھیلانے کے مترادف ہے۔ امن عالم اور سلامتی ملک و ملّت کا صحیح نظام اسی وقت قائم رہ سکتا ہے جب عملدر آمد قانونِ شریعتِ اسلامیہ پر رہے۔ اہلِ اسلام کی راہ سے سرِ مو انحراف نہ کیا جائے۔ سبیل المومنین سے جتنا انحراف و تجاوز ہوگا، دنیا میں اسی قدر بدنظمی، ابتری، کشت و خون اور ہر قسم کی طبقاتی جنگ اور کش مکش کا اضافہ ہوگا۔ اور افتراق و انشقاق کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جائیگا۔

جب کوئی فرقہ قانون الٰہی کو چھوڑ کر، سبیل المومنین سے ہٹ کر، سواد اعظم اہلسنّت سے کٹ کر، اپنے ہوائے نفس کے مطابق، کوئی طور طریق، کوئی روش اختیار کرے گا تو اس کا لازمی نتیجہ فتنہ و فساد ہی کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ جیسا کہ عام مشاہدہ ہے کہ قادیانیت و مرزائیت، رفض و خروج، وہابیت و دیوبندیت، چکڑالویت اور نیچریت نے جب سے سر اُبھارا، مسلمانوں میں نفاق و شقاق کے چشمے اُبلے۔ باہمی فتنہ و فساد کے چرچے پھیلے۔ گھر گھر فتنوں نے ڈیرا جمایا، اور مسلم خاندانوں میں آگ لگا کر ایک کو دوسرے سے چھڑایا۔ باپ سُنّی، اولاد وہابی۔ شوہر سُنّی، عورت خارجی، بیوی سُنّی، شوہر مرزائی۔ آئے دن تو تو میں میں۔ ہر روز کے جھگڑے مناقشے۔ ویرانیوں سے گھر آباد۔ عیش و عشرت برباد۔ یہ اُس سے نالاں، وہ اُس سے گریزاں۔ نہ بزرگوں

کا پاس نہ چھوٹوں کا لحاظ۔ غرض کس کس کا رونا رویئے۔ اور یہ سب کچھ نتیجہ ہے اُسی جھوٹی رواداری اور چاپلوسی کا۔ واللہ المستعان وعلیہ التکلان۔

(۳) لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

"تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو، جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر، کہ دوستی کریں، اُن سے، جنہوں نے اللہ اور اُس کے رسول سے مخالفت کی۔ اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے والے ہوں۔ یہ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرما دیا اور اپنی طرف کی روح سے اُن کی مدد کی۔ اور انہیں باغوں میں لے جائیگا۔ جن کے نیچے نہریں بہیں۔ ان میں ہمیشہ رہیں۔ اللہ اُن سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔ یہ اللہ کی جماعت ہے۔ سنتا ہے اللہ ہی کی جماعت کامیاب ہے۔"

اس آیتِ کریمہ میں صاف فرما دیا کہ جو اللہ یا رسول کی جناب میں گستاخی کرے مسلمان اُس سے دوستی نہ کرے گا۔ صاف جتا دیا کہ دینِ حق پر ایمان، اور اعدائے دین کی محبت، دو بالکل متضاد، ایک دوسرے کی ضد، چیزیں ہیں جن کا ایک جگہ اجتماع کسی طرح قابلِ تصور نہیں۔ یہ بات قطعی ناممکن ہے کہ ایمان سے محبت، اور دشمنانِ خدا و رسول سے اُنسیت و مودّت، ایک دل میں جمع ہو جائیں۔ بالکل اُسی طرح جیسے ایک آدمی کے دل میں، اپنی ذات کی محبت اور اپنے دشمن

کی محبت، اُس سے اتحاد و یگانگت، یا کم از کم اُس سے صلح جوئی و سلامت روی کی عادت، بیک وقت جمع نہیں ہو سکتی۔ جس کا صریح مفاد یہ ہوا کہ جو اس سے دوستی کرے وہ مسلمان نہ ہوگا۔ لہذا اگر تم کسی شخص کو دیکھو کہ ایمان کا مدعی ہے مگر اس دعویٰ کے باوجود اُس نے ایسے لوگوں سے محبت و یگانگت کا رشتہ بھی جوڑ رکھا ہے جو خدا اور رسول اور معظمانِ دینی کی بارگاہوں میں گستاخ و دریدہ دہن، اور احکامِ اسلام کے درپردہ مخالف ہیں، تو اس غلط فہمی کا شکار تمہیں نہ ہونا چاہیئے۔ کہ شاید وہ اپنی اس منافقانہ روش کے باوجود ایمان کے دعوے میں سچا ہو۔ نہیں بلکہ مومنِ کامل و مخلص کی ایک خاص علامت یہ ہوتی ہے کہ وہ دوست بھی اپنے محبوبِ حقیقی کے دوستوں اور مخلصوں ہی کو رکھتا ہے۔ اور اُس کے باغیوں منکروں اور بدخواہوں کو اپنا بھی دشمن سمجھتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی فطری و طبعی محبتوں پر بھی خدا اور رسول کی عقلی و اختیاری محبت غالب آجاتی ہے۔ چنانچہ اس حکم کا قطعاً عام ہونا بالتصریح ارشاد فرمایا کہ باپ بیٹے بھائی عزیز، سب کو بطور نمونہ گنایا۔ یعنی کوئی کیسا ہی تمہارے زعم میں معظم، یا کیسا ہی تمہیں بالطبع، فطرتِ انسانی کے ماتحت، محبوب اور پیارا ہو، ایمان ہے تو اُس سے گستاخی و دریدہ دہنی کے صدور و ظہور کے بعد، اُس سے محبت نہیں رکھ سکتے۔ اُس کی وقعت نہیں مان سکتے۔ اُسے دخیل کار نہیں بنا سکتے۔ ورنہ مسلمان نہ رہو گے۔ اسی کے گروہ میں گنے جاؤ گے۔

صلحکلیت کے داعی، کہ "با مسلمان اللہ اللہ، با برہمن رام رام" کا گیت گاتے، اسلام کو کفر، اور کفر کو ایمان بتلاتے، حرام کو حلال اور حلال کو حرام ٹھہراتے، اصول اسلام میں نئی تراش خراش کو عین اسلام بتلاتے، مشرکوں، یہودیوں اور نصرانیوں کی عظمتیں بڑھاتے، اور کھلے دشمنان اسلام سے وداد و اتحاد مناتے، اور احکام الٰہیہ کو کھینچ تان کر، اپنی خواہش و مرضی کا تابع بنلاتے ہیں وہ خود غور کر لیں کہ فی الواقع وہ کیا ہیں۔ مومن ہیں یا ملحد۔ مخلص ہیں یا منافق؟

حضرات صحابہ کرام، جان نثارانِ سید الانام محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوۂ حسنہ ہماری نگاہوں کے سامنے موجود ہے کہ انہوں نے فی الواقع، ان تمام رشتوں کو کاٹ پھینکا جو اللہ و رسول کے ساتھ ان کے تعلق میں حائل ہوئے۔

صرف اتنا ہی نہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نصرت وحمایت میں انہوں نے اپنے قبیلے، اپنے اعزہ واقارب اور اپنے وطن عزیز کو چھوڑا، بلکہ وہ خدا ورسول اور اُس کے سچے دین کی خاطر اپنے عزیز اور قریب ترین رشتہ داروں سے لڑ گئے۔ اور بدر و اُحد کے میدانوں میں اپنے ان قریبی رشتہ داروں کو بھی بلا تأمل خاک وخون میں ملا دیا جو اُن کے مدمقابل آئے۔ اور خود کو اُن کے مقابلے میں لائے۔

چنانچہ حضرت ابوعبیدہ بن جراح نے جنگِ اُحد میں، اپنے باپ جراح کو قتل کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روزِ بدر اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کو مبارزت کے لیے طلب کیا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنہیں اس جنگ کی اجازت نہ دی۔

مصعب بن عُمیر نے اپنے بھائی عبداللہ بن عُمیر کو قتل کیا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ماموں عاص بن ہشام بن مُغیرہ کو روز بدر تہ تیغ کیا۔ اور حضرت علی بن طالب وحمزہ وابوعبیدہ نے ربیعہ کے بیٹوں، عتبہ اور شیبہ کو بدر میں قتل کیا جو اُن کے رشتہ دار تھے۔ اس طرح عالم واقعہ میں دنیا کو یہ دکھا دیا کہ مخلص مسلمان کیسے ہوتے ہیں اور خدا ورسول کے ساتھ ان کا تعلق کیسا ہوتا ہے۔

ایک دفعہ حضرت صدیق اکبر کے والد ابوقحافہ نے (جو ابتک اسلام نہ لائے تھے) شانِ رسالت میں کچھ گستاخی کی تو آپ نے اس زور سے اُنہیں دھکا دیا کہ وہ مونھ کے بل زمین پر آرہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میرے آقا! اگر اُس وقت میرے پاس تلوار ہوتی تو میں اُسے قتل کر دیتا۔ بعد میں حضرت ابوقحافہ مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ سچ ہے خدا ورسول پر ایمان والوں کو قرابت و رشتہ داری کا کیا پاس۔ اور ملحدوں کی کیا مروت،

کیسا لحاظ۔

صلح جوئی، مصلحت کوشی اور زمانہ سازی کے پردہ میں، منافقوں سے صلح و آشتی کی باتیں، اُن کی تعظیم و توقیر اور ان کی عزّت افزائی کی گھاتیں کسی طرح بھی خدا و رسول کی بارگاہوں میں قابلِ قدر کوئی مقام، کوئی منزلت نہیں پاسکتیں۔ سبیل المومنین سے ہٹ کر، حبل اللہ المتین سے کٹ کر، بے دینی، بد مذہبی کی نئی راہیں تراشنے، اور مسلمانوں میں افتراق و انتشار پھیلانے والے، کیا ان منافقوں سے الگ کسی بستی میں بستے ہیں، جن کے لیے قرآن کریم نے ارشاد فرمایا

مَا هُمْ مِنكُمْ وَلَا مِنْهُمْ - "یہ لوگ نہ تم میں سے ہیں نہ اُن میں سے۔"

یعنی یہ نہ اِدھر کے ہیں کہ انہیں مومن و مخلص کہا جائے۔ نہ اُدھر کے ہیں کہ انھیں یک لخت، بلا تامّل و بے تردّد، ٹھیٹ کافر و مشرک سمجھا جائے۔ بلکہ منافق ہیں مُذبذب ہیں۔ تردّد و تذبذب کا شکار ہیں، خواہشاتِ نفس میں گرفتار ہیں۔ نہ تو یہ امتِ اسلامی ہی کا جز ہیں اور نہ ان کا شمار کھلے ہوئے باغیوں اور منکروں میں۔

آیت مذکورہ بالا پر پھر غور فرمایئے۔ جو کچھ مولیٰ سبحانہٗ و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، اُس کا اتنا فرمانا ہی مسلمان کے لیے بس تھا۔ مگر دیکھو، وہ تمہیں اپنی رحمت کی طرف بلاتا، اور اپنی عظیم نعمتوں کی خوشخبری سناتا ہے کہ اگر اللہ و رسول کی عظمت کے آگے، تم نے کسی کا پاس نہ کیا، کسی سے علاقہ نہ رکھا تو تمہیں کیا فائدے حاصل ہوں گے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں ایمان نقش کر دے گا۔ جس میں ان شاءَ اللہ تعالیٰ حُسنِ خاتمہ کی بشارتِ جلیلہ ہے کہ اللہ کا لکھا نہیں مٹتا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ روح القدس سے تمہاری مدد فرمائے گا۔ یعنی وہ سکینت یا نورانیت عطا فرمائے گا جو حیاتِ معنوی کو قائم رکھتی اور ترقی دیتی رہتی ہے۔

۳۔ تمہیں ہمیشگی کی جنّتوں میں لے جائیگا جن کے نیچے نہریں رواں ہیں۔ اور جہاں انہیں وہ ساری کی ساری مادی لذّتیں اور نعمتیں حاصل ہوں گی جن کا تصوّر شہنشاہ ہفت کشور بھی نہیں کر سکتا۔

۴- تم خدا کے گروہ کہلاؤ گے اور خدا والے ہو جاؤ گے۔ ایک متقی خدا ترس مسلمان کے کمالِ شرف و امتیاز کے لیے اتنا ہی بس ہے کہ حق تعالیٰ نے اُس کا انتساب خاص اپنی ذات والا صفات کے ساتھ کر کے اُسے یاد فرمایا ہے۔

۵- مونھ مانگی مرادیں پاؤ گے۔ بلکہ امید و خیال و گمان سے کروڑوں درجے افزوں۔ کہ مستقل اور پائیدار جتنی بھی نعمتیں ہیں وہ سب فلاح میں شامل ہیں۔ اور ان سب کا وعدہ اُسی گروہ مومنین سے ہے جو اعدائے دین سے تنکا توڑ الگ رہے۔ ان کے ساتھ اس کا کوئی علاقہ، کوئی رابطہ، کوئی محبت کا رشتہ نہ رکھا۔

۶- سب سے زیادہ یہ کہ اللہ تم سے راضی ہوگا۔

۷- یہ کہ فرماتا ہے میں تم سے راضی۔ تم مجھ سے راضی۔ اس گروہ کی خاص شناخت یہ بتائی کہ اللہ ان کی طاعت سے خوش رہے گا۔ اور یہ اُس طاعت کے انعام سے جی بھر کر خوش اور مطمئن ہو جائیں گے۔ بندے کے لیے اس سے زائد اور کیا نعمت ہوتی کہ اُس کا رب اُس سے راضی ہو۔ مگر انتہائے بندہ نوازی یہ کہ فرمایا اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔ ایسے خوش نصیب بندوں کی خوش نصیبی پر کسے رشک نہ آئے گا۔

مسلمانو! خدا لگتی کہنا۔ اگر آدمی کروڑ جانیں رکھتا ہو اور وہ سب کی سب ان عظیم دولتوں پر نثار کر دے تو واللہ کہ مفت پائیں۔ پھر زید و عمرو کسی بد دین بد مذہب، دشمن خدا و رسول، عدوِّ دینِ متین، سے علاقۂ تعظیم و محبت، یک لخت قطع کر دینا کتنی بڑی بات ہے۔ جس پر اللہ تعالےٰ ان بے بہا نعمتوں کا وعدہ فرما رہا ہے۔ اور اُس کا وعدہ یقیناً سچا ہے۔

معروض چہارم

ہر ذی ہوش مسلمان کو جاننا اور ماننا چاہیئے کہ قرآن و حدیث کے محاورہ میں مسلمان و مومن خاص اہلسنّت و جماعت ہی کو کہا اور بتایا گیا ہے۔ دلیل اس پر یہ ہے کہ نزولِ قرآن کے بعد سے حضرات خلفائے ثلٰثہ یعنی امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق و امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم و امیر المومنین سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانے تک اسلام کی کامل ترقی، دنیا کی وسیع آبادی میں اپنی برکتیں پھیلایا کی۔ اُس وقت تک تنزیلِ قرآن اور حقانیت اسلام پر قتال ہوتا۔ معاملۂ اسلام و کفر اور حق و باطل کا انفصال ہوتا۔ مومنین اہل حق تھے اور کفار اہل باطل۔ جب مومنین کہتے اہل حق ہی اس کے مصداق ہوتے۔ اسی محاورہ پر قرآن اُترا۔ حدیثیں آئیں۔ تو جس قدر آیات مبارکہ و احادیث کریمہ میں مومنین و مسلمین کو آپس میں اتحاد و اتفاق کے ساتھ بھائی بھائی رہنے کا حکم دیا گیا ہے ان سب کا یہی مفاد ہے کہ تمام اہلِ حق آپس میں متفق و متحد رہیں۔ کوئی باطل راہ اختیار نہ کریں۔

مسلمان خوب یاد رکھیں کہ زمانۂ نزولِ قرآنِ عظیم و ارشادِ احادیث کریمہ میں صرف اہل حق، اہل سُنّت، اہل جماعت ہی تھے۔ اُس زمانِ برکت نشان میں، کسی بدمذہب مبتدع کا ہونا محال تھا۔ کہ بدمذہبی شبہ و تاویل سے پیدا ہوتی ہے، جسے یقین قطعی سے بدلنے والے حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، دنیا میں جلوہ فرما تھے۔ اگر شُبہ گزرتا، تو حضور کشف فرماتے۔ شبہہ والا مانتا تو سُنّی ہوتا، نہ مانتا تو کافر ہو جاتا۔ یہ بیچ کی شق وہاں ممکن ہی نہ تھی۔ ولہذا آیۂ کریمہ وَیَتَّبِعْ غَیرَ سَبِیلِ الْمُؤْمِنِیْنَ سے، جب علمائے حُجّیّتِ اجماع پر استدلال کیا (کہ اس آیت کی روح سے اجماع مسلمین دلیلِ قطعی و حجتِ شرعی ہے تو) تصریح فرما دی کہ مبتدعین کا اتفاق، اجماع میں ملحوظ نہیں (نہ اُس کا لحاظ نہ اعتبار) کہ مومنین سے

مراد، اُمّتِ اجابت ہیں (جنہوں نے حضور کی حقانیت کو جانا اور دل سے مانا) مبتدعین امت اجابت نہیں۔ امتِ دعوت ہیں (یہود ونصاریٰ، کفار ومشرکین کی مانند) دیکھو توضیح تلویح بحث اجماع وغیرہ۔ یہ فائدہ نفیسہ یاد رکھنے کا ہے کہ انما المومنون اخوۃ وغیرہا آیات واحادیث میں، مومنین سے اہلسنّت ہی مراد ہیں۔ انہیں کے باہم اتحاد کا حکم ہے۔ تمام گمراہوں بدمذہبوں سے اتحاد وداد کی تعلیم، سب بے دینوں کی تکریم وتعظیم پر، اُن نصوص کو پیش کرنا محض بدمذہبی وضلالت ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

(افاداتِ رضا)

غرض اُس وقت تک کان، اس ناگوار صدا سے آشنا ہی نہ تھے کہ مدعیانِ ایمان بھی اہل حق واہل باطل، کی طرف منقسم ہیں اور دعویدارانِ اسلام میں بھی کوئی جماعت یا گروہ یا فرد، بدمذہب بددین ہو سکتا ہے۔ رہے منافقین تو ان کے بارے میں قرآن کریم پہلے ہی فیصلہ دے چکا تھا۔ کہ "وَمَا ھُم بِمُؤمِنِین۔ وہ مسلمان ہی نہیں ہیں"۔

مگر امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الاسنیٰ کی نسبت ارشاد ہو چکا تھا کہ تم جس طرح تنزیلِ قرآن (اور حقانیتِ اسلام) پر قتال کرو گے، یوہیں تاویلِ قرآن پر، ایمان بالقرآن کے دعویداروں کو قتل وپامال کرو گے"۔ احادیث میں ان متفرق فرقوں کے نام بھی سنا دیئے تھے اور پتے بھی بتا دیئے تھے۔ چنانچہ حسبِ وعدۂ صادقہ وہ دن سامنے آیا اور آخر زمانۂ خاتم الخلفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں، ظہورِ بدمذہبان نے مونھ دکھایا۔ خارجی نکلے۔ رافضی نکلے۔ یہ سب کلمہ خواں تھے۔ مدعیٔ ایمان تھے، ہمارے کلمے کا دم بھرتے، ہمارے قبلے کو سجدہ کرتے تھے۔ مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم اُن میں سے بہتوں کو کافر بھی نہ جانتے۔ گمراہ بددین وخاسر مانتے۔ مگر بایں ہمہ نہ انھیں اِنَّمَا الْمُؤمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ کا مصداق جانا۔ نہ کُوْنُوا عِبَادَ اللہِ اِخْوَانًا کا محل مانا۔ بلکہ آپ نے اور تمام صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اُن کے قتل وقتال پر اجماع فرمایا۔ اور اپنے دست وزبان اور شمشیر وسنان سے اُن کا فتنہ مٹایا۔

ان کا زور گھٹایا۔ اور کیوں نہ ہوتا کہ پہلے ہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ احکام فرما دیئے تھے۔ سب راستے بتادیئے تھے۔ اسی پر ائمۂ دین و اولیائے معتمدین و علماء مجتہدین، حسبِ مقدرت گامزن رہے ہیں۔ اور یہی علمائے اہلسنّت کا داب وطریقہ اب ہے۔

صحابۂ کرام اور مسلمانانِ اہلسنّت

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مابین جو واقعات ہوئے (جنہیں ادباً مشاجراتِ صحابہ سے تعبیر کیا جاتا ہے) اُن میں پڑنا، بحث و مباحثہ کرنا، اور پھر اپنی عقلِ ناقص کی کھوٹی پونجی کے بل بوتے، محاکمہ کرنا کہ کون حق پر تھا، کون ناحق، یہ حرام حرام سخت حرام ہے۔ مسلمانوں کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ وہ سب حضرات، آقائے دوعالم، عالمِ اعلم صلی اللہ علیہ وسلم کے جان نثار اور سچّے غلام ہیں۔ اور قرآن کریم ان کے بارے میں ارشاد فرمارہا ہے کہ وہ جہنّم کی بھنک نہ سنیں گے۔ ہمیشہ اپنی من مانتی مرادوں میں رہیں گے۔ محشر کی وہ بڑی گھبراہٹ انھیں غمگین نہ کرے گی۔ اور فرشتے ان کا استقبال کریں گے کہ یہ ہے وہ دن جس کا تم سے وعدہ تھا۔" کتبِ احادیث ان مضامین سے مالامال ہیں۔ اور انہیں مضامین کی بنیاد پر ہمارا عقیدہ ہے کہ کسی صحابی کے ساتھ سوءِ عقیدت اور معمولی بے ادبی و اہانت کی جرأت، بدمذہبی و گمراہی اور استحقاق جہنم ہے کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بُغض ہے۔ ان میں سے کسی کی شان میں گُستاخی تبترا ہے اور اُس کا قائل رافضی۔ انہیں صحابہ کرام میں حضرت امیر معاویہ، ان کے والد ماجد حضرت ابوسفیان اور والدۂ ماجدہ حضرت ہند ہیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اول ملوکِ اسلام ہیں۔ اسی کی طرف توراۃ مقدس میں اشارہ ہے کہ مولدُہٗ بمکّۃ و مُہاجرُہٗ طَیْبَۃ وَمُلکُہ بالشّام۔

کہ وہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں پیدا ہوگا۔ مدینہ کو ہجرت فرمائیگا۔ اور اس کی سلطنت (اور دنیاوی شان وشوکت کے ساتھ، شوکتِ اسلام کی حامل بادشاہت) شام میں ہوگی، تو حضرت امیر معاویہ کی بادشاہی، اگرچہ سلطنت ہے مگر کس کی؟ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سلطنت ہے۔ سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک فوج جرار، جان نثار کے ساتھ، عین میدانِ کارزار میں، علی الاعلان، بالاختیار، ہتھیار رکھدیئے خلافت حضرت امیر معاویہ کے سپرد کردی اور اُن کے ہاتھ پر بیعت فرمالی۔

یہ صلح حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی پسندیدہ صلح تھی۔ اس کی بشارت دی تھی۔ اور حضرت امام حسنؓ کی نسبت فرمادیا تھا "کہ میرا یہ بیٹا سیّد ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ اللہ عزوجلّ اس کے باعث' دو بڑے گروہِ اسلام میں صلح کرادے۔" تو حضرت امیر معاویہ پر معاذ اللہ، فسق وغیرہ کا طعن کرنے والا، حقیقتۃً حضرت امام حسن مجتبیٰ بلکہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ حضرت باری عزوجلّ پر طعن کرتا ہے۔

امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجتہد تھے۔ ان کا مجتہد ہونا، حضرت سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حدیثِ صحیح بخاری میں بیان فرمایا ہے۔ اور مجتہد سے صواب وخطا، دونوں صادر ہوتے ہیں۔ پھر خطا دو قسم ہے۔ ایک خطاءِ عنادی جس کی بنیاد ہی عناد پر رکھی جائے اور مقصود اس سے محض نزاع وفساد ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ مجتہد کی شان نہیں۔ دوسری خطاءِ اجتہادی۔ یہ مجتہد سے ہوتی ہے اور اس میں اُس پر کوئی مواخذہ نہیں۔ مگر احکامِ دنیا میں وہ دو قسم پر ہے۔ خطاءِ مقرر۔ کہ اس کے صاحب پر انکار نہ ہوگا۔ یہ وہ خطاءِ اجتہادی ہے، جس سے دین میں کوئی فتنہ نہ پیدا ہوتا ہو۔ جیسے ہمارے نزدیک، مقتدی کا امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا، دوسری خطاءِ منکر۔ یہ وہ خطاءِ اجتہادی ہے جس کے صاحب پر انکار کیا جائیگا کہ اس کی خطاء باعثِ فتنہ ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا، حضرت سیدنا امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الاسنیٰ سے خلاف اسی قسم کی خطا کا تھا اور فیصلہ وہ جو خود رسول اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مولیٰ علی کی ڈگری، اور امیر معاویہ کی مغفرت۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

ام المومنین صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہ قطعی جنتی، اور یقیناً آخرت میں بھی حضور پرُنور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبۂ عروس ہیں۔ جو انہیں ایذا دیتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دیتا ہے۔ یوہیں حضرت طلحہ وحضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہ عشرۂ مبشّرہ سے ہیں۔ ان صاحبوں سے بھی بمقابلہ امیرالمومنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم، خطاء اجتہادی واقع ہوئی۔ مگر ان سب نے بالآخر رجوع کی۔ عرف شرع میں بغاوت مطلقاً، امامِ برحق کے مقابل آنے کو کہتے ہیں عناداً ہو خواہ اجتہاداً۔ ان حضرات نے چونکہ اپنے موقف سے رجوع فرمایا اس لیے ان پر اس کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ اور امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گروہ پر اصطلاحِ شرع کے مطابق، فیۂ باغیہ (باغی گروہ) کا اطلاق آیا ہے۔ مگر اب کہ باغی کا استعمال مفسد و معاند اور سرکش کے معنی میں عام جانا اور اسے دشنام سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے اب کسی صحابی پر اس کا اطلاق جائز نہیں۔ خود مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے، ان حضرات کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ اِخْوانُنا، بَغَوا عَلَیْنا (یہ سب ہمارے بھائی ہیں جو ہمارے مقابل آگئے) جبکہ خارجیوں کو آپ نے دشمنِ خدا ورسول ٹھہرا کر، انہیں تہ تیغ فرمایا اور ان کے فتنہ کو مٹایا۔

اس لیے یاد رکھنا چاہیئے کہ جنگ نہروان میں جو خارجی تہ تیغ ہوئے وہ یقیناً گمراہ، بددین وباغی اور کجرو، سرکش وطاغی تھے۔ اور جمل وصفین میں جو صحابۂ کرام شہادت سے سرفراز ہوئے وہ بالیقین مومنِ صالح۔ پاک باطن پاک سیرت تھے۔ اسی لیے آیۂ کریمہ نَزَعْنَا مَا فِی صُدُوْرِھِمْ کے تحت مفسرینِ کرام نے مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کا یہ ارشاد نقل فرمایا کہ "مجھے امید ہے کہ میں اور عثمان اور طلحہ وزبیر ان میں سے ہیں جن کے حق میں اللہ تعالیٰ نے یہ نازل فرمایا کہ ہم نے ان کے سینوں سے کینے کھینچ لیے۔" اس ارشاد اقدس نے رفض کی بیخ وبنیاد کا قلع قمع کردیا۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ :-

مذہب مہذّب اہلِ سُنّت وجماعت کا پیرو یعنی سُنّی مسلمان وہ ہے جو سوادِ اعظم اہلِ اسلام کے موافق جملہ عقائد اور مسائلِ اجماعیہ کا قائل اور اس کے مخالف کے بطلان کا معتقد و عامل ہو۔ جمہور مسلمین کے خلاف، ہر مکتبِ فکر کو باطل جانے، باطل مانے۔ تو جو کسی ایک بھی عقیدہ و مسئلۂ اجماعیہ میں سوادِ اعظم اہلسنّت کا مخالف و منکر ہے، وہ خارج از اہلسنّت ہے اگرچہ اپنے سُنّی ہونے اور بظاہر، مخالفِ مذہبِ اہلسُنّت سے برأت کا اقرار کرے۔ اُس کے اس جھوٹے قرارِ برأت سے بد مذہبی کا داغ، اُس کے ماتھے سے نہیں مٹ سکتا۔ جب تک وہ صراحۃً انہیں گمراہ و مخالفِ اہلسنّت نہ جانے۔ مذہب اہلسُنّت تو وہ جوہر لطیف و نظیف ہے کہ ہرگز کسی خلطِ فاسد کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ ایسے ہی جیسے گلاب کی ایک بوتل، ایک قطرہ پیشاب و شراب کی متحمل نہیں ہوسکتی۔

کفر و اسلام، راست روی و گمراہی کے جو احکام از روئے آیات و احادیث و اجماعِ امّت، ثابت ہیں، اور جن کی بنیاد پر حضرات صحابۂ کرام و اہل بیت عظام و ائمہ دین وسلفِ صالحین نے، بہت کلمہ گویانِ اسلام کو، ہمارے قبلہ کی جانب نماز پڑھنے کے باوجود، گمراہ و مرتد ٹھہرایا، یا انہیں گمراہ و بد مذہب بتایا۔ اور پھر ان کے فہم فاسد و اعتقاد کاسد کا تحریرًا و تقریرًا رَدّ و اِبطال فرمایا اور مبتدعین ضالّین کی بغض و اہانت کا حکم شرعی سنایا، وہ نہ زمانے کے بدلنے سے بدل گئے۔ اور نہ کسی گمراہ جماعت و گروہ کی من گھڑت مصلحتوں سے قابلِ منسوخ ہو گئے۔ یہ احکام شریعتِ اسلامیہ کے احکام ہیں۔ کسی مغربی طرز کی پارلیامنٹ کا مسوّدہ نہیں کہ آج پاس کر لیجئے اور کل ردّی کے ٹوکرے کی نذر کر دیجئے۔ آج سر چڑھائیے کل پامال کر دیجئے۔ آج ان پر ایمان لائیے اور کل ان کا انکار کر بیٹھئے۔

لہذا مصلحت کوشی کا نام لے کر، صلح جوئی کا نام بدنام کرنے والوں کے یہ دعوے یقیناً مردود اور قطعاً ناقابلِ قبول ہیں کہ سب کلمہ گویانِ اسلام حق پر ہیں۔ سب سے خدا راضی ہے۔ سب راہِ راست پر ہیں - ان میں سے کسی بھی کلمہ گو کو، گمراہ و بدعتی کہنا، اور اُن کی اہانت کرنا۔ اُن سے بغض رکھنا خلافِ اسلام ہے۔" وغیرھا خرافات۔

حضرت مولانا الشاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تفسیر عزیزی میں مرقوم یہ عبارت پھر ذہن نشین کر لیجئے کہ مرد صحیح الایمان را باید کہ با بدعتیاں انس نہ گیرد - و ہم مجلس و ہم کاسہ و ہم نوالہ نشود۔ و ہر کہ با بدعتیاں دوستی پیدا کند، نورِ ایمان و حلاوت آں از و بہ گیرند۔"

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو مذہب اہلسنّت سے الگ ہے۔ خدا و رسول اُس سے الگ ہیں اور شب و روز اُس پر پھٹکار برستی ہے اور برسیگی جب تک وہ اپنے آپ کو مطابق اہلسنّت اور بد مذہبی و گمراہی کی ناپاکی سے پاک صاف نہ کرے اور جب تک وہ اس ناپاکی سے ملوّث ہے، خدا و رسول کے سچے پرستار و جان نثار ان کی صحبت و ہم نشینی یا اُن کی معاذ اللہ چاپلوسی و کاسہ لیسی سے کیوں اپنا دامنِ اسلام آلودہ کریں۔ اور کیوں "بے حیا باش و ہرچہ خواہی کُن" کا مصداق بنیں۔ اور کیوں اپنی اسلامی غیرت اور ایمانی شرم کے منافی، ان گمراہوں کی باتوں پر کان دھریں۔ ایسے خیر خواہانِ اسلام کو، بس دُور ہی سے سلام بھلا کہ وہ نصوصِ صریحہ کا مخالف ہے:-

ذیابٌ فی ثیابٍ، لب پہ کلمہ دل میں گستاخی

سلام، اسلامِ ملحد کو کہ تسلیمِ زبانی ہے

ایک مغالطہ اور اُس کا ازالہ

زمانۂ رسالت میں، منافقین دربارِ دُرر بار حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم میں موجود رہتے۔ غزوات میں شریک ہوتے۔ غازیوں کی صفوں میں شامل رہ کر، اُن کے ساتھ جہاد کرتے اور مسلمانوں کے ساتھ مسجد نبوی میں، قبلۂ جان کعبۂ دین وایمان کے پیچھے، جانبِ قبلہ نمازیں پڑھتے، اور مسلمانوں کی مجالس آتے جاتے، اُٹھتے بیٹھتے اور گھُلے ملے رہتے تھے، تو آج ان امور سے مداہنت، اور وہ بھی بہ شدّتِ تمام، کیونکر حکم شرعی اور فرمانِ الٰہی بن گیا۔ جبکہ اس پر عملدرآمد کے باعث، مسلمانوں میں افتراق و انتشار میں روز افزوں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اور آئے دن فتنہ وفساد کا بازار گرم رہتا ہے۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کو ان کا منافق ہونا معلوم نہ تھا اور کیا وہ اس حقیقت سے واقف نہ تھے کہ ان کے دلوں میں نفاق کا روگ ہے اور یہ اہل اسلام کے درپردہ دشمن اور مسلمانوں کے بدخواہ اور زمانہ سازی میں گرفتار ہیں وغیرہ وغیرہ

اقول جواب اس مغالطہ کا یہ ہے کہ ہاں صدرِ اسلام میں ایسا تھا اور ضرور تھا۔ مگر اللہ عزّوجلّ نے صاف ارشاد فرما دیا اور مسلمانوں کو جتا دیا کہ :-

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ -

اللہ مسلمانوں کو اس حال پر چھوڑنے کا نہیں جس پر تم ہو۔ جب تک جُدا نہ کر دے گندے کو ستھرے سے۔

یعنی اے کلمہ گویانِ اسلام یہ جو اس وقت مومنین و منافقین، ایک ملی جلی قوم اور

اہل ایمان و اہلِ نفاق، سب خلط ملط، ایک جماعت کی مانند، نظر آرہے ہیں، یہ حالت ہمیشہ رہنے والی نہیں۔ وہ وقت عنقریب آنے والا ہے کہ مومن و منافق ایک دوسرے سے ممتاز و متمیّز ہو کر رہیں گے۔ خبیثوں اور منافقوں کو اللہ تبارک و تعالیٰ، طیّبوں اور مخلص مسلمانوں سے نمایاں طور پر جدا فرما دیگا۔ یہ گھال میل جو مخلص مسلمانوں اور منافقوں میں پایا جاتا ہے کہ منافق، حقانیتِ اسلام کا اقرار کرتے، مسلمانوں کی مجلسوں اور غازیوں کی صفوں میں نظر آتے ہیں، اور مسلمان ان سے اپنے بھائیوں کا سا سلوک کرتے دکھائی دیتے ہیں، یہ مناظر، بہت جلد آنکھوں سے اوجھل ہو جائیں گے اور دودھ کا دودھ، پانی کا پانی کر دیا جائیگا۔

چنانچہ ابتلاء و آزمائش سے اسلام کو کامیاب اور باطل کو سرنگوں کرنے سے، اور پھر بذریعۂ وحی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقوں کا علم عطا فرمانے سے، ان منافقوں کو ذلت و رسوائی سے دوچار ہونا پڑا اور پھر حضرت خاتم رسالت علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ نے بامرِ ایزدی ایک ایک خبیث کا نام لے کر ارشاد فرمایا اُخرُج یا فلانُ فَاِنَّکَ مُنَافِقٌ (اے فلاں نکل مسجد سے کہ تو منافق ہے) اور صحابۂ کرام اس حکم محکم کو سنتے ہی کھڑے ہو گئے اور جمعہ کے روز، علی رؤس الاشہاد، بھری مسجد سے ایک ایک منافق کو دھکّے دیکر، بہ نہایت رسوائی و خواری مسجد سے نکال دیا۔

(یہ حدیثِ طبرانی و ابن ابی حاتم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی) مخالفینِ دین کے ساتھ یہ برتاؤ، ان کا ہے جنہیں رب العزت عزّ جلالہ رحمۃً للعٰلمین فرماتا ہے۔ جنکی رحمت رحمتِ الٰہیہ کے بعد تمام جہان کی رحمت سے زیادہ ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

کون نہیں جانتا کہ ایک وقت میں شراب نوشی، جہاں تک نشہ نہ لائے جائز تھی۔ بعد کو مطلقاً حرام کر دی گئی۔ اور اس کا ایک ایک قطرہ نجس و حرام فرما دیا گیا۔ یا قبلہ بیت المقدس تھا بعد کو کعبۃ اللہ کی طرف نماز پڑھنے کا حکم آگیا۔ اب اگر یہ

صلح کلی واعظین، شراب نوشی کے جواز کا فتوی دیں، یا کعبے سے پھر کر، پھر بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کو حکم شرعی اور مصلحتِ شرعی ٹھہرائیں اور دلیل میں معمولِ سابق کو لائیں، تو کیا ان کی بات سنی جائے گی۔ اور کیا وہ الزامِ شرعی سے بری ہو سکتے ہیں؟ ناواقف سے ناواقف مسلمان بھی یہی کہے گا کہ نہیں، ہرگز نہیں۔

"بس یہی حال ان صلحکلی واعظوں اور مغالطہ میں گرفتار، دوسروں کو مغالطہ دینے والوں کی اس دلیل کا ہے کہ "ایک وقت میں منافقوں کو مسجد نبوی میں حاضر رہنے صحابۂ کرام کی مجلسوں میں آنے اور بعض اوقات ان کے مشوروں میں شرکت کی اجازت تھی۔ انہیں یہ بھی اجازت تھی کہ لشکرِ ظفر پیکر کے ساتھ ساتھ چلیں۔ غازیوں کے دوش بدوش صف بندی کریں اور جہاد میں شریک رہیں۔ گو جہاد کا ثواب نہ پائیں۔ بلکہ منافقین کے جنازے کی نماز بھی خود رحمۃ للعلمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پڑھاتے تھے۔ لیکن یہ حالت ایک خاص زمانہ تک محدود رہ کر منسوخ ہو گئی۔ جہاد میں بھی ساتھ چلنے کی ممانعت کر دی گئی اور اعلان فرما دیا گیا کہ

لَنْ تَخْرُجُوا مَعِیَ اَبَدًا ۔ تم کبھی میرے ساتھ نہ چلو۔

قتال سے بھی روک دیا گیا کہ وَلَنْ تُقَاتِلُوا مَعِیَ عَدُوًّا ۔ تم ہرگز میرے ساتھ کسی دشمن سے نہ لڑو۔

ان کی میت پر نماز پڑھنے سے بھی منع فرما دیا گیا کہ وَلَا تُصَلِّ عَلٰی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا ۔ ان میں سے کسی کی میت پر ہرگز نماز نہ پڑھنا۔ بلکہ اس کی قبر پہ کھڑے ہونے کی بھی ممانعت فرما دی گئی کہ وَلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ ۔ نہ اس کی قبر پہ کھڑے ہونا۔ اور پھر آگے یہ ارشاد فرمایا کہ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ۔ "بے شک یہ منافقین اللہ اور رسول سے منکر ہوئے اور فسق ونفاق ہی میں مر گئے۔" یہ گویا ممانعتِ نماز وغیرہ کی علت بیان فرما دی گئی کہ جب وہ ایمان سے خالی ہیں تو ان میں وہ اہلیت ہی نہیں کہ جہاد میں شریک ہوں۔ غازیوں کی ہمرکابی میں رہیں۔ یا ان کی نماز جنازہ پڑھی جائے۔ کہ جب وہ ایسے مبغوض، ایسے مردود ہیں تو ان پر یہ نعمتیں

کیسی - اور جو ان عظیم نعمتوں ابدی دولتوں کے مستحق ہیں ان کے ساتھ ان کا خلط ملط کیا معنی ؟ گویا اب مسلمانوں کو عمل اس بات پر کرنا چاہیئے کہ مسلمانوں کی جماعتوں میں منافقوں کو کسی طرح نہ پہنچنے دیا جائے ۔ اور کوئی کام ایسا نہ کیا جائے جس سے اس مزاج کے لوگوں کی ہمت افزائی ہو۔

اس منسوخ شدہ امر کو سند بنا کر پیش کرنا، اور قرآن عظیم و حدیث کریم کی نصوصِ صریحہ سے اعراض کرنا، صلحکلی واعظوں کا دستور العمل ہو تو ہو، کوئی ذی ہوش صاحبِ ایمان مسلمان، کسی دنیاوی لالچ اور نفسانی طمع میں گرفتار ہو کر شریعتِ غرائے مصطفویہ کو ہرگز پیٹھ نہیں دے سکتا۔

پھر اتنا ہی نہیں بلکہ جب منافقین کا نفاق کھل گیا اور عام مسلمانوں پر اُن کا منافق ہونا ظاہر ہو گیا تو منافق سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے معذرت کر کے کہنے لگے کہ آپ ہمارے لیے استغفار کیجئے ۔ اس پر آیہ کریمہ نازل ہوئی اور فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ ہرگز ان کی مغفرت نہ فرمائے گا۔ چاہے آپ استغفار میں مبالغہ کریں ۔ اس لیے کہ مغفرت کی بنیاد یعنی ایمان ہی سرے سے مفقود ہے ۔ لَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لَھُمْ۔ ان آیاتِ کریمہ سے صاف طور پر ثابت ہوا کہ جس شخص سے مکر و خُداع دین میں ناحق جدل و نزاع ثابت ہو، اُس سے انقطاع و علیحدگی اختیار کرنا چاہیئے ۔ محض مدعیٔ اسلام ہونے سے مصاحبت و موافقت جائز نہیں ہوتی ۔

اب بھی جو کہے کہ ہر کلمہ گو کو ملا لو ۔ اور اس سے اتفاق و اتحاد کرو، وہ اس حکمِ قرآنی کے خلاف کہتا ہے ۔ تو اُس کا کیا اعتبار ۔ اور اُس کی بات کب قابلِ اعتماد۔

احادیث سے غلط استدلال

فرقۂ مرتدین ومنکرینِ زکوٰۃ سے لے کر، فرقہ نیچریہ تک، مُبتدِعین کے گمراہ فرقے اس بلا میں گرفتار ہیں کہ وہ ضروریاتِ دین کا اقرار، اسلام میں ضروری نہیں جانتے اور ضروریاتِ مذہبِ اہلسُنّت وجماعت کے انکار کو، کوئی جرمِ شرعی نہیں گردانتے۔ اسی لیے شیعہ وسُنّی، وہابی وبدعتی، غیر مقلد ومقلد ہونے کی بنیاد پر پائے جانے والے اختلافات کو، صحابۂ کرام کا سا، نزاع وخلاف ٹھہراتے اور ہمیشہ زبانِ حال وقال سے یہ رٹ لگاتے ہیں کہ تمام فرقے کہ کلمہ گو ہیں ہمارے بھائی ہیں۔ سب سے مودّت ومحبت فرض ہے۔ سب کو اہل حق میں جاننا ضروری ولازم ہے۔ سب اہل قبلہ ہیں۔

اور اپنے ان مہمل اقوال کی تائید میں پیش کرتے ہیں یہ حدیث کریم کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ:

مَنْ صَلّٰی صَلٰوتَنَا وَاسْتَقبَل قِبلتَنا واکَلَ ذَبِیحَتنا فَذٰلِکَ المُسْلِمُ الَّذی لَہٗ ذِمَّۃُ اللہِ وَرَسُوْلِہٖ۔

"یعنی جو ہماری سی نماز پڑھے، اور ہمارے قبلہ کی طرف مونھ کرے، اور ہمارا ذبیحہ کھائے، وہ مسلمان ہے۔ جس کے لیے اللہ اور اللہ کے رسول کا عہد ہے۔"

اور یہ کہ فرماتے ہیں سرورِ کائنات علیہ الصلوات والتحیات کہ:۔

"مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ دخل الجنۃ" کہ جس نے لا الٰہ الا اللہ کہہ لیا، وہ داخلِ جنت ہوا۔"

مسلمانو! خدا لگتی کہنا اگر اس حدیث کریم کا وہی مفہوم ہے جو اِن لیڈروں اور

صلحکلی واعظوں نے سمجھا اور جانا، تو کیا جو شخص پانچ وقت قبلہ کی طرف نماز پڑھتا، اور ایک وقت کسی مہادیو کو سجدہ کر لیتا ہو، کسی عاقل کے نزدیک مسلمان ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ تو حدیث شریف کا یہ مطلب گھڑنا، صراحۃً قرآن کریم کے مقابل سرکشی۔ اور اسلام کی بیخ کنی ہے۔

عوام المسلمین کی فریب دہی کے لیے، خارجیوں، رافضیوں، ناصبیوں، وہابیوں اور نجدیوں کو، زبردستی اپنی مونھ زوری سے مسلمانانِ اہل سنت وجماعت کا بھائی ٹھہرانے کے لیے، احادیثِ مجلہ کو پیش کرنے والے، خوب یقین کرلیں کہ ان کی اس تدبیر پُرتزویر سے، تحقیقاتِ ائمہ اہلسنت کی مخالفت کا داغ ان کی پیشانی سے کسی طرح مٹ نہیں سکتا اور وہ اپنی فریب کاری میں کامیاب کسی طرح ہو نہیں سکتے ہیں۔

شرح فقہ اکبر میں ہے ولا یخفی انّ المرادَ بقولِ علماءِ نالایجوز تکفیرُ اَھلِ القبلۃِ بذنبٍ لیسَ مُجرّدُ التوجّہِ اِلَی القبلۃ الخ یعنی یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ ہمارے علماء کا یہ ارشاد کہ "اہل قبلہ کو کسی گناہ پر کافر کہنا جائز نہیں" اس سے صرف قبلہ کو مونھ کرنا، مراد نہیں۔ کہ غالی رافضی جو بکتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام کو وحی میں دھوکا ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ کی طرف بھیجا تھا۔ اور بعض تو مولیٰ علی کو خدا کہتے ہیں۔ یہ لوگ مسلمان نہیں اگرچہ قبلہ کی طرف نماز پڑھیں۔ اور اس حدیث کی بھی یہی مراد ہے جس میں فرمایا گیا کہ جو ہماری سی نماز پڑھے اور ہمارے قبلہ کو مونھ کرے اور ہمارا ذبیحہ کھائے وہ مسلمان ہے جس کے لیے اللہ اور اس کے رسول کا عہد ہے۔"

ائمہ مجتہدین پر افتراء پردازی اور بہتان سازی کو ایک آسان امر سمجھ لینا، ایسا نہیں جس کی پاداش بہت کچھ نہ بھگتنی پڑے۔ ائمہ مجتہدین ومقتدایانِ دین متین نے ہرگز یہ نہیں فرمایا کہ اسلام وایمان کا مدار فقط کلمہ گوئی پر ہے۔ یا صرف قبلہ روئی کا نام ایمان ہے کہ جو ہمارے قبلہ کی طرف نماز پڑھے وہ کسی عقیدۂ فاسدہ سے گمراہ یا کافر نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ ضروریاتِ مذہبِ اہلسُنّت یا ضروریاتِ دین سے کسی

ضروری امر کا انکار کرے۔ کسی صورت اُس کا ایمان نہیں ٹلتا۔ ع

چوں وضوئے محکم بی بی تمیز

خلاصۂ مرام یہ ہے کہ دربار رسالت میں، جو کوئی شخص بھی کلمۂ شہادت پڑھ کر، وحدانیتِ الٰہی اور رسالتِ عالم پناہی کا اقرار کر کے، کعبہ کی طرف نماز پڑھتا، اس پر تمام ضروریاتِ دین کا اقرار و اعتقاد بھی لازمی و ضروری تھا۔ بلکہ جو کوئی بھی آنحضرت خاتمِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ حق پرست پر اپنا ہاتھ رکھ کر، فقط لا الٰہ الا اللہ کہتا تھا، اس کی بھی یہی مراد ہوتی تھی کہ میں تمام دینی ضروریات پر ایمان لاتا ہوں پس مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّۃَ و دیگر احادیث کا مطلب، جمیع احکامِ اسلامیہ کی تصدیق اور ان کا قبول کرنا ہے۔ اس کے سوا اُس وقت دُوسرا احتمال پیدا ہونے کی گنجائش ہی نہ تھی۔

ہاں بعد تشریف لے جانے کے، جو بعض کلمہ گویانِ اسلام، اور قبلہ کی جانب نماز پڑھنے والوں نے بعض احکامِ ضروریہ اسلام کا انکار کیا وہ باجماع صحابۂ کرام مرتد و کافر ٹھہرائے گئے۔

مولانا الشاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تفسیر عزیزی میں فرماتے ہیں: مانعین زکوٰۃ را کہ در عہدِ خلیفۂ اوّل مرتد نامیدند، بجہت آنست کہ آنہا منکرِ وجوبِ زکوٰۃ بودند۔ و ہر کہ منکرِ ضروریاتِ دین بود۔ اصل دین را انکار کردہ باشد۔"

یعنی زمانۂ خلیفۂ اول میں، زکوٰۃ روک لینے والوں کو جو مرتدین کا درجہ دیا گیا اس کی وجہ یہی ہے کہ انہوں نے فرضیت زکوٰۃ کا انکار کیا۔ اور جو ضروریاتِ دین کا منکر ہو، وہ درحقیقت اصل دین ہی کا منکر ہے۔

اور یہ بھی واضح ہے کہ بہت علمائے محققین کے استعمالات میں اہلِ قبلہ سے خاص اہلسنّت ہی مراد ہوتے ہیں۔ شاہ عبد العزیز صاحب جلد دوم فتاویٰ میں فرماتے ہیں:

"شخصے کہ از اہل قبلہ باشد یعنی اعتقاد بعقائد اہلسنّت داشتہ باشد، اورا کافر

گفتن، و احکامِ کفر بروی جاری ساختن، خلافِ طریقِ اہلِ اسلام ست۔"

بالجملہ وہ کلمہ گو جو ضروریاتِ دین سے کسی ضروری دینی کے منکر ہیں، اگرچہ وہ ہمارے قبلہ کی طرف منہ کریں، نماز پڑھیں، روزے رکھیں، حج کریں، راہِ خدا میں مال لٹائیں۔ مگر ضروریاتِ دین سے کسی شئے کے منکر ہوں، باجماعِ مسلمین یقیناً قطعاً کافر ہیں۔ اگرچہ کروڑ بار کلمہ پڑھیں، پیشانی اُن کی سجدے میں ایک ورق ہو جائے۔ بدن اُن کا روزوں میں ایک خاکہ رہ جائے۔ عمر میں ہزار حج کریں۔ لاکھ پہاڑ سونے کے راہ خدا پر دیں۔ لا واللہ ہرگز ہرگز کچھ مقبول نہیں جب تک حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی ان تمام ضروری باتوں میں، جو وہ اپنے رب کے پاس سے لائے۔ تصدیق نہ کریں۔

ضروریاتِ دین اگر مثلاً ہزار ہیں، تو ان میں سے ایک کا انکار بھی ایسا ہی ہے جیساکہ نوسو ننانوے (۹۹۹) کا۔ صحابہ کرام سے لے کر متاخرینِ علمائے اعلام و مفتیانِ شرعِ اسلام تک، ایسے کلمہ گویان اور روبقبلہ نمازیوں کی، ائمہ دین و محققینِ شرعِ شریف نے تکفیر فرمائی ہے۔ کہ اسلام تو نام ہے جمیع احکامِ شارعِ علیہ السلام کے قبول کرنے کا۔ پھر ضروریاتِ دین میں سے کسی دینی ضروری کا انکار، خواہ صراحۃً ہو، یا کنایۃً، عناداً ہو یا تاویلاً کفر ہے۔ اور یہ منکر بالاجماع کافر و طاغی۔ اور یقیناً اسلامی برادری سے خارج و باغی ہے۔

فرقۂ وہابیہ کے وہ اکابر و اصاغر جو باوجود دعوئے اسلام و اقرارِ ضروریاتِ دین کے، سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ ارفع و اعلیٰ میں توہین و تذلیل و استخفاف و تصغیر کا استعمال تحریراً و تقریراً شائع کرتے ہیں۔ ان پر علمائے عرب و عجم نے کفر و ارتداد کا حکم صادر فرمایا ہے۔

والعیاذ باللہ تعالیٰ من شرور انفسنا۔

ضروری اللحاظ عرض

چوں بہ سفلہ گوئی بالطف و خوشی
فزوں گردَدَش کبر و گردن کَشی

صلحکلّی واعظین، عوام مسلمین کو مغالطے اور گمراہی کا شکار بنانے اور انہیں اسلامی تعلیمات سے بہکانے کے لیے اپنی زبان زوری کے بل بوتے، وہ احادیثِ کریمہ اور سلفِ صالحین کے اقوال و افعال پیش کر دیا کرتے ہیں جن میں حُسنِ خلق اور مدارات کا ارشاد ہے۔ حالانکہ علمائے اہلسُنّت وجماعت کثرھم اللّٰہ تعالیٰ کو نہ حُسنِ خُلق سے انکار ہے اور نہ مدارات سے عناد۔ البتہ اس حُسنِ خلق اور مدارات کو اپنے تقیۂ صریحہ اور ضلالاتِ قبیحہ کی اشاعت و ترویج کا ذریعہ بنا لینا، یہ ضرور اسلام و مسلمین پر ظلم ہے۔ اس لیے ہم شاہ عبدالعزیز صاحب محدثِ دہلوی رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ علیہ کی ایک عبارت تفسیر عزیزی (سورۂ بقرہ) سے نقل کرتے ہیں تاکہ عامۃ المسلمین ان کی باتوں میں نہ آئیں۔ وھی ذِہ:

اکثر مردم را درمیانِ مدارات وحُسنِ خُلق و درمیانِ مداہنت فرق واضح نشدہ۔ مدارات وحُسنِ خُلق، باہر مسلمان و کافر، درشرع محمود ست۔ و مداہنت وخوشامد معیوب و مردود۔ یکے را از دیگرے امتیاز نمی کنند و درمقام حُسنِ خُلق، ارتکابِ مداہنت می نمایند و تنقیح فرق درمیان ایں ہر دو آنست کہ مدارات و حُسنِ خُلق عبارت از مسامحت درحقِ خود ست۔ و بہ نفسانیت کار نہ کردن، و خود را واجب التعظیم نہ دیدن، و از تقصیرے کہ درحقِ خود رود، درگزشتن۔

ومداہنت عبارت از مسامحت، در امرِ دین ست ۔ وباوجود دیدن وشنیدنِ امور نامشروعہ، واقوال نامرضیہ، تعصب نہ کردن ودینِ خود راسبک داشتن، و از حقِ واجبِ شرع ودین درگزشتن ۔ مثلاً اگر شخصے ایں کس راسخت گفت ۔ یا ترکِ تعظیم نمود، درغضب نیامدن وباوے درپئے انتقام نہ شدن، بلکہ سلوکِ نیک کردن از قبیل حسنِ خلق ومدارات ست ۔ واگر شخصے حرکتے مخالفِ شرع کرد ۔ یا ترکِ تعظیم دین نمود، باوے موافقت نمودن، واظہارِ ناخوشی نہ کردن، وسخنِ اُو را رد نہ کردن ۔ از باب مداہنت وخوشامد ست ۔ انتہیٰ ۔

" یعنی ایسے لوگ بکثرت ہیں جن پر حُسنِ خُلق ومُدارات اور دُہن ومُداہنت کے درمیان فرق واضح نہیں ہوا ہے ۔ (اس لیے ہم بتاتے ہیں کہ) مُدارات اور حُسنِ خُلق تو ہر مسلم وغیر مسلم کے ساتھ شریعتِ اسلامیہ میں پسندیدہ ہے ۔ جبکہ مُداہنت اور چاپلوسی، معیوب ومردود (اور سخت ناپسندیدہ) ہے ۔ لوگ ایک کو دوسرے سے ممتاز نہیں کر پاتے اور جہاں حُسنِ خلق درکار ہے وہاں مداہنت وخوشامد کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں ۔ خلاصہ ان دونوں کے درمیان فرق کا یہ ہے کہ مدارات وروا داری کا تعلق خود اپنے نفس سے ہے کہ اپنے حق میں سہل انگاری برتیں ۔ نفسانیت کو بنیاد بناکر کوئی کام نہ کریں اور اپنے آپ کو واجب التعظیم نہ سمجھیں ۔ اپنے حق میں اگر کسی سے کوئی کوتاہی سرزد ہو جائے تو اُس سے درگزر کریں ۔ اور مداہنت کے معنی یہ ہیں کہ دینی معاملہ میں چشم پوشی کریں ۔ جو باتیں شرعاً ناجائز وناپسند ہیں ان کو دیکھتے سنتے ہُوئے بھی تعصّب اور دینی تصلّب کو کام میں نہ لائیں ۔ اپنے دین کو بے وقعت اور ہلکا ٹھہرائیں اور دین وشریعت کا جو حق لازم ہے اُس سے دامن بچائیں ۔ اسے یوں سمجھیں کہ اگر کوئی شخص (اپنا ہو یا بیگانہ) خود اسے سخت وسُست کہے (جس سے اس کی سُبکی ہو) یا اس کی تعظیم نہ کرے ۔ (جس سے اسکی بے وقعتی سمجھی جائے) تو یہ اُس وقت غصّہ میں نہ آئے اور اُس سے انتقام کے درپے نہ ہو ۔ بلکہ رواداری اور حُسنِ سلوک سے پیش آئے ۔ یہ عادت حُسنِ خلق ومدارات

کی اقسام سے ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص شریعت مطہرہ کے خلاف کوئی حرکت کرے، یا دین کی عظمت و برتری کے خلاف، کسی امر کا مرتکب ہو، تو اُس کے ساتھ موافقت وصلح جوئی کو کام میں لانا، کسی ناخوشی کا اظہار نہ کرنا اور اس کی ایسی بات کی تردید نہ کرنا، یہ مداہنت کی صورتیں ہیں۔" (اور شرعاً نہایت ناپسندیدہ و قابل نفرین)

اور اسی سے یہ بات واضح ہوگئی کہ تمام فرق کلمہ گویان کو برحق اور راہِ راست پر بتانا، کسی فرقہ کلمہ گو کو، اُس کے کسی باطل عقیدہ کی رو سے، کافر یا گمراہ یا بد مذہب کہنے کو ناجائز بتانا، مبتدعین (یعنی بد مذہبوں گمراہوں) کے اعزاز و تعظیم کو لازم ٹھہرانا، مبتدعین کی اہانت، اُن کی تحقیر، اُن سے بُغض و عداوت رکھنے کو مخالفِ اسلام قرار دینا، سلف و خلفِ اہلسُنّت کی تحقیقات کے خلاف ہے۔ اہلسُنّت کے نزدیک جو کلمہ گویان اسلام کے مدعیان، بعض ضروریات دین کے منکر ہیں وہ کافر و مُرتد ہیں۔ اور جو لوگ مسائل اجماعیہ اہلسُنّت کے منکر ہیں۔ وہ بھی بعض اہلسُنّت کے نزدیک کافر ہیں۔ اور بعض کے نزدیک گو کافر نہیں، مگر مبتدع اور گمراہ، مصداقِ کلابِ اہل نار (دوزخیوں کے کُتّے) ضرور ہیں۔ اُن سے محبّت و وداد، اور یگانگت و اتحاد منانا، اُن کی تعظیم و توقیر کے گیت گانا، اُن کا ہم نشین و ہم نفس، ہم کاسہ و ہم نوالہ بن کر، دنیاوی ترقیوں کے لیے بساطِ جمانا، تو در کنار، اُن سے بُغض رکھنا، اُن کا ردّ و طرد اور اُن کی اہانت کرنا حکم شرعی ہے۔ اور یہ امور شریعت اسلامیہ کے وہ مسائل ہیں جن کا بیان آیات واحادیث میں مذکور ہے اور صحابۂ کرام و دیگر سلف و خلف علماء عظام کے اقوال و افعال سے روزِ روشن کی طرح ہویدا ہے۔ جس کا اسی رسالہ میں نہایت اختصار سے بیان مذکور ہوا۔

ہم حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مکتوبات شریفہ سے صرف ایک عبارت نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

" اسلام و کفر ضد یک دیگر اند۔ عزت دادن یکے را، مستلزم خواری آں دیگر ست۔ حق سبحانہ حبیبِ خود را می فرمایا وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ چوں پیغمبرِ خود را کہ موصوف بخُلقِ عظیم ست،

بغلظت با ایشاں امر فرمود، معلوم شد کہ غلظت با ایشاں داخلِ خلقِ عظیم ست۔ پس عزتِ اسلام، در خواری اہلِ کفر است۔ کسے کہ اہلِ کفر را عزیز داشت، اہلِ اسلام را خوار ساخت۔ عزیز داشتن عبارت ازاں نیست کہ البتہ ایشاں را تعظیم کنند و بالا نشانند بلکہ در مجالسِ خود، جائے دادن و با ایشاں مصاحبت نمودن و ہمزبانی کردن با ایشاں، داخلِ اعزاز ست۔ ایشاں را در رنگِ سگاں، دور باید داشت۔ و اگر غرضے از اغراض دنیاوی با ایشاں مربوط باشد و بے ایشاں میسر نشود، شیوۂ بے اعتباری را مرعی داشتہ بقدرِ ضرورت با ایشاں باید پرداخت، و کمالِ اسلام آنست کہ ازاں غرضِ دنیاوی نیز باید گزشت و با ایشاں بناید پرداخت۔ حق سبحانہٗ در کلامِ خود کفار را، دشمنِ خود و دشمنِ پیغمبر خود فرمودہ است، پس اختلاط و موانست بایں دشمنانِ خدا و رسول، اعظمِ جنایات باشد و دوستی و الفت با دشمنانِ خدا، منجر بدشمنئی خدا و پیغمبر می شود..... شخصے گمان می کند کہ و از اہلِ ایمان ست و تصدیق ایمان باللہ و رسولہ میدارد، اما نمی داند کہ ایں قسمِ اعمالِ شنیعہ، دولتِ اسلام او را پاک و صاف می برد۔ (جلد اول مکتوب ۱۶۳)

خلاصہ اس تقریرِ دلپذیر و ایمان تنویر کا یہ ہے کہ "اسلام و کفر، ایک دوسرے کی ضد ہیں ایک کی عزت، دوسرے کی ذلت کو لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب لبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا کہ "ان منافقوں پر سختی کیجئے"۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خُلقِ عظیم سے موصوف ہیں۔ اور اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ایسے لوگوں سے شدت و سختی سے پیش آنا، خُلقِ عظیم میں داخل ہے۔ لہذا اسلام کی عزت اسی میں ہے کہ اہلِ کفر کو ذلیل و خوار کیا جائے۔ اب بھی اگر کوئی ایسے کافروں اور کفر سیرتوں کی عزت و توقیر کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ اہلِ اسلام کو ذلت سے ہم کنار کرنے کے درپے ہے۔

ایسے لوگوں کی عزت افزائی کے معنی صرف یہی نہیں ہے کہ اُن کی تعظیم و تکریم کی جائے، یا انہیں اپنی مجلس میں بلند (ممتاز) مقام پر جگہ دی جائے۔ بلکہ انہیں اپنی مجلسوں میں بلا روک ٹوک آنے دینا، ان کی ہم نشینی اختیار کرنا اور اُن کی ہاں میں ہاں

ملانا بھی، اُن کے اعزاز میں داخل ہے۔ حکم شرعی یہ ہے کہ انہیں کتوں کی مانند دُور رکھا جائے۔ اور اگر دنیاوی ضرورتوں میں کوئی ضرورت انہیں سے متعلق آپڑے۔ کہ ان کی توجّہ والتفات کے بغیر، وہ مشکل حل نہ ہو سکے، تب بھی حکم شرعی یہ ہے کہ انہیں ناقابل اعتبار، وغیر معتمد سمجھتے ہُوئے "بوقت ضرورت" بقدر اُن سے رابطہ قائم کرلے۔ مگر کمال اسلام یہ ہے کہ دنیاوی امور بھی اُن سے وابستہ نہ رکھے اور حتی الامکان اُن سے لاتعلق رہے (یاد رکھنا چاہیئے کہ) اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں کفر کرنے والوں کو اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن فرمایا ہے۔ تو خدا اور رسول کے ان دشمنوں کے ساتھ میل جوڑ اور خلاملا بدترین گناہوں میں سے ہے۔ اور کم از کم نقصان، ان کی صحبتوں میں رہنے اور اُن سے خلط ملط رکھنے کا یہ ہے۔ کہ شریعتِ مطہرہ کے احکام کو جاری رکھنے، اور کفر کی رسموں کو زائل کرنے کی قوت و قدرت کمزور ہو جاتی ہے۔ اور ان کی ہم نشینی کی شرم اس سے مانع آتی ہے۔ اور یہ نقصان، ایک عظیم دینی نقصان ہے۔ غرض خدا و رسول جلّ وعلا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دشمنوں کے ساتھ الفت و دوستی، خود خدا اور رسولِ خدا (محبوبانِ خدا) کی عداوت و دشمنی تک پہنچ جاتی ہے۔ آدمی گمان کرتا ہے کہ وہ کلمہ گو ہے۔ مسلمان ہے۔ خدا و رسول پر ایمان رکھتا ہے (تو اس سے دوستی و محبّت کی ممانعت کیوں) لیکن وہ یہ نہیں جانتا کہ اس قسم کی بیہودہ حرکتیں اُس کے اسلام کو برباد کر دیتی ہیں۔" والعیاذ باللہ تعالیٰ

مسلمانو! ہمارا، تمہارا پاک سچا' دین اسلام جس طرح ہم کو یہ ہدایت کرتا ہے کہ ہم اہلسنّت وجماعت کے عُروہ وثقیٰ کو اپنے زبردست اور مضبوط ہاتھوں قوتوں سے پکڑے رہیں، جان جائے مگر یہ سلسلہ ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔ اسی طرح ہم کو یہ بھی تاکیدی حکم دیتا ہے کہ اگر ہم اسلام میں رخنہ ڈالنے والوں کی قوتوں کو پامال کرنے کی اہلیّت نہیں رکھتے تو کم از کم اُن سے حتی الامکان دور و نفور رہیں۔ یہی راہ نجات ہے اور یہی صراطِ مستقیم۔

اہلسنّت کا سفینہ، سفینۂ نجات ہے

اور وہ جو ہم مسلمانوں کو یہ سمجھاتے ہیں کہ "ہم سب ایک ناؤ میں سوار ہیں۔ جب یہ ڈوبے گی تو نہ غیر مقلد بچے گا، نہ مقلّد۔ نہ وہابی کو امان ملے گی نہ سُنّی کو۔ نہ اہل رفض نجات پا سکیں گے نہ اہلسُنّت وغیرھا من الاباطیل"۔ تو انہیں یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ ہم اہلسنّت وجماعت کو ہمارا نبی کریمؐ، رؤف ورحیم، جانِ ما فدایش باد، ہمیں سب کچھ بتا چکا۔ بہت کچھ سمجھا چکا۔ آپ کے سمجھانے کا محتاج نہیں چھوڑا ہے۔ ہم کو بخوبی سمجھا دیا گیا ہے اور ہم یقینی طور پر سمجھے ہوئے ہیں اور ہم نہایت وثوق کے ساتھ کہتے ہیں اور یہی ہمارا ایمان ہے کہ ہم ہی وہ ہیں جن کا سفینہ، سفینۂ نجات ہے۔ ہم ہی وُہ ہیں جن کی کشتی کے ناخدا، اصحاب واہلبیت رسول اللہ ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ ہم ہی وہ ہیں جو ساحل مراد کے نیک نشان پر جا رہے ہیں۔ ہم ہی وہ ہیں جن کے لیے قدرت نے فلاح ونجات ودیگر بے شمار نعمتیں امانت رکھی ہیں۔ اور یہ بھی یقینیات سے ہے کہ صحابہ واہلبیت اور محبوبانِ خدا کے بدخواہ، بدگو اور سبیل المؤمنین سے مونھ موڑ کر، اپنی اپنی ڈفلی، اپنا اپنا راگ الاپنے والے، سارے گمراہ، سارے بدمذہب، ایسی کشتیٔ ہلاکت میں سوار ہیں، جس کے ملاح آنکھوں پر پٹی باندھ کر، گرداب بلاو ورطۂ فنا میں کشتی کو لیے جاتے ہیں۔ اور اُس کا بیچ منجدھار میں تباہ وبرباد ہونا مسلّم ہے۔ اور وہ ایسی ڈوبے گی کہ اُبھرنے کی امید نہیں۔ اہلسُنّت کے قلوب میں جو گمراہ فرقوں کے ساتھ بُغض وعداوت ہے، وہ ان کے کمال ایمان کی دلیل ہے۔ خدا نہ کرے کہ ان کے دلوں میں مبتدعین کی محبّت کا خیال، خطرہ بن کر بھی پیدا ہو۔ باقی رہا بُغض فی اللہ کو کینہ وبرائی بتانا، تو یہ ان گمراہوں کا قدیم سے معمول ہے بلکہ ان کا فرض منصبی۔ اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے۔

خلاصۃ المرام

اور اب یہ فقیر بے توقیر، اپنے رب کریم، پھر اُس کے رسولِ عظیم رؤف رحیم علیہ و علیٰ آلہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کی مدد و اعانت مانگتا، چند گزارشات پر اس کتاب کو ختم کرتا ہے تاکہ مذہب اہلسنّت وجماعت کی سربلندی، اور تمام گمراہوں کے مفاسد کی رخنہ بندی ہو اور سُنّی مسلمانوں کو دنیا میں فلاح، دین میں صلاح اور آخرت میں نجاح کا دامن میسّر آئے۔ فقیر کو توقع ہے کہ خیر خواہانِ دین وملّت، معظمانِ اہلسنت وجماعت کی تحقیقات کا یہ خلاصہ، مسلمانانِ اہلسنّت بکشادہ پیشانی قبول فرما کر، اس بندۂ نابکار، کے حق میں دُعائے خیر فرمائیں گے۔

۱۔ مذہبِ اہلسُنّت وجماعت یقیناً قطعاً حق ہے۔ اور اس کے خلاف سب مذاہب بالیقین باطل وضلال ہیں اور موجب عذاب وغضبِ ذی الجلال ہیں۔

۲۔ حدیث کریم کہ یہ امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی۔ ان میں بہتّر دوزخ میں ہیں اور ایک نجات پانے والا، اور دوسری احادیث کریمہ کہ تمام بدمذہبوں گمراہوں کے ناری جہنمی ہونے کا بیان فرما رہی ہیں سب حق ومقبول ہیں۔

۳۔ جو فرقہ ابوبکر وعمر وعثمان غنی کو کافر ظالم غاصب کہے، اُن پر تبرّا بکے۔ یا صحابۂ کرام یا اہلبیت عظام یا دیگر ائمۂ اسلام کی توہین واہانت کرے۔ یا کلمہ پڑھ پڑھ کر حسنین کریمین سیّدنا امام حسن وسیّدنا امام حسین شہید کربلا کو مغلظہ گالیاں دے، ان پر لعنتیں کرے۔ وہ یقیناً یقیناً کافر ومبتدع اور بدمذہب وگمراہ ہے۔

۴۔ عقیدہ کا فسق، عمل کے فسق سے اشدّ واخبث ہے۔ صرف فسقِ عمل سے بجکم آدمی، ہرگز ہرگز متقی وپرہیز گار نہیں بن سکتا۔ کہ باطنی خباثت اس میں پنہاں ہے۔ اسکی مثال ایسی ہے جیسے گندگی کے ڈھیر پر زربفت کا خیمہ۔

۵- بدمذہبوں کی صحبت، صحبتِ یارِ بد ہے اور یارِ بد، مارِ بد سے بدتر۔ صحبتِ بد اور یارِ بد سے بچنا، شرعاً و عقلاً و عرفاً ضروری ہے۔ قرآن مجید و احادیثِ صحیحہ معتبرہ میں بُری صحبت سے بَری رہنے کے تاکیدی احکام آئے ہیں۔ ان احکام کی پیروی ہی میں نجاتِ دارین موقوف ہے۔

۶- احادیث صحیحہ کثیرہ میں اَلحُبُّ لِلّٰہِ وَالبُغضُ فِی اللّٰہِ (اللہ کے لیے محبت، اللہ کے لیے عداوت) کے صریح احکام وارد ہیں۔ اس لیے دشمنانِ صحابہ، دشمنانِ اہلبیت، دشمنانِ ائمہ و دشمنانِ اولیاء، غرض تمام دشمنانِ محبوبانِ خدا سے، بغض رکھنا، اسلام کا رکنِ عظیم ہے۔ اور کمال ایمان کی دلیل۔

۷- متواتر حدیثوں سے ثابت ہے کہ آدمی جس سے محبت رکھے گا اُسی کے ساتھ، اُس کا حشر ہوگا۔ اور کوئی سُنّی مسلمان ہرگز اسے پسند نہ کرے گا کہ اُس کا حشر ناصبیوں، خارجیوں، رافضیوں، نیچریوں، یا ان جیسے دوسرے گمراہوں کے ساتھ ہو۔ تو اُن سے اتحاد و وداد اور محبت و یگانگت کی راہ چلنا بھی ہرگز مسلمان کو گوارا نہ ہوگا۔ نہ کہ اس سے محبت کو مدارِ ایمان جاننا۔ اُسے خدا کا بندۂ مقبول و محبوب اور چنیں و چناں ماننا۔

۸- صرف کلمۂ طیبہ بلا اکراہ پڑھ لینا اسلام کو وافی۔ اور قبلۂ مسلمین کا ماننا، یا اُس کی طرف نماز پڑھ لینا، اہل قبلہ ہونے کو کافی نہیں۔ تمام ضروریاتِ دین کو صدقِ دل سے ماننا اسلام ہے۔ ضروریاتِ دین کا منکر اگرچہ لاکھ بار کلمہ پڑھے، اُسی قبلۂ حقہ کی طرف نماز ادا کرے، قطعاً کافر ہے اور اس کی تکفیر لازم۔

۹- آج کل جو لوگ کسی امام کی تقلید نہیں کرتے۔ اقوال ائمہ مجتہدین کو قرآن و حدیث کے مقابل و مخالف بتاتے ہیں وہ طریقۂ اہلسنّت کے مخالف اور سوادِ اعظم امت کے خلاف ہیں اور گمراہ۔ اگرچہ وہ ازراہِ فریب، خود کو سوادِ اعظم اہلسنت میں بتائیں اور کل کے شرک کو، آج کا ایمان بنائیں۔

۱۰- بدمذہبوں گمراہوں کے ردّ وطرد، اور اُن کی خرافات کے ابطال میں کوشش کرنا، اُن کا پردہ چاک کرنا، ایک عظیم فریضۂ اسلام ہے۔ اس سے غافل رہنا موجب تباہی وہلاکت ہے۔ ایسے لوگوں کو کسی دینی کام میں رُکن بنانا، انہیں یہ منصب وعہدہ دینا، اللہ ورسول ومسلمین، سب کے حق میں خیانت کرنا ہے۔
دینی مجلس کی رُکنیت دینا، اُن کی تعظیم وتوقیر بڑھانا ہے، اور بدمذہبوں کی تعظیم وتوقیر، بحکم احادیث، موجب غضبِ الٰہی، اور دین ومذہب ومسلمین کی صریح بدخواہی ہے۔ جو اسے روا رکھے، پسند کرے۔ جہنم میں اپنا ٹھکانہ بنائے۔

۱۱- ہم مسلمانوں میں اب بھی ایسے بے شمار، لاتعداد مسلمان موجود ہیں جن کے آباء و اجداد، دین دار، نیکوکار، حق پرست، حق شناس، حق شعار اور متقی وپرہیزگار تھے، اور ہیں۔ ان کی مائیں، پاک دامن، پارسا، عابدہ زاہدہ تھیں، اور ہیں۔
اب اگر کوئی بدزبان، بزور وبہتان، اپنی خباثتِ نفسی کے ماتحت، اُن میں سے کسی کے باپ دادا اور ماں کو گالیاں دے، تو ایسی حالت میں، کس آیت وحدیث نے اس پر فرض کیا ہے کہ کوئی بدبخت، اس کے ایسے ماں باپ کو گالیاں دیتا رہے، مگر یہ اس سے شیر وشکر رہے۔ اُس سے اتحاد پیدا کرے۔ اُسے اپنا ہمدرد اپنا ہی خواہ، اور اپنا سب کچھ سمجھتا رہے۔ اور فرض کر لو کہ یہ بدنصیب گیا گزرا ایسا ہی کہ گزرے تو کیا وہ شرعاً عقلاً عُرفاً، ہر طرح نالائق، ناخلف، بے شرم، بے غیرت اور مطعون ومذموم نہ ٹھہرے گا۔
مسلمانو! آج کونسی ماں، کس کی ماں، عائشہ صدیقہ کی برابر ہے۔ اور کس کا باپ، کونسا عالم، کہاں کا متقی، ہمارے آبائِ شریعت، خلفائے رسالت، ابوبکر وعمر وعثمان وعلی وحسن وحسین وابوحنیفہ ومالک وشافعی واحمد وغوثِ اعظم وخواجہ غریب نواز وشیخ الشیوخ وسلطان نقشبند وغیرہم محبوبانِ خدا رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا ہمسر ہے۔ تو جو بدبخت، بدنصیب وبے ادب ام المومنین حضرت صدیقہ بنت الصدیق محبوبۂ محبوب رب العالمین جلّ وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہما وسلم پر معاذ اللہ، تہمتِ ملعونہ

ایک سے اپنی ناپاک زبان آلودہ کرے جو اُن پر تبرّا بکے، اُنہیں گالیاں دے۔ یا اُن میں سے کسی ایک کے ساتھ بدعقیدگی و بدگمانی رکھے، اُنہیں ظالم و غاصب و باغی قرار دے یا اُنہیں عیسائیوں اور یہودیوں کے راہبوں، پادریوں کی طرح کہے اور ان کی تقلید اُن سے محبت و عقیدت کو گمراہی و خسران ٹھہرائے، تم اپنے کلیجہ پر ہاتھ رکھ کر بتاؤ، کہ اُن سے دُور رہنا، اُن سے نفرت کرنا، اُن کی صحبت سے بھاگنا، اُن سے دامن بچانا فرض ہے یا معاذ اللہ اُن سے محبّت رکھنا، اُن کی تعظیم بجا لانا اور اُنہیں چنین و چناں جاننا۔ اور سچ پوچھیے تو یہ فرقۂ غیر مقلدین کہ مخالفتِ اہلسنّت میں پیش پیش ہے۔ اور امت میں تفریق و فرقہ بندی اور مسلمانوں میں اختلاف و افتراق میں "قدم فسق بیشتر بہتر" کا مصداق ہے۔ روافض سے بدتر ہے بلکہ روافض کی ایک شاخ ہے یہی بخاری و مسلم سینکڑوں برس سے چلی آرہی ہیں۔ نہ کوئی اُنہیں پڑھ کر تبرائی بنا۔ نہ امت میں تفرقہ پڑا۔ اب یہ کج فہم آزادی پسند، ان نورانی کتابوں کو پڑھ کر گمراہ ہوئے۔ اور امت میں گروہ بندی کا ایک نیا دروازہ کھول بیٹھے۔ تو الیسوں سے یارانہ منانا، خود اپنے ہاتھوں، اُن فتنوں کو پروان چڑھانا اور امت میں نفاق پھیلانا ہے۔

والعیاذ باللہ

انصاف للہ انصاف

محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وازواجہ واہلِ بیتہ وحزبہ و بارک وسلّم اجمعین ان کی ازواج مطہرات، اُمّہات المومنین، اُن کے اہلِ بیت، اُن کے اصحاب، اُن کے دین کے اولیاء، اُن کی شریعت کے علماء، خلفائے راشدین، بالخصوص صدیق اکبر و فاروقِ اعظم، اُن کی اولاد امجاد، خصوصاً امام مجتبیٰ شہزادہ گلگوں قبا، امام حسین شہید کربلا، رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی عزتیں عظمتیں وجاہتیں، رفعتیں، زائد یا تمہارے آباء واجداد، تمہارے باپ، تمہارے برادر، خواہر، شوہر کی؟

ام المؤمنین حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، جن کی پاک دامنی پر قرآن گواہ ہے' زائد۔ یا تمہاری ماں ؟ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی، صدیق وفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے غلام، باندیاں اور ام المؤمنین کے بیٹے، بیٹیاں کہلاتے اور پکارے جاتے ہیں۔ ان کی عزتوں پر حملہ کرنے والوں ، اُن کو گالیاں دینے والوں' انہیں غاصب وباغی وچنیں وچناں کہلانے والوں سے، اگر ترکِ تعلق نہ کریں، اور وہ برتاؤ نہ برتیں، جو ایسے دشمنانِ دین و اعدائے اسلام کے ساتھ برتنا چاہیئے۔ اور جو ہم اپنے بدگویوں، بدکرداروں، بدقماشوں، بدمعاشوں سے برتتے ہیں، تو پھر کیا ہم اُن کے نمک حلال غلام باندی، اور لائق وقابلِ فخر بیٹے بیٹی کہلائے جانے کے مستحق ہیں؟ اور کیا ہمیں یہ حق ہے کہ ہم اُن عالی مرتبہ جنابوں سے، اپنی نسبتوں کو زبانوں پر لائیں؟ نہیں ہرگز نہیں۔ تو بس اب فیصلہ یہی ہے کہ جو ان مقربانِ بارگاہ سے جتنا دور ہے۔ اتنی ہی نفرت وحقارت کا مستحق ہے نہ کہ عزت وکرامت کا۔

قادیانی ہوئے، مرزائی ہوئے، بابی ہوئے، بہائی ہوئے۔ تبرائی ہوئے، دشنامی ہوئے، وہابی ہوئے، چکڑالوی ہوئے، نیچری ہوئے یا ان کے ہم نوا، ہم نوالہ، ہم پیالہ ہوئے۔ ان کے اقوال واحوال اور عقائد واعمال، ان کی کتابوں سے ظاہر ہیں۔ انہیں اُٹھا کر دیکھ لو۔ تمہارا دین تمہارا ایمان، آپ ہی بتادے گا کہ جن کے یہ عقیدے یہ اقوال ہیں۔ وہ اللہ ورسول کے دشمن ہیں یا دوست۔ اُن کے دلوں میں اسلام کا مغز ہے یا پوست۔ اور جو انصاف نہ کرے، اُس کا حساب' اللہ واحد قہار کے یہاں ہے۔ اور جو اللہ ورسول کی سچی محبت سامنے رکھ کر جانچے، تو بحمدہ تعالیٰ حق، آفتاب سے زیادہ عیاں ہے۔ وعیاں راچہ بیاں۔

گمراہوں کے گمراہ طریقے

مسلمانو! من و تو کی کیا حقیقت۔ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ، معاندوں کینہ توزوں اور ہوس پرستوں کے چند طریقے رہے ہیں۔

۱۔ سرے سے بات نہ سننا کہ:

لاتسمعوا لھٰذا القرآنِ والغوفیہِ لعلّکم تغلبون ۝

قرآن سنو ہی نہیں۔ اور اس میں غُل غپاڑہ کرو۔ شاید تم غالب آؤ۔

۲۔ سُن کر مکابرانہ تکذیب کا مونھ کھول دینا اور انھیں جھٹلانا کہ:

اِنْ انتم اِلّا تکذِبُون ۝ تم تو نہیں مگر جھوٹے۔

۳۔ ہدایت فرمائی و رہنمائی کو کسی دنیاوی غرض سے وابستہ کردینا کہ:

اِنّ ھٰذا الشیٔ یُّراد ۝ اس میں ضرور کچھ مطلب ہے۔

۴۔ حق کا باطل سے معارضہ و مقابلہ کرنا کہ:

و یجادلُ الّذین کفروا بِالباطِلِ لیدحضوا بہ الحقّ واتّخذوا آیاتی وما انذِروا ھزوا ۝

کافر باطل کے ساتھ جھگڑتے ہیں کہ اُس سے حق کو زائل کردیں۔ اور انہوں نے میری آیتوں اور ڈراووں کو ہنسی بنالیا ہے۔"

لیکن مسلمان کی شان کہ مسلمان خدا کی امان میں ہے، ان سب سے جدا ہے۔ رب عزّوجلّ فرماتا ہے:

فبشّر عبادی الّذین یستمعون القولَ فیتّبعون احسنہ۔ اُولٰئک الّذین ھدٰھم اللہ واُولٰئک ھم اُولوا الالباب ۝

"خوشخبری دو میرے بندوں کو، جو کان لگاکر بات سنتے، پھر سب میں بہتر

کی پیروی کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت فرمائی، اور یہی عقل والے ہیں"۔
اس لیے مسلمان پر فرض ہے کہ سب باطل طریقوں سے پرہیز کرے۔ ہر تعصب وطرفداری سے خالی الذہن ہو کر، کان لگا کر بات سُنے۔ اگر انصافاً حق پائے، اتباع کرے کہ بارگاہ رب العزّت سے ہدایت و دانشمندی کا خطاب ملے۔ ورنہ پھینک دینا تو ہر وقت اختیار میں ہے۔ واللہ الهادی

لِلّٰہِ! اک ذرا تعصب و سخن پروری سے جُدا ہو کر تفکّر کرو۔ تنہائی قبر و ہنگامۂ حشر کا تصوّر کرو۔ اُس دن نامۂ اعمال کھولے جائیں گے۔ نیک و بد افعال سب تولے جائیں گے۔ بھڑکتی، شعلے مارتی، جہنّم کی آگ کو سامنے لائیں گے۔ اہلسُنّت نجات پائیں گے۔ اُن کے مخالف، اُن سے معاند، نارِ جہنّم میں دھکّے کھائیں گے۔ مخالفوں کے ساتھی، مخالفوں کے ساتھ، اُٹھائے اور ایک رسّی میں باندھے جائیں گے۔ یہ سارے بکھیڑے، رہتی دنیا تک ہیں۔ آنکھ بند ہوتے ہی سب یہیں رہ جائیں گے۔ ہر ایک اپنی اکیلی جان سے، اپنے اعمال، اپنے ایمان سے، بارگاہِ عدالت میں حاضر ہوگا۔ ہر دل کا راز ظاہر ہوگا۔ کوئی جھوٹا حیلہ بہانہ ہرگز نہ چلے گا۔ بات بنانے کو ہرگز راستہ نہ ملے گا۔ وہاں یہ کہتے نہ بنے گی کہ ہم غافل تھے کچھ مولویوں نے بہکا دیا، ہم جاہل تھے۔

لِلّٰہ! انصاف کی آنکھیں کھولو۔ حق و باطل کو میزانِ عدل و عقل میں تولو۔ اور وہ کام کرچلو کہ دارین میں بول بالا ہو اور خدا و رسول کے سامنے، مونھ اجالا۔ اے میرے رب، توفیق رفیق کر۔ آمین آمین بجاہِ سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم۔

حاشَ لِلّٰہ

مذکورہ بالا مؤدبانہ معروضات کا منشا یہ ہرگز نہیں کہ ہم مُدارات اسلامی کو بالائے طاق رکھ دیں اور ناحق اُن سے اُلجھتے پھریں۔ یا اُن پر ظلم یا ان کی دل آزاری کریں یا انہیں گالیاں دیں یا ان پر گلی گلی لعنتیں بھیجیں یا اُن کا عیش اُن پر مُنغّص کر دیں یا اُن پر نجاستیں پھینکیں یا مصالح شرعیہ کو یکسر فراموش کر دیں۔ یا حدِ اعتدال سے گزر کر انہیں خواہ مخواہ اشتعال دلائیں یا شائستگی و متانت اور معقولیت کی بجائے غیر شریفانہ سلوک پر اُتر آئیں۔ ملک میں امن و سلامتی کا مسئلہ کھڑا کر دیں اور اعداء اسلام و مسلمین کے ہاتھ مضبوط کریں۔ بلکہ منشاء کلام یہ ہے کہ ہم اپنے عقائد اپنے نظریات، اپنے اعمال، اپنے معمولات کا سودا نہ کریں۔ اُن کی تملّق و خوشامد میں نہ رہیں۔ اپنا دین اپنا ایمان، اُن کی رضامندی و خوشنودی کی خاطر، مداہنت کے سیلاب میں نہ بہائیں۔ اور اُن کے گورکھ دھندوں میں ملوّث ہو کر اپنی دنیا، اپنی آخرت، اپنا دین اپنی عاقبت نہ گنوائیں۔ جو گمراہ و بددین ہیں اُنہیں گمراہ و بددین ہی جانیں۔ اُن سے معاملات سے واسطہ پڑے تو اُن کی محبت و تعظیم اور مودّت و تکریم کو اسلام و قرآن، شرع و ایمان کے خلاف ہی جانیں۔ ان کی تضلیل و تکفیر و تفسیق ہی میں اپنی نجات پہچانیں۔ اور یقین مانیں کہ حق و صواب وہی ہے جس کی طرف خدا و رسول بُلاتے ہیں۔

ہمارے بہی خواہ، ہمارے رؤف و رحیم، ہم پر ہم سے زیادہ مہربان، ہمارے رسول کریم علیہ و علیٰ آلہ و اصحابہ افضل الصلوٰۃ و اکرم التسلیم نے صاف صاف، واشگاف الفاظ میں ہم مسلمانوں پر واضح فرما دیا ہے کہ یہ اُمّت تہتّر فرقے ہو جائے گی۔ ایک فرقہ جنّتی ہوگا۔ باقی سب جہنّمی۔ صحابہ نے عرض کی مَنْ هُمْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ وہ ناجی فرقہ کون ہے یا رسول اللہ۔ فرمایا مَا اَنَا عَلَیْهِ وَ اَصْحَابِیْ۔ وہ جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔

یعنی سُنّت کے پیرو۔ دوسری روایت میں هُمُ الجماعة وہ جماعت ہے یعنی مسلمانوں کا بڑا گروہ، جسے سوادِ اعظم فرمایا۔ اور فرمایا جو اس سے الگ ہوا جہنم میں الگ ہوا۔ اسی وجہ سے اس ناجی فرقے کا نام ہوا۔

اَھلُ السُّنَّةِ والجَماعةِ (اہلسنّت وجماعت) کثرھم اللہ تعالیٰ۔

ان گمراہ فرقوں میں بہت سے پیدا ہوکر ختم ہوگئے۔ بعض برِصغیر پاک و ہند میں نہیں۔ اور جو یہاں موجود ہیں، اُن میں کچھ اسلام سے نکل گئے۔ کچھ پر تول رہے ہیں۔ کچھ بگڑ گئے، کچھ بگڑ رہے ہیں۔ ہمیں اپنے مسلمان بھائیوں سے صرف یہی کہنا ہے۔ کہ ان کے فریب میں نہ آئیں اور اُس حدیث شریف کو اپنا لائحۂ عمل بنائیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِیّاکُمْ واِیّاھُمْ لایُضِلُّونَکُمْ ولایَفْتِنُونَکُمْ۔ اپنے کو اُن سے دور رکھو اور انھیں اپنے سے دور کرو۔ کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کر دیں۔ کہیں وہ تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دیں۔"

اور انہیں کلماتِ طیبہ پر یہ فقیرِ بے توقیر اپنی اس تالیف کو ختم کرتا ہے۔ اور دُعاگو ہے کہ رب کریم اپنے فضل عمیم سے اس بے مایہ خدمتِ دینِ متین کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور ہمیں اور تمام مسلمانوں کو دین پر ثبات اور مذہب مہذب اہلسُنّت وجماعت پر استقامت عطا فرمائے۔ آمین آمین آمین یارب العٰلمین بحرمة حبیبك النبی الامی الامین علیه وعلیٰ آلہٖ واصحابه وحزبه اجمعین برحمتك یا ارحم الراحمین۔

تمّ

العبد محمد خلیل خاں القادری البرکاتی عفی عنہٗ

دارالعلوم احسن البرکات حیدرآباد پاکستان

۲۵ ربیع الاوّل شریف ۱۴۰۲ھ ہفتہ